مرتبہ

خلیق انجم

غالب کے خطوط

جلد چہارم

غالب کے خطوط

جلد چہارم

مرتبہ

خلیق انجم

HaSnain Sialvi

GHALIB KE KHUTOOT
(VOL-4)
BY :
KHALIQ ANJUM

ISBN: 81-8172-050-4

اہتمام	:	شاہد ماہلی
اشاعت	:	۲۰۱۱ء
قیمت	:	۳۰۰؍روپے
مطبوعہ	:	اصیلا آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی

غالب انسٹی ٹیوٹ،
ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی۔۲
www.ghalibinstitute.com-- email: ghalib@vsnl.net

فہرست

حرفِ آغاز

ایک زمانے میں مجھے قدیم رسالوں کے مطالعے کا بہت شوق تھا۔ مطالعے کے دوران ان رسالوں میں بکھرے ہوئے غالب کے ایسے خطوط ملے جو "اردوئے معلّٰی" اور "عودِ ہندی" کی اشاعت کے بعد دریافت ہوئے تھے ان خطوط کی تعداد خاصی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ ان خطوط کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، چنانچہ میں نے یہ خط مرتب کیے اور انھیں "غالب کی نادر تحریریں" کے نام سے ۱۹۶۱ء میں شائع کرا دیا۔ غالب پر میری دوسری کتاب "غالب اور شاہانِ تیموریہ" ہے، جو ۱۹۷۴ء میں چھپی۔

"غالب کی نادر تحریریں" مرتب کرنے کے دوران مجھے غالب کے خطوط میں غیر معمولی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ خطوط میں غالب کی شخصیت کا جس طرح بھرپور اظہار ہوا ہے، اس نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور پھر میں نے غالب کے اردو اور فارسی خطوط کے تمام مجموعوں کا کئی بار مطالعہ کیا۔

غالب کے اردو خطوط کے مجموعے تو دستیاب تھے، لیکن ایسا کوئی مجموعہ دستیاب نہیں تھا، جس میں اُن کے تمام تر خطوط شامل ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام میں انجام دوں گا۔

میں نے ۱۹۷۲ء میں خطوطِ غالب کی ترتیب کا کام شروع کیا، لیکن ۱۹۷۴ء میں انجمن ترقّی اردو (ہند) کا سکریٹری مقرر ہونے پر میری مصروفیات اتنی بڑھ گئیں کہ چار پانچ سال تک مجھے اس کام کی طرف باقاعدگی سے توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس دوران لکھنے کا کام تو بند رہا لیکن خطوطِ غالب کا مطالعہ بدستور جاری رہا۔ جب بھی وقت ملتا میں پُرانے رسالے کھنگالتا۔ کچھ عرصے بعد ایک بار پھر میں نے اس کام کو باقاعدگی کے ساتھ شروع کیا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کی ادبی کمیٹی کی عنایت سے "غالب کے خطوط" کی پہلی جلد ۱۹۸۴ء، دوسری ۱۹۸۵ء اور تیسری ۱۹۸۷ء میں شائع ہوئی۔ اب یہ چوتھی اور آخری جلد آپ کے سامنے ہے۔ پہلی جلد کے "حرفِ آغاز" میں میں نے اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ غالب کے خطوں میں جن شخصیتوں، جن رسالوں، کتابوں، اخباروں اور جن

مختلف مقامات کا ذکر آیا ہے، اُن پر "جہانِ غالب" کے نام سے حواشی لکھے گئے ہیں۔ یہ حواشی تقریباً تیار ہیں اور اُن کے بڑے حصّے کی کتابت بھی ہو چکی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ "جہانِ غالب" کا حجم اتنا ہو گیا ہے کہ خود اس کے لیے دو جلدیں درکار ہیں۔ "خطوطِ غالب" کی پہلے ہی چار جلدیں ہو چکی ہیں۔ اس مجموعے کے ساتھ اب اس مواد کو شائع کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ لہٰذا اب صرف پہلی جلد کے حواشی شائع کیے جا رہے ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا "غالب کے خطوط" کی ترتیب کا کام ۱۹۷۴ء میں شروع کیا گیا تھا، اور یہ کام اب ۱۹۹۱ء میں ختم ہو رہا ہے۔ گویا یہ کام ۱۷ سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ سترہ برس کی اس طویل مدت کا فائدہ یہ ہوا کہ اب غالب کا شاید ہی کوئی ایسا اردو خط ہو جو اس مجموعے میں شامل نہ ہوا ہو۔ اس میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم کے مرتبہ "مکاتیبِ غالب" آفاق حسین آفاق کے مرتبہ "نادراتِ غالب" اور خلیق انجم کی مرتبہ "غالب کی نادر تحریریں" کے تمام خطوط شامل کر لیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف رسالوں میں جو خطوط بکھرے ہوئے تھے انھیں بھی اس مجموعے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے غالب کے خطوط کا یہ پہلا مجموعہ ہے جس میں تمام دستیاب خطوط ترتیب دے کر یک جا کر دیے گئے ہیں اور اس اعتبار سے بھی خطوطِ غالب کا یہ پہلا مجموعہ ہے کہ جس میں غالب کے اردو خطوط کے تمام دستیاب عکس شامل ہیں۔

اردو کے معروف محقق کاظم علی خاں صاحب نے اپنی کتاب "خطوطِ غالب کا تحقیقی مطالعہ" میں غالباً پہلی بار غالب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد کی نشان دہی کی۔ کاظم علی خاں کے بیان کے مطابق غالب کے مکتوب الیہم کی تعداد ۹۰ اور خطوط کی تعداد ۸۷۱ ہے۔ مکتوب الیہم میں انھوں نے کولڈ سٹریم کو بھی شامل کیا ہے۔ کولڈ سٹریم "دہلی سوسائٹی" کے سکریٹری تھے۔ ۱۸۶۵ء میں اُن کا دہلی سے لاہور تبادلہ ہوا تو غالب نے ایک سپاس نامہ لکھا تھا جس پر مرزا الٰہی بخش کے دستخط کے علاوہ انگریزی اور اردو میں ۴۳ دستخط اور ہیں۔ اس سپاس نامے کو خط نہیں کہا جا سکتا، اس لیے اسے "غالب کے خطوط" میں شامل نہیں کیا گیا۔

میرے مرتبہ مجموعے میں مکتوب الیہم کی مجموعی تعداد بانوے ہے، جن میں پانچ مکتوب الیہم نامعلوم ہیں لیکن خطوط کی مجموعی تعداد ۸۸۶ ہے، یعنی میرے مرتبہ مجموعے میں کاظم علی خاں صاحب کی بتائی ہوئی تعداد سے پندرہ خط زیادہ ہیں۔

"غالب کے خطوط" کی پہلی جلد میں صفحات ۹۳ تا ۹۷ پر غالب کے تمام خطوط کی جو فہرست دی گئی تھی، اسے کالعدم سمجھا جائے۔ اس لیے کہ اس چوتھی جلد میں اب غالب کے خطوط کی نئی فہرست دی جا رہی ہے۔ میں نے

غالب کے خطوط کی پچھلی تین جلدوں میں مکتوب الیہم کے وہ نام دیے تھے جن سے وہ مشہور ہیں۔ اس فہرست میں اُن کے پورے نام دیے گئے ہیں میری تمنا تھی کہ اگر میں اپنے مرتبہ مجموعے میں غالب کے کچھ نو دریافت خطوط شامل کر سکوں تو اس سے میرے کام کی وقعت میں اضافہ ہو سکے گا۔ میری یہ تمنا اور جستجو اس طرح پوری ہوئی کہ مجھے مولوی مہیش پرشاد مرحوم کے اُن کاغذات میں (جو انجمن ترقی اردو (ہند) کی ملکیت ہیں) عبدالرحمٰن تحسین کے نام غالب کے نو خطوط کی نقلیں مل گئیں۔ یہ تمام خطوط پانی پت کے غیر معروف رسالے سہ ماہی "حیاتِ نو" میں شائع ہوئے تھے۔ اس رسالے کی تفصیل۔ غالب کے خطوط" کی جلد دوم میں صفحات ۹۶۳ تا ۹۶۴ پر موجود ہے۔ ماہرینِ غالب کو ان خطوط سے متعلق کوئی آگاہی نہیں تھی۔ مولانا غلام رسول مہر نے "خطوطِ غالب" میں اور سید مرتضیٰ حسین فاضل نے "اردوئے معلی" میں ایسے تمام خطوط شامل کیے ہیں جو مختلف رسالوں میں شامل ہوئے تھے۔ ان دونوں حضرات کو بھی ان خطوط کا علم نہیں تھا۔ خود میں نے سترہ سال تک "خطوطِ غالب" کی تلاش میں ایسے رسالے کھنگالے ہیں لیکن مجھے ان کا علم نہیں تھا۔ اس لیے ان خطوط کی دریافت کے لیے میں مولوی مہیش پرشاد مرحوم کا شکر گزار ہوں۔

غالب کے ماہروں، محققوں اور نقادوں کے علاوہ دلی دور درشن، آل انڈیا ریڈیو اور انگریزی اخبارات نے میرے اس کام کی غیر معمولی پذیرائی کی۔ یو۔ این۔ آئی نے پریس ریلیز جاری کیا جس کی وجہ سے ہندوستان اور ہندوستان کے باہر مختلف زبانوں کے اخباروں میں اس کام کے بارے میں خبریں شائع ہوئیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے کام کی پذیرائی دراصل غالب کے خطوط کی پذیرائی ہے، لیکن بہر حال اس سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی — اس کے جواب میں میرے پاس دلی شکریے کے علاوہ اور کیا ہے۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مولوی مہیش پرشاد، مالک رام صاحب، آفاق حسین آفاق اور سید مرتضیٰ حسین فاضل نے غالب کے خطوط کی ترتیب میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے۔ ان حضرات کے کام ہر لحاظ سے قابلِ قدر اور لائقِ تحسین ہیں۔ پرتھوی چندر مرحوم نے مرقع غالب میں پہلی بار غالب کے خطوط کے عکس خاصی بڑی تعداد میں ایک ساتھ شائع کیے تھے۔ میں نے ان تمام حضرات کی کاوشوں سے بہت کچھ رہنمائی حاصل کی ہے اور ان کے کام سے استفادہ کیا ہے۔ یہ سب بزرگ بجا طور پر میرے شکریے کے مستحق ہیں۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم اور قاضی عبدالودود مرحوم کو میں نے تحقیق کے میدان میں ہمیشہ اپنا معنوی استاد تسلیم کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات اردو تحقیق کی آبرو ہیں۔ میرے کرم فرماؤں اور دوستوں میں مالک رام صاحب، مشفق خواجہ صاحب، پروفیسر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، رشید حسن خاں صاحب، ڈاکٹر اسلم پرویز،

کاظم علی خاں صاحب اور برادرِ محترم جمیل الدین عالی جیسے لوگوں نے میرے اس کام میں گہری دل چسپی کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ جس کے لیے میں ان حضرات کا بے حد ممنون ہوں۔ ان کے علاوہ اس کام کی تکمیل کے سلسلے میں مجھے جن عزیزوں کا خصوصی تعاون حاصل رہا، ان میں محمد رضا صاحب، ایم حبیب خاں صاحب، ثریا سعید صاحبہ، شمیم جہاں صاحبہ، بہار الہ آبادی صاحب، ڈاکٹر تبارک علی نقشبندی شامل ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا ان حضرات کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔

غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دلی نے چار جلدوں میں غالب کے خطوط شائع کرنے کی ذمہ داری لی۔ میں اس سلسلے میں پروفیسر نذیر احمد، انسٹی ٹیوٹ کی ادبی کمیٹی کے سابق صدر رشید حسن خاں صاحب اور موجودہ صدر جناب مظفر حسین برنی انسٹی ٹیوٹ کے سابق ڈائرکٹر رفعت سروش اور موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد ایوب تاباں اور پبلیکیشن انچارج شاہد ماہلی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی خصوصی دل چسپی اور تعاون سے یہ چاروں جلدیں اتنی خوب صورت شائع ہوئیں۔ آخر میں صرف ایک بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کام مکمل کرنے کے بعد میرے دل میں ایک نئی اُمنگ پھوٹنی شروع ہوئی ہے "اگر مجھے ایک زندگی اور مل جائے تو میں نئے سرے سے غالب کے خطوط کا تنقیدی اڈیشن تیار کروں بہر حال یہ ایک رُوحانی سا تصور ہے، لیکن مولانا امتیاز علی خاں عرشی سے لے کر اس حقیر کی موجودہ کاوش تک خطوطِ غالب پر جتنا بھی کام ہوا ہے اگر اس کی بنیاد پر مستقبل کا کوئی متقی نقاد وہ کام کر جائے جس کا خواب آج میں دیکھ رہا ہوں تو شاید یہ ان سب لوگوں کی مغفرت کے لیے کافی ہوگا جنھوں نے اب تک غالب پر کام کیا ہے۔

خلیق انجم

غالب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد

یہاں غالب کے ان اردو خطوط کی مجموعی تعداد دی جا رہی ہے، جو "غالب کے خطوط" کی چاروں جلدوں میں شامل ہیں۔ ایسی ہی فہرست پہلی جلد کے پہلے اڈیشن میں دی گئی تھی، لیکن جیسا کہ اس جلد کے حرفِ آغاز میں کہا گیا ہے کہ اب اُسے کالعدم سمجھا جائے۔ "غالب کے خطوط" کی تمام جلدوں میں مکتوب الیہم کے وہ نام لکھے گئے تھے، جن سے وہ مشہور تھے۔ اس فہرست میں اُن کے مکمل نام درج کیے جا رہے ہیں۔

مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط
آرام، منشی شیو نرائن	۳	۳۶
آزاد، مولانا محمد نعیم الحق آزاد	۲	۲
آشوب، ماسٹر پیارے لال	۲	۵
احمد حسن مودودی، سید	۳	۱۱
احمد رام پوری، خلیفہ احمد علی	۴	۱
افضل علی میرن، میر	۲	۳
امین الدین احمد خاں، نواب	۲	۸
مرزا میر (عرف) میر		
بندہ علی خاں	۲	۱
بیتاب، سید محمد عباس علی خاں	۲	۲
بے خبر، خواجہ غلام غوث خاں	۲	۲۵

مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط
تحسین، عبدالرحمٰن	۴	۹
تفتہ، منشی مرزا ہرگوپال	۱	۱۲۳
تفضل حسین خاں	۳	۱
توفیق، شہزادہ بشیرالدین	۲	۴
ثاقب، مرزا شہاب الدین احمد خاں	۲	۱۰
جنون بریلوی، قاضی عبدالجمیل	۴	۳۰
جوہر، منشی جواہر سنگھ	۴	۳
حسین مرزا (عرف) ذوالفقار الدین		
حیدر خاں	۲	۶
حقیر، منشی نبی بخش	۳	۷۰
خلیل، وفوق، منشی محمد ابراہیم	۳	۱
درد، منشی ہیرا سنگھ	۲	۲
ذکا، محمد حبیب اللہ	۴	۱۷
رحیم بیگ، مرزا	۴	۱
رضوان، مرزا شمشاد علی بیگ	۲	۲
رعنا، مردان علی خاں	۲	۲
رفعت شروانی، محمد عباس	۲	۲
زکی دہلوی، سید محمد زکریا خاں	۲	۱
زکی، میر محمد زکی	۱	۲
زین العابدین خاں عرف کلن میاں	۴	۲
سالک، مرزا قربان علی بیگ خاں	۲	۲
سجاد، سید معین الرحمٰن حیدر عرف سید سجاد مرزا	۲	۲

مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط
سردار سنگھ مہاراجا	۲	۱
سرفراز حسین، میر	۲	۲
سرور، چودھری عبدالغفور	۲	۲۷
سیاح، میاں داد خاں	۲	۳۵
سیل چند، منشی	۴	۷
شائق، شاہ عالم مارہروی	۳	۳
شاکر، مولوی عبدالرزاق	۲	۱۰
شفق، انورالدولہ		
سعدالدین خاں	۳	۲۰
شیفتہ، نواب مصطفیٰ خاں بہادر	۲	۱
صاحب عالم مارہروی	۳	۶
صوفی منیری، شاہ فرزند علی (عرف) سید ابو محمد جلیل الدین حسین	۴	۱
صغیر بلگرامی، سید فرزند احمد	۴	۹
ضیا، مولوی ضیاء الدین احمد	۲	۳
ظہیرالدین احمد خاں، حکیم	۲	۲
ظہیرالدین کی طرف سے ان کے چچا کے نام	۴	۱
عباس بیگ، مرزا	۲	۱
عبدالحق	۲	۱
(یہ خط در اصل حکیم غلام نجف خاں کے نام ہے تفصیل کے لیے دیکھیے "استدراک")		

مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط
عبداللطیف، منشی	۳	۲
عرشی قنوجی، احمد حسن	۲	۲
عزیز و صادق، عزیزالدین	۴	۱
عزیز، مرزا یوسف علی خاں	۲	۳
علائی، نواب علاء الدین احمد خاں	۱	۵۸
غلام نجف خاں }	۴	۲
غلام نجف خاں }	۲	۲۳
غلام مرتضیٰ خاں، حکیم	۲	۱
غلام رضا خاں، حکیم	۴	۱
غلام بسم اللہ، منشی	۲	۱
نامعلوم (صاحب میں کل تمھارا مسہل)	۴	۱
نامعلوم خاں صاحب، جمیل المناقب عمیم الاحسان	۴	۱
غلام بابا خاں، میر	۳	۱۰
فائق رضوی، قاضی محمد		
نورالدین حسین خاں	۴	۱
فرخ مرزا، مرزا امیرالدین احمد خاں	۴	۱

مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط	مکتوب الیہم	جلد	کل خطوط
قرقانی میرٹھی	۲	۱	نامعلوم		
قدر بلگرامی، سید غلام حسین	۴	۲۲	(جناب عالی، نامہ وداد پیام)	۴	۱
کاشف، سید بدر الدین احمد	۳	۵	نامعلوم	۲	۱
عزت فقیر			(میاں، وہ عرضی کا کاغذ		
کامل، مرزا باقر علی خاں	۲	۳	افشاں کیا ہوا)		
کرامت علی، مولوی	۴	۱	نامعلوم		
کلب علی خاں، نواب	۳	۷۶	(حضرت میرا حال کیا پوچھتے		
لطیف احمد بلگرامی، شیخ	۲	۱	ہو)	۲	۱
مجروح، میر مہدی حسین	۲	۵۰	نساخ، مولوی عبدالغفور خاں	۴	۱
محمد حسین خاں (مدیر دبدبہ سکندری)	۳	۴	نشاط، بابو ہرگوبند سہلے	۲	۲
محمد عباس مفتی	۴	۱	نعمان احمد، مولوی	۴	۴
مدہوش، مفتی سخاوت حسین انصاری	۳	۱	نول کشور، منشی	۴	۲
مشتاق، بہاری لال	۳	۲	نیر، رخشاں،		
مہر، مرزا حاتم علی	۲	۱۹	ضیاء الدین احمد خاں	۲	۱
میکش، میر احمد حسین	۲	۲	وفا، میر ابراہیم خاں		
مینا مرزا پوری، احمد حسین	۲	۲	نواب	۳	۵
ناظم، نواب یوسف علی خاں	۳	۴۰	ولایت علی میر	۴	۲
			ولایت و عزیز، صفی پوری		
			ولایت علی خاں	۴	۲
			ہشیار، منشی کیول رام	۲	۱
			یوسف مرزا، نواب	۲	۱۲

کل خطوط ۸۸۶

حسنین سیالوی

سید غلام حسنین قدر بلگرامی

(۱)

بندہ پرور!

آپ کے عنایت نامے کے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا، دوسرے آپ کی طرزِ عبارت مجھ کو پسند آئی، تیسرے آپ حضرت علامہ عبدالجلیل اور "آزاد" مغفور کی یادگار ہیں اور میں اُن کے حسنِ کلام کا معتقد۔ خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو؟ جب مزاج میں آئے، آپ نظم و نثر بھیج دیں، میں دیکھ کر بھیج دیا کروں گا اور آرائشِ گفتار یعنی حک و اصلاح میں کوشش دریغ نہ ہوگی۔

بارہ برس کی عمر سے کاغذ نظم و نثر میں مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی، پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گزرے۔ اب جسم و جان میں تاب و تواں نہیں۔ نثر فارسی لکھنی یک قلم موقوف؛ اُردو، سو اُس میں بھی عبارت آرائی متروک: جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے۔ پاؤں رکاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر، کیا لکھوں اور کیا کروں؟ یہ شعر اپنا پڑھا کرتا ہوں:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ   مر گئے پر، دیکھیے دکھلائیں کیا؟

آپ ملاحظہ فرمائیں؛ ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور کسی فیض رسانی

اور قدر دانی کو کیا روئیں؟ اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہیِ ریاستِ اودھ نے باآں کہ بیگانہ محض ہوں، مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا، بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت نا انصاف ہوں گے وہ اہلِ ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔ اللہ ہی اللہ ہے۔

کل آپ کا خط آیا۔ آج میں نے جواب لکھا؛ تا کہ انتظارِ جواب میں آپ کو ملال نہ ہو۔

والسلام مع الاکرام۔

نگاشتۂ بست و سوم فروری ۱۸۵۶ء از اسداللہ

(۲)

حضرت!

میں نے چاہا کہ حکم بجا لاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں، مگر میں کیا کروں؟ آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے؟ اگر بہ مثل آپ خود نظرِ ثانی میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پائیں۔ جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے تو بین السطور زیادہ چھوڑتے ہیں۔ جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کروں، تب حک و اصلاح کا طور ہے۔ میرا کام اصلاحِ عبارت ہے، نہ کتابت۔

"زردشتِ آتش کدہ" الخ زردشت کو "آتش کدے" سے وہ نسبت نہیں، جو ساقی کو مے خانے سے۔ زردشت، بہ اعتقادِ مجوس، پیغمبر تھا، آتش کدے کے پجاری کو "موبد" اور "ہیربد" کہتے ہیں۔

"آبِ حرام اشتیاق" "آبِ حرام" "شراب" کو محلِ مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ "نبیذ" اور "بادہ" اور "رحیق" اور "مے" اور "قرقف" اور "راوق" کی طرح اسم نہیں، ناچار "شرابِ شوق" یا "بادۂ شوق" لکھنا چاہیے۔ "اشتیاق" سے "شوق" بہتر ہے۔

"ماہم دوسہ جامگی علی التواتر زدہ بودم" "ما زدہ بودم" تمھارا دل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے؟ "من زدہ بودم" "یا ما زدہ بودیم" اس کے علاوہ "دوسہ جامگی" یہ کافِ فارسی یعنی چہ؟ "جام" معلوم، "کافِ تصغیر کا جامک" چاہیے۔ "جامگ" کیا؟ مگر یہ پیروی قتیل کی ہے کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تحریر اپنی بنانا چاہتا ہے۔ ظہوری، جلال، ظہیر، طاہر وحید کسی نے

"جام" کو "جامک" نہیں لکھا۔ "دوسہ جامگی" کی جگہ "دوسہ ساغر" یا "دوسہ قدح" لکھو۔

"پاچناری گلستاں بر باغبان است و تیماری او بر قدر دان" میں اس فقرے کو نہیں سمجھا۔ یعنی "بر باغبان" کیا ہے؟ "تیماری" کیا ہے؟ "تیمار" بہ معنی "بیمار داری" و "غم خواری" ہے جب یہ لفظ خود افادۂ معنی مصدری کرتا ہے تو یائے مصدری کیسی؟

"تیرہ شبی با بسر آمد" "تیرہ شبہا بسر آمد"، خیر "تیرہ شبی با بسر آمد" یعنی چہ؟

"لیلائے دیدم" کہ با ہزار طرہ طرار" "طرہ" "زلف" کو کہتے ہیں۔ وہ دو ہوتی ہیں نہ کہ ہزار در ہزار۔

"جامگی" مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت نے جو کہیں "جامگی خوار" دیکھا ہے تو اس کو "جام خوار" بہ معنی "شراب خوار" سمجھا ہے۔ یہ غلط ہے "جامگی خوار" اس نوکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہ ہو۔ روٹی کپڑے پر اس سے کام لیتے ہوں۔ نظامی نوکر حضرت خضر کے گنا روزینۂ سخن پاتے ہیں، جو خضر فرماتے ہیں:

کہ اے جامگی خوار تدبیر من
ز جامِ سخن چاشنی گیر من

"در توبہ باز است و باب رحمت فراز" یعنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند" - "فراز" اضداد میں سے نہیں ہے۔ "باز" کھلا "فراز" بند۔

"قدر زعفران زار رابوئے گل کرد"۔ اس کا لطف کچھ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ "قدر زعفران زار" کیا؟ اور پھر اس کو کس نے بوئے گل کر دیا؟ "سکرر"۔ کدام زبان است، عربی یا فارسی؟

"حسبِ لیاقتِ خود" کافی است۔ "خودم" چہ محل دارد؟ مگر ہماں شیوۂ قتیل۔" بندۂ مجبورم" ہماں سکۂ قتیل۔

صاحب بندہ! تحریر میں اساتذہ کا تتبع کرو، نہ مغل کے لہجے کا، لہجے کا تتبع بھانڈوں کا کام ہے، نہ دبیروں اور شاعروں کا۔ ایسی تقلید کو میرا سلام۔ فقط زیادہ زیادہ۔

جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض کیجے گا اور یہ کہیے گا کہ بیرنگ

خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا۔ ہر مہینے میں آٹھ خط تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا، بھیجیے۔ رہا جواب کا لکھنا، کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے۔ ہر روز صبح قلعے جانا، دوپہر کو آنا۔ بعد کھانا کھانے کے حضرت کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کو[1] خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے۔ والسلام۔

قبل ۱۸۵۷ء[2]

(۳)

مشفق میرے!

میں بعد آپ کے جانے کے دلّی سے رام پور آیا اور یہاں میں نے آپ کا دوسرا خط پایا۔ پہلا خط مجھے دلّی میں پہنچا تھا، مگر چونکہ اُس خط میں آپ نے مسکن کا پتا نہیں لکھا تھا، میں تحریرِ جواب میں قاصر رہا۔ اب جو یہ خط رام پور میں پہنچا، اُس میں پتا مرقوم تھا، میں پاسخ نگار ہوا۔ آپ کے مسودات ایک بکس میں تھے، وہ بکس وہیں رہا۔ اب جب تک دلّی نہ جاؤں گا، اُن کو نہ پاؤں گا۔

اور ایک آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جب میں دلّی میں تھا تو ایک خط میاں نوروز علی خاں کا تمھارے نام بہ نشانِ میرے مقام کے آیا تھا۔ چونکہ اُن دنوں میں مجھ کو آپ کا مسکن معلوم نہ تھا، میں نے اُس پر لکھ دیا کہ وہ بلگرام گئے۔ خدا جانے، تمھارے پاس وہ خط پہنچا یا نہیں؛

برخوردار مرزا عباس کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں۔ اگر وہ سعادت مند ہیں، تو وہی ایک خط کافی ہے۔ اب آپ جو مجھ کو خط بھیجیے تو رام پور بھیجیے۔ پتا مقام کا کچھ ضرور نہیں۔ رام پور کا نام اور میرا نام کفایت کرتا ہے۔

جنوری۔ مارچ ۱۸۶۰ء[3] خوشنودی کا طالب غالب

(۴)

سید صاحب!

تمھارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزردہ

نہ ہوتا۔ اب غزلوں کو دیکھا، کہیں حک و اصلاح کی حاجت نہ پائی۔

مدعائے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزائے خطابی یہاں شاملِ اسم نہیں ہیں۔ صرف اسمِ مبارک خطوط و عرائض پر لکھا جاتا ہے۔ رہا قصیدے کا بھیجنا، زائد محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیفِ رہروی اُٹھاتے اور یہاں آتے اور قصیدہ گزرانتے تو بہ طریقِ صلہ کچھ ملنے کا احتمال تھا۔ یہ طرز کہ تم بھیجو اور میں گزرانوں، اس سے قطع نظر کہ احتمالِ نفع بھی نہیں رکھتی۔ بہ توسط میرے خلافِ وضع ہے۔ مجھ کو معاف رکھیے اور اب جو خط بھیجیے، دلی کو بھیجیے گا کہ میں اس مہینے میں اُدھر کو جاؤں گا۔ رویتِ ہلالِ ماہِ صیام اغلب ہے کہ دلی ہی میں ہو۔

والسلام مع الاکرام۔

سہ شنبہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۰ء

غالبؔ

(۵)

سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین کو غالبِؔ گوشہ نشیں کی دعا پہنچے۔

حضرت! اکشفیؔ کے دیوان کے انطباع کی تاریخ اچھی ہے، کہیں اصلاح کی حاجت نہیں، مگر دوسری تاریخ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس فن کے قاعدے کے موافق مصرعِ تاریخ میں سے "تکلف" کے عدد نکالنے چاہئیں یعنی پانسو تیس۔ "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" اِس مصرع کے اعداد میں اتنی گنجایش کہاں کہ پانسو تیس نکل جائیں اور ۱۲۷۸ بچ رہیں؟

صاحب! تم بہت دن سے بیکار ہو۔ ایک جگہ مساعدتِ روزگار کی صورت ہے۔ تم بے تکلف میرا یہ رقعۂ مُہری لے کر لکھنؤ چلے جاؤ۔ مطبعِ اودھ اخبار میں میرے شفیقِ دلی یعنی منشی نول کشور صاحب سے ملو اور یہ رقعہ اُن کو پڑھوا دو۔ اپنی نظم و نثر اُن کو دکھاؤ اور اپنا مبلغِ علم اُن پر ظاہر کرو۔ اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کارگزار سمجھیں گے تو مطبع کا کام تمھارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہرہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائے گا، معزّز و مکرّم رہو گے، زندگی کا لطف اُٹھاؤ گے، لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ۔ لکھنؤ تم سے نزدیک ہے۔ اتنی راہ کا قطع کرنا

کچھ دشوار نہیں، اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے، پھر چلے آنا، بخت آزمائی ہے۔

۱۸۶۱ء [۱]

(۶)

بندہ پرور!

آپ کا خط لکھنؤ سے آیا۔ حالات معلوم ہوئے۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا کام آپ کے سپرد ہوا ہے؟ یہ بھی لکھیے۔ چند روز صبر کرو، اگر وطن میں ہوتے تو اس بے کاری میں گھر کی خبر کیا لیتے؟ جس طرح جب گزرتی، اب بھی گزر جائے گی، بلکہ تمھارا خرچ کم ہو گیا۔ بہ ہر حال، ابھی اضافے کے واسطے نہ تم کہو نہ میں لکھوں، دو چار مہینے کام کرو۔ اس اثنا میں اگر بلگرام میں چھاپے خانہ جاری ہو گیا تو استعفا دے کر چلے جائیو۔ یہاں بعد چند روز کے اضافہ ہونا بھی تو حیزِ امکاں سے باہر نہیں۔

۱۸۶۱ء [۳]

(۷)

سید صاحب، سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالبؔ کی دعا پہنچے۔

آپ کا خط آیا اور میں نے اُس کا جواب بھجوایا۔ اس رقعے کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہیے اور یہ رقعہ اُن کو پڑھا کر عرض کیجیے کہ غالبؔ پوچھتا ہے کہ فارسی کے کلیات کا چھاپا ملتوی ہے یا جاری ہے؟ ملتوی ہے تو کب تک کھلے گا؟ جاری ہے تو تصحیح کس طور پر ہے؟ قصیدے اور تاریخِ کلیات کا مطبع میں پتا لگا ہے یا نہیں؟ اگر وہ دونوں کاغذ گم ہو گئے ہوں، تو منشی نول کشور کو لکھ بھیج دوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعۂ میرے خط کے، آپ سے مل گئے یا نہیں؟ "قاطعِ برہان" کے اجزا کی جلدیں بندھ گئی ہیں یا نہیں؟ اگر بندھ گئی ہوں تو جناب منشی صاحب سے کہہ کر، وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں، اُن میں سے ایک جلد لے کر، جناب فیض مآب، خداوند

نعمت، آیۂ رحمت، قبلہ وکعبہ، جناب مجتہد العصر کی خدمت میں حاضر ہو اور میری طرف سے کورنش عرض کرو اور کتاب نذر کرو اور کہو کہ غلام نے بہت خونِ جگر کھاکر فارسی کی تحقیق کو اُس پائے پر پہنچایا ہے کہ اُس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ یہ مجال کہاں کہ دادا کا طلب گار ہوں بجز عزِ قبول کا امیدوار ہوں۔

سمجھے سیّد صاحب؟ منشی صاحب سے چار سوالوں کا جواب اور جو قبلہ وکعبہ فرمائیں، اُس تقریر میں تغیر بالمرادف بھی نہ ہو۔ جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو، ہو بہو لکھ بھیجو۔

ہاں، مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو، وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا جواب بہت جلد بھیجنا۔ بھائی، میں از راہِ احتیاط، تلف ہونے کے ڈر سے، اس خط کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔

دوشنبہ پنجم ذی القعدہ ومتی سالِ رستاخیز (۱۲۷۸ھ)
۴ مئی ۱۸۶۲ء

(۸)

سیّد صاحب!

آپ کا خط، جس میں قبلہ وکعبہ کا مہری ودستخطی توقیع ملفوف تھا، پہنچا۔ میں تم سے بہت راضی ہوا کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر وہاں پہنچائی۔

اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب سے میرا سلام کہہ کر اُن کے حکم سے ایک نسخہ "قاطعِ برہان" کا مطبع میں سے لو، اور مکان معلوم کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہو اور کتاب دو اور عرض کرو کہ جو خونِ جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے، یقین ہے کہ اُس کی داد تمھارے سوا اور سے نہ پاؤں گا۔

ہاں صاحب، جناب منشی صاحب سے یہ کہہ دینا کہ پچاس میں سے تین جلدیں میں نے پائیں۔ اب قیمت کا روپیہ بھیج کر سینتالیس اور منگائے لیتا ہوں۔

"کلیات" کے انطباع کی تاریخ میں کیوں لکھوں؟ اہلِ مطبع کو خدا منشی صاحب کے

سایۂ عطوفت میں سلامت رکھے کہ لیں گے۔ چھاپا ۱۲۷۸ھ میں شروع ہوا ۱۲۷۹ھ میں تمام ہوگا۔

مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو اور "کلیات" کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔

۲۴ مئی ۱۸۶۲ء

جواب کا طالب غالبؔ

(۹)

سید صاحب!

آپ نے خوب کیا کہ مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا۔ اپنے پاس امانت رکھیے۔ جب مفتی صاحب آئیں اُن کو پہنچا دیجیے۔

تمھارا قصد یکم جون کو بلگرام جانے کا تھا۔ وہاں کے (ہنجار) میں کچھ سستی پائی۔ جو فسخِ عزیمت کیا ہ اس کی کیفیت ضرور لکھیے۔

اور جو کچھ تم نے سپارش کے باب میں لکھا ہے، میں اس خواہش کو کیوں کر قبول کروں؟ وہ شخص میرا شاگرد نہیں، مرید نہیں، صورت آشنا بھی تو نہیں کیوں کر لکھوں ہ معہذا تمھارے واسطے میرا لکھنا مضر ہے۔ یعنی وہ صاحب سمجھیں گے کہ حضرت نے کچھ میری شکایت و حکایت لکھی ہوگی۔ جب غالبؔ نے مجھ کو یہ لکھا ہے۔

اس وقت آپ کی وحشت انگیز تحریر پہنچی۔ اِدھر اُس کو پڑھا اور اِدھر یہ خط تمھیں اور ایک مرزا عباس کو اور ایک خط تہنیت کا منشی صاحب کو لکھا۔ لیکن چوں کہ بلادِ شرقیہ کو ڈاک نو بجے روانہ ہوتی ہے، ناچار یہ تینوں خط بند کر کے تمھارا اور مرزا عباس کا خط بیرنگ اور منشی جی کا خط پیڈ رکھ چھوڑتا ہوں۔ کل صبح کو بعد از طلوعِ آفتاب ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ خاطر جمع رکھو۔ میں نے برخوردار کو ایسا کچھ لکھا ہوگا۔ کہ مفیدِ مطلب ہوگا۔ اِنشاءَاللہ العلیّ العظیم۔

چہارشنبہ بارہ پر تین بجے

(جون ۱۸۶۲ء)

خوشنودیِ احباب کا طالب غالبؔ

(۱۰)

صاحب!

تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے، تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ مرزا کی بی بی میری بہو ہے، بیٹی نہیں۔

تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے، کیا سمجھ کے لکھا؟ میں مرزا کی اولاد کا نانا کیوں کر بنا؟ بھانجے کی اولاد پوتا پوتی ہے، نہ نواسا نواسی۔ مجھ کو اُس کی اولاد کا جدِ فاسد لکھنا ٹکسال باہر بات ہے۔

خیر، یہ تو ظرافت تھی، تم یہ تو بتاؤ کہ مرزا لکھنؤ کیوں جاتا ہے؟ اگر کچھ اسباب خریدنا تھا تو ایک معتمد کو بھیج دیا ہوتا۔ بہ ذاتِ خود اس تکلیفِ بے جا کو گوارا کرنا کیا ضرور؟ یہ بات جواب طلب ہے۔

میرے آنے کی یہ صورت ہے کہ مرزا کی استدعا سے قطع نظر، میرا دل بھی پتھر یا لوہے کا نہیں، جو اپنے بچوں کو دیکھنے کو نہ چاہے۔ ایک بہن، اس کی مجموع اولاد وہاں، میرا تو وہ خانہ باغ ہے۔ بہار کے موسم میں باغ کی سیر کو جی نہ چاہے گا؟ بہ شرطِ صحت آؤں گا، اِن شاء اللہ۔

صبح یکشنبہ ۳ رمضان ۲۲ فروری سال حال
(سنہ ۱۲۷۹ھ)[1]۔ سنہ ۱۸۶۳ء

(۱۱)

میر صاحب!

ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں سیدھی صف میں دسواں نمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد پنشن جاری ہوگیا، لیکن دربار اور خلعت بند۔ اب کے جو لارڈ صاحب یہاں آئے تو اہلِ دفتر نے بہ موجب حکم کے، مجھ کو اطلاع دی کہ تمھارا دربار اور خلعت واگذاشت ہوگیا۔ مگر دلّی میں دربار نہیں۔ انبالے آؤ گے تو

دربار میں لمبر اور خلعتِ معمولی پاؤ گے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزا پایا اور انبالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب یہاں آئے، دربار کیا۔ میں دربار میں نہ گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپراسی آکر مجھ کو بلالے گیا۔ بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا۔

آغازِ دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہے۔ ہاں ردیف، الف کی، یہ امر قابلِ پرسش کے نہیں، بدیہی ہے۔ دیکھ لو اور سمجھ لو۔ یہ جو صاحبِ دیوان مشہور ہیں: حافظ و صائبؔ و سلیم و کلیم۔ ان کے آغاز کی غزل کے مطلعے دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو، کبھی ایک صورت، ایک ترکیب، ایک زمین، ایک بحر نہ پاؤ گے، چہ جائے اتحادِ حروف و الفاظ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

۲ مارچ ۱۸۶۳ء

(۱۲)

صاحب!

میں برس دن سے بیمار تھا۔ ایک پھوڑا اچھا ہوا، دوسرا پیدا ہوا۔ اب فی الحال دونوں پاؤں ہاتھوں میں نو پھوڑے ہیں۔ دونوں پاؤں پر دو پھوڑے۔ پنڈلی کی ہڈی پر ایسے ہیں کہ جن کا عُمق ہڈی تک ہے۔ انھوں نے مجھ کو بٹھا دیا، اٹھ نہیں سکتا۔ حاجتی دھری رہتی ہے، پلنگ پر سے کھسل پڑا، پھر پڑ رہا۔ روٹی بھی اسی طرح کھاتا ہوں۔ پاخانے، کیا کہوں کیوں کر جاتا ہوں۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں۔ یہ سطور لیٹے لیٹے لکھے ہیں۔ نیم مردہ ہوں، قریب بہ مرگ ہوں۔ افادہ و استفادہ و اصلاح کے حواس نہیں۔ غزل رہنے دی۔ یہ حال تم کو لکھ بھیجا۔

شنبہ ۲۲ اگست ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالبؔ

(۱۴)

سید صاحب!

تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خاں بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے تم کیوں شکر گزار ہوتے ہو؟ جو کچھ نیکی اور نکوئی اُس اقبال نشان نے تمھارے ساتھ کی ہے، وہ بعینہٖ میرے ساتھ کی ہے۔ اُس کا سپاس میں ادا کروں۔ خدا کی قسم، دل سے دعائیں دے رہا ہوں۔ بھائی، اُس کا جوہرِ طبع از روے فطرت شریف ہے۔ پروردگار اُس کو سلامت رکھے اور مدارجِ اعلیٰ کو پہنچائے۔ یہ اپنے والدین کے خاندان کا فخر ہے، اور چوں کہ اُس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے۔ پس، وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے۔

وہ اپنے جی میں کہتا ہوگا کہ ماموں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا، اور صرفِ زر سے جی چرایا ہے۔ میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا، مگر کیا کروں کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاشکے جب ایسا ہوتا، جیسا کہ اب ہوں، تو سب سے پہلے پہنچتا۔ جی اُس کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ دیکھوں، اُس کا دیکھنا کب میسر آتا ہے۔ میں اب اچھا ہوں۔ برس دن صاحبِ فراش رہا ہوں۔ چھوٹے بڑے زخم بارہ اور ہر زخم خوں چکاں۔ ایک درجن پھائے لگ جاتے تھے۔ جسم میں جتنا لہو تھا، پیپ ہو کر نکل گیا۔ تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے، وہ کھا کر جیتا ہوں۔ کبھی کھاتا ہوں، کبھی پیتا ہوں۔ مرض کے آثار میں سے اب بھی یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پاؤں کی دو دو اُنگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں۔ معہذا متورم ہیں، جوتا نہیں پہنا جاتا۔ ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا، مگر ہاں یہ میرا شعر:

در کشاکشِ ضعفم نگسلد رواں از تن
ایں کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانیہاست

اب کے رجب یعنی ماہِ آئندہ کی آٹھویں تاریخ سے سترواں برس شروع ہوگا:

چو ہفتاد آمد اعضا رفت از کار

بس، اب شکوہ ضعف نادانی ہے۔ ایمان سلامت رہے۔

سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالبؔ

(۱۴)

قرۃ العین میر غلام حسنین، سلکم اللہ تعالیٰ۔

تمہارا خط پہنچا، دل خوش ہوا۔ مولوی نجف علی صاحب کی کیا تعریف کرتے ہو؟ تم کچھ لکھو، تو جانوں۔ واللہ! اگر کبھی مولوی صاحب میرے گھر آئے ہوں یا میں نے اُن کو دیکھا ہو، بہ جاے اختلاط و ارتباط۔ صرف بہ رعایتِ جانبِ حق چند کلمات انھوں نے لکھے ہیں۔ تم میرے یار ہو اور میری خدمت گزاری کے حقوق ہیں تم پر، مجھ کو مدد دو، اور اپنی قوتِ علمی صرف کرو۔ "محرقِ قاطعِ برہان" میرے پاس موجود ہے، مجھ سے منگواؤ۔ میں ہر موقع پر خطا اور زلتِ مؤلف کا اشارہ کر دوں گا۔ تم ہر فقرے کو بہ غور دیکھو اور بے ربطیِ الفاظ اور لغویتِ معانی کو میزانِ نظر میں تولو، عامی نہیں ہو، عالم ہو۔ آخر مولوی نجف علی صاحب نے بھی تو اپنی قوتِ عاقلہ سے بے اعانتِ غیر "محرق" کے جامع کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ تمہارے پاس دو نسخے، ایک "دافعِ ہذیان" ایک "سوالاتِ عبدالکریم" مع استفتاء و افتاے دستخطی علماے دہلی موجود ہیں اور اب اُس کتاب کے ساتھ میرے اشارات سودمند پہنچیں گے۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا۔ مدعی کا کلام در اصل لغو، پھر تمہارے پاس سرمایۂ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اُس پر مزید علیہ۔ "محرق" اور "صاحبِ محرق" کا خاکہ اڑ جائے گا۔ میرے اس خط کے پہنچتے ہی جواب لکھیے اور اجازت بھیجیے کہ میں نسخۂ مطبوعۂ نامطبوعۂ "محرق" بہ سبیل ڈاک بھیج دوں۔ مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے اُسی دن سے آپ اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجیے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجیے۔ پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔ غالبِ اثنا عشری حیدری۔

ہاں صاحب، آغا محمد حسین ناخداے شیرازی کا خط مع اشعار آیا، اور میں نے اُس کا

جواب بھجوایا۔ اب جو ڈھونڈا تو میرا مسودہ ہاتھ آیا، مگر آغا کا خط نہ آیا۔ اُس مسودے کو صاف کر کے تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ آغا صاحب کا جب خط نکل آوے گا، وہ بھی بھجوا دیا جائے گا۔

سعادت و اقبال نشان مرزا عباس بیگ خاں کو میری دعا کہنا اور یہ ورق اُن کو سراسر پڑھا دینا۔

سنہ ۱۸۶۵ء

(۱۵)

[سوال :] یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ
گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی

[ناسخ :] رہن رکھوا کر ترا عمّامہ دلوادوں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احساں، تو سہی

اس "سہی" اور "تو سہی" کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے؟

(قدر)

[جواب :]

اسمائے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ۔ طرزِ گفتار ہندی کا فارسی، اور فارسی کا ہندی کبھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً "چوری کا گڑ میٹھا"، اس کی فارسی نہ پوچھے گا، مگر ناداں "سہی" اور "تو سہی" کی فارسی کیوں کر بنے؟ یہ روزمرّۂ اردو ہے:

گر نہیں وصل، تو حسرت ہی سہی

اسی مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے: "وصل اگر نیست حسرت نیز عالمے دارد"۔

زاہدا تجھ کو کروں مرہونِ احساں تو سہی

ایک نوع کی تنبیہ، ایک قسم کا دعویٰ ہے: "تا مرد باشم، اگر فلاں کار نکنم"، "تا فلاں کار نکنم"

نیا سایم" اہل ہند کی فارسی اسی طرح خام اور نا تمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے چاہی اور اردو کے خاص روزمرے کی فارسی بنایا کیے۔ ہندی میں" کچھ نہیں" کی جگہ "خاک نہیں" بولتے ہیں۔ فارسی میں "ہیچ نیست" کی جگہ "خاک نیست" کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاروں خانے چت گرا ہے:

کشتہ بر کشتہ تپاں بود، دگر خاک نبود

یعنی ہیچ نہ بود۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ۔

ایک جگہ سے مجھ کو خط آیا۔ چوں کہ میں بلّی ماروں کے محلّے میں رہتا ہوں۔ اس نے پتا لکھا کہ: در محلہ گربہ کشاں" واہ فارسی۔!

غالب:

مردم از من داستان را نند و از دوران چرخ
گشت صرفِ طعمۂ زاغ و زغن عنقائے من

(۱۶)

قدر:

کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو
ڈال دوں سونے کا آنڈو پاؤں میں جلاد کے

"آنڈو" بہ دالِ ہندی یا بہ دالِ عربی؟ بھائی، واللہ! یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں آیا۔ میں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے کہ فلانا سردار ایسا بہادر، ثابت قدم تھا کہ معرکۂ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں "آنڈو" ڈلوا دیے۔ ظاہرا کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کو مانعِ رفتار ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بندِ خاص ہے۔ استعمال اس لفظ کا محلِّ انعام میں نہ چاہیے۔

"آبستن" اور "آبست" کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ "آبست" کو بہ جائے "آبستن" جائز سمجھتا ہے۔ "آبست" کوئی لفظ نہیں۔ "آبستن" اصل لفظ اور "آبستنی" مزید علیہ۔ یہ دونوں صحیح

بلکہ "آبستنی" زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں؟ فیضی کی سند مقبول اور مسموع۔ "ارمغاں" اور "ارمغانی" "آبستن" اور "آبستنی" اے، یہ تو فارسی لغت ہیں۔ فارسی گویوں نے "حضور" کو "حضوری" اور "فضول" کو "فضولی" اور "نقصان" کو "نقصانی" لکھا ہے۔

آج تک سنا نہیں کہ "ربّ کبریا" کسی نے لکھا ہو۔ ہاں "کبریائے الٰہی" یعنی خدا کی بزرگی! اس نظر پر "ربّ کبیر" لکھیں گے۔ نہ "ربّ کبریا"۔ "کبریا" صفتِ واقعی ہے، لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے۔ جیسا کہ "زید عدل"۔ بجائے "زید عادل"۔ "جنابِ کبریا"۔ بجائے "جنابِ الٰہی" جائز۔ ایک نکتہ دقیق ہے، یعنی مذہب حقہ اِمامیہ میں مجموع صفات عین ذات ہیں۔ پس اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایتِ نبی اور ائمہ کے ہمارا قول درست ہے۔

"حال" کی جگہ "حالات"، یا "احوال" لکھنا قبیح نہیں ہے۔ خصوصاً "احوال" کہ یہ بہ معنیِ واحد مستعمل ہے۔ اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ "احوال" بہ معنیِ جمع مستعمل نہیں ہوتا۔ جیسے "حور" کہ بہ معنی "حوراء" کے۔ اہلِ فارس اس کو صیغۂ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں۔ سعدی کہتا ہے:

حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف
از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

بلکہ "حور" کو "حوری" کہہ کر جمع "حوریاں" لاتے ہیں۔ حافظ لکھتا ہے:

شکر ایزد کہ میانِ من و او صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغرِ شکرانہ زدند

میں نے ایک مقطع میں "حال" کی جگہ "احوال" لکھا ہے:

جانِ غالب تابِ گفتاری گماں داری ہنوز
سخت بے دردی کہ می پرسی ز ما احوالِ ما

آخر مجھ کو اور فیضی کو معترض سے زیادہ اساتذۂ عجم کے کلام پر اطلاع ہے، وہ "آبستنی" کیوں لکھتا

اور میں "احوال" کیوں لکھتا ہ صائب کی ایک غزل ہے کہ جس کا ایک مصرع یہ ہے :

ہر لحظہ دارم نیتے، چوں قرعۂ رمالہا

اس غزل میں اُسی نے ایک جگہ "احوالہا" لکھا ہے۔

داد کا طالب۔ غالبؔ

"ملک مغرب، بلدۂ دہلی، کزہ رودگراں" یہ کیا لکھا کرتے ہو۔ شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ "محلہ" غلط، "ملک" زائد، ہندستان میں دلّی کو سب جانتے ہیں اور دلّی میں مجھ کو سب پہچانتے ہیں!

انصاف[1] کا طالب غالبؔ

(۱۷)

"تئیں" کا لفظ متروک اور مردود، قبیح، غیر فصیح۔ یہ پنجاب کی بولی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہمارے ہاں نوکر رہی تھی، وہ "تئیں" بولتی تھی تو بیبیاں اور لونڈیاں سب اُس پر ہنستی تھیں :

خروشِ رعد غرّان می شود پا در رکاب ازبیم
عنان بر سینہ چوں پیچد کرنگِ برق جولانش

یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ، سندھ کا رہنے والا۔ اُس کا منطق کیا اور اُس کی زبان کیا؟ "پا در رکاب ہونا" عبارت ہے سیر و سفر کے آمادہ و مستعد ہونے سے، خواہی منشائے عزیمت خوف ہو، خواہی کوئی اور سبب۔

"عنان بر سینہ پیچیدن" مہمل و محض مہمل۔ نہ روزمرہ، نہ محاورہ، نہ اصطلاح، نہ مفیدِ معنی درنگ، نہ مفیدِ معنی شتاب۔ غالبؔ۔

"طیّار" صیغہ مبالغے کا ہے۔ لغتِ عربی، املا اس کی طائے حطّی سے "طیر" ثلاثی مجرد "طائر" فاعل "طیور" جمع۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا، حقیقت بدل گئی۔ "طوئے" "تتے" بن گئے یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا، بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ

"فلاں باز، فلاں شکرہ، طیار شدہ است و صید می گیرد" بہ ہر حال اب تاے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدث اور دراصل اردو اور بہ تاے قرشت، بہ معنی آمادہ، اشخاص اور اشیا پر عام تصور کرنا چاہیے، اور عبارتِ فارسی میں استعمال اس کا کبھی جائز نہ ہوگا۔ (غالبؔ)

فقیر کے نزدیک "نقاب" اور "قلم" اور "دہی" ترجمہ جغرات، یہ تینوں اسم مذکر ہیں منکر سے مجھے بحث نہیں۔ مجیب کا میں احسان مند نہیں۔ لغت فارسی اور روزمرہ فارسی ہو تو اہلِ زبان کے کلام سے سند کریں۔ منطقِ فارسی میں تذکیر و تانیث کہاں؟ اس امر کے مالک اور اہلِ زبان ہم ہیں اور یہ ہم صیغۂ متکلم مع الغیر ہے۔ یعنی ہم اور تم اور مجموعِ شرفا اور شعراے دہلی و لکھنؤ۔ ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے۔ زیادہ جھگڑا بے فائدہ۔ غالبؔ

بنائیں قدر کی غزلیں جنابِ غالبؔ نے
تمام جوہرِ تیغِ زباں ابھر آئے

"غزل" کی "زے" یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے۔ "قدم" "مفرد" "قدموں" جمع ہے۔
"کھو رہا ہوں" متعدی ہے۔ پوربی اس کو لازمی جانتے ہیں۔ لازمی "کھو گیا ہوں" "ہم کہیں گے "جاگتے ہیں" اہلِ پورب کہیں گے "جگتے ہیں" "جان و دل" "دل و جگر" یہ صحیح، "جان و جگر" ٹکسال باہر۔

"فریاد" مونث ہے۔ "فریاد کرنی چاہیے" "فریاد کرنا" انگریزی بولی ہے۔ "فکر" مونث ہے۔
معشوق کو ہم زاد بنانا، ظرفا کو اپنے اوپر ہنسانا ہے۔

لراقمہ

اندیشۂ بلند رو، لا مکاں نورد
چوں خواست بامِ جاہ ترا نردباں نہاد
دیدش ہماں بجا چو سپہر از فرازِ کوہ
بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد

پہلے مصرع میں "اندیشہ" فاعل ہے "خواست" کا، جو مصرعِ ثانی میں [ہے]۔ "نہاد" بہ معنی مصدری ہے۔ دوسرے شعر میں "دید" کا اور "نہاد" کا فاعل وہی "اندیشہ" ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس سے آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو چھولیں، مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین سے نظر آتا تھا۔ "فرقدان" ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں آسمان پر۔ ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقداں پر سے بامِ جاہِ ممدوح نظر آوے گا بہت قریب۔ ہم فرقدان پر گئے۔ وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقداں پر ہزار پائی رکھی۔ اُس پر چڑھ کے دیکھا، تو بامِ ممدوح میں اور اُس مقام میں اُتنا ہی بُعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں۔ یہ مبالغہ حدِ تبلیغ و غلو سے گزر گیا۔

"لگا دیتے ہو" اور "اٹھا دیتے ہو" خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً مفرد پر آتا ہے یعنی تم۔ معشوقِ مجازی کو "تم" اور "تو" دونوں طرح یاد کرتے ہیں۔ خدا کو یا "تو" کہتے ہیں یا صیغۂ جمع غائب یعنی صیغہ جمع غائب کا نظر بہ قرینہ، افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے۔ تمھاری غزل میں دو چار جگہ "دیتے ہو" اس طرح آیا ہے کہ محبوبِ مجازی اُس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا:

لا کے دنیا میں ہمیں زہرِ فنا دیتے ہو
ہائے اس بھول بھلیاں میں دغا دیتے ہو

کہو کس سے کہتے ہو؟ سوائے قضا و قدر کے کوئی رنڈی، کوئی لونڈا، اس کا مخاطب نہیں ہو سکتا اور علیٰ ہذالقیاس دو ایک شعر اور بھی۔ ناچار صیغۂ جمع رکھ دیا تاکہ "خوباں" اور "بتاں" کی طرف ضمیر راجع ہو یا شخصِ واحد کی طرف "آپ" کے لفظ کے ساتھ، یا قضا و قدر کی طرف۔ اب خطاب معشوقانِ مجازی اور قضا و قدر میں مشترک رہا۔ غالب۔

(س) : "بود" اور "باشد" کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں۔ بہ معنی "ہست" آتے ہیں یا نہیں؟ قدر

(ج) : البتہ آتے ہیں۔ غالب

۳ : نظم و نثر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھنا کیسا ہے؟ قدر

(ج) : بے جا ہے۔ جب تک علامتِ استمرار نہ ہو، معنی استمراری کیوں کر لیے جائیں گے؟

(س) : فارسی میں مصدر مقتضب اور غیر مقتضب کی کیا شناخت ہے ؟ قدرؔ

(ج) : خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آئی ، فارسی میں کہاں سے ہو گی ؟ مقتضب صفت بحر کی ہے ، نہ صفت مصدر کی ۔ غالبؔ ۔

(س) : کس قسم کے مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے ؟ قدرؔ ۔

(ج) : جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اُس میں فقط الف نون یا الف نون اور تحتانی بڑھائیں ۔ مثلاً "گشتن" "کو گشتاندن" نہ لکھیں گے ۔ "گردد" سے مصدر بنائیں گے "گردیدن" اور اُس کو "گرداندن" اور "گردانیدن" کہیں گے ۔ جس مصدر کے ساتھ مضارع نہ ہو گا ، وہ متعدی نہ بنے گا ، جیسے "برشتن" اور "خستن" ۔ غالبؔ

(س) : " پناہ " کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آیا ہے ؟ قدرؔ ۔

(ج) اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنی "پناہ" کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں ۔ پناہ کا ترجمہ اردو میں پوچھنا نادانی ہے ، ہاں پناہ کی ہندی آسرا ہے ۔ غالبؔ ۔

" بر نہ آنا " فصیح " بر نہ آنا " ٹکسال باہر ۔ قافیہ ہائے اصلی الفیہ سینکڑوں ہیں ۔ اُن کو چھوڑ کر "نسخہ" اور "نامہ" اور "افسانہ" ان الفاظ کو قافیہ کرنا تمھارے نزدیک نامناسب نہیں ؟ ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۔

غالبؔ

(۱۸)

حضرت !

آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ ۔ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف ، تم تو اپنی عبارت کو درست نہ پڑھ سکو گے ۔ ناچار جداگانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں ۔

" رنگ " بہ وزن " سنگ " ترجمۂ " لون " اور لفظ فارسی الاصل ہے ۔ جب اس کو اردو میں منصرف یا بہ قول بعضے متصرف کریں گے تو نون کا تلفظ موہوم سا رہ جائے گا ۔

"رنگنا" بہ وزن "چندجا" نہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ اور ہے، جیسا کہ اس مصرع میں :

ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی

یہ صحیح اور فصیح ہے :

ہم نے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی

یہ اعلانِ نون، گنواری بولی اور غیر صحیح اور غیر فصیح ہے۔

"خرام" کو کون مونث بولے گا، مگر وہ کہ دعوائے فصاحت سے ہاتھ دھولے گا، "رفتار" مونث اور "خرام" مذکر ہے۔ "رفتار" کی تانیث کو "خرام" کی تانیث کی سند ٹھہرانا قیاس مع الفارق ہے۔

حرف مسروری، جس کو ثنائی بھی کہتے ہیں، موحدہ سے زائے معجمہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آلِ نبی سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر جھگڑا ہوا۔ مولوی امام بخش "با" کو "بے" کہنا جائز نہیں رکھتے تھے۔ آخر مولوی آلِ نبی نے ائمۂ فنِ کلام کے کلام سے اس کا جواز ثابت کر دیا، مگر صرف از روئے تلفظ؛ اور اس کی اجازت کا کوئی قاعدہ خاص اس کے واسطے نہیں۔

اردو میں "طا" کو "طوے" اور "ظا" کو "ظوے" کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں۔ لسان عرب و عجم میں موحدہ سے زائے معجمہ تک اواخرِ حروف میں الف بھی لاتے ہیں، اور تحتانی بھی "طا" "ظا" کو "طا" "ظا" ہی کہیں گے، نہ "طوے" "ظوے" نہ "طے" "ظے" علیٰ ہذا القیاس حروف باقیہ۔

راقم اسداللہ خاں

انوری :

بعہدِ جودِ تو دائم بیک تسکم زائد
زغایتِ کرم اندر کلامِ تو "بے" نیست
زمانہ صوتِ سوال و صدائے "آرے" را
بہ اعتقادِ تو صد جست نون گر "بے" را

(۱۹)

حضرت !

کیا فرماتے ہو؟ "ہوا بھی ہو" "قضا بھی ہو" اس ردیف کے ساتھ قافیہ معمولی آ نہیں سکتا: "بیتابی ہو" "مہتابی ہو" کیوں کر درست ہوگا؟ وہاں موحدہ کے ما بعد یائے ہوز ہے یہاں موحدہ کے آگے "چاپی" کہ بائے فارسی اور یائے حطی سے[۱] ہے، "چاپی" اور "کاپی" "اور "راپی" اور "پاپی" یہ قافیہ ہم دگر ہو سکتے ہیں: "چاپی" لغت انگریزی ہے۔ اس زمانے میں اس اسم کا شعر میں لانا جائز ہے، بلکہ مزا دیتا ہے۔ تار بجلی اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں کو دیے ہیں۔ اوروں نے بھی باندھے ہیں: "روبکاری" اور "طلبی" اور "فوجداری" اور سر رشتہ داری" خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں: "چابی" بہ معنی "کلید" شوق سے لکھو، "چابھی" ناسخ لکھتا ہے: "میم صاحب" کے آگے الفاظ بھول گیا ہوں۔ آخر مصرع یہ ہے :

مس کے ....

ناز بے جا اُٹھاؤں کس کس کے

الٰہی بخش خاں معروف لکھتے ہیں :

نگینِ دل سوا کھودے تو گھر نیلام ہو جائے

والسلام　　　　　　　　　　غالب

صاحب! تم نے مثنوی خوب لکھی ہے کہیں املا میں، کہیں انشا میں، جو اغلاط تھے دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اُس کے تحت میں لکھ دی۔ فکرِ تاریخ مثنوی سے مدت العمر معاف رہوں۔[۳]

غالب

(۲۰)

صاحب!

واللہ، سوائے اس خط کے تمھارا کوئی خط نہیں آیا۔ کیسے چار خط تم نے بھیجے؟ کیوں

باتیں بناتے ہو؟ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی ممانعت ہے، بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بیرنگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔

برخوردار مرزا عباس کی بدلی کی خبر میں نے پہلے ہی سے سنی ہے مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے۔ اب دریافت ہوا کہ تمھارے ہمسائے میں آئے ہیں۔ اب اُن سے ملیے۔ خدا اُن کو مروت کی توفیق دے۔

مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میرؔ کا تخلص اور صورت رکھتا ہے۔ "میر جی" اور "میر صاحب" کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور اس بدعت کا تتبع نہ چاہیے۔

غالبؔ

(۲۱)

سید صاحب!

تم "قدر" اور نورِ چشم مرزا عباس قدردان۔ خاطر جمع رکھو۔ نوکری تمھاری ہو جاوے گی۔ صاحبؔ کی اور راجا کی تعریف کے قصیدے واقعی گلدستے ہیں، مگر مرزا کی مدح کے قصیدے کو گلدستہ نہ کہو۔ یہ تو ایک باغ ہے سرسبز و شاداب، جس میں گلبن ہزار در ہزار، میوہ دار درخت بے شمار، زمین سراسر سبزہ زار، بہت حوض، بہت نہریں، مٹی نظر نہیں آتی۔ سبزہ، یا لہریں۔ فقیر غالبؔ تمھارا خیر خواہ اور تمھارے ممدوح کا دعاگو ہے۔؟

(۲۲)

حضرت!

فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے۔ اصلاح دینے سے توبہ کی ہے۔ شعر سننا تو ممکن ہی نہیں، بہرا ہوں۔ شعر دیکھنے سے نفرت ہے۔ پچھتر برس کی عمر۔ پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا، نہ مدح کا صلہ ملا۔ نہ غزل کی داد۔ بہ قول انوریؔ :

اے دریغا، نیست ممدوحے سزاوارِ مدیح

اے دریغا نیست معشوقے سزاوارِ غزل

سب شعرا سے اور احباب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرۂ شعرا میں شمار نہ کریں اور اس فن میں مجھ سے کبھی پرسش نہ ہو۔

اسد اللہ خاں المتخلص بہ غالب والمخاطب بہ نجم الدولہ

خدایش بیامرزاد[۲]

منشی جواہر سنگھ جوہر

(۱)

برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعاے دوامِ عمر و دولت معلوم ہو۔ خط تمھارا پہنچا۔ خیر و عافیت تمھاری معلوم ہوئی۔ قطعے جو تم کو مطلوب تھے، اُس کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے، میں تم سے کہہ نہیں سکتا۔ نری کوشش نہیں روپیہ صرف کیا۔ پندرہ روپیے جو تم نے بھیجے تھے وہ، اور پچیس تیس روپیے اور صرف کیے۔ پانچ پانچ اور چار چار روپیے اور دو دو روپیے کو قطعے مول لیے اور بنوائے۔ خرید میں روپیے جدا دیے اور بنوانے میں روپیے جدا لگائے۔ دوڑتا پھرا۔ حکیم صاحب پاس کئی بار جا کر حضور والا کا قطعہ لایا۔ اب دوڑ رہا ہے۔ ولی عہد بہادر کے دستخطی قطعے کے واسطے۔ یقین ہے کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آوے اور بعد اُس قطعے کے آنے کے، وہ سب کو یکجا کر کے تمھارے پاس بھیج دے گا۔ مدد میں بھی اُس کی کر رہا ہوں۔ لیکن اُس نے بڑی مشقّت کی۔ آفریں، صد آفریں۔ پندرہ روپیے میں سے ایک روپیہ اپنے صرف میں نہیں لایا اور ماں کو عاجز کر کے اُس سے بہت روپیے لیے۔ جب سب قطعے تمھارے پاس پہنچیں گے، تب اُس کا حسنِ خدمت تم پر ظاہر ہو گا۔

کیوں صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا۔ والدعا۔

۱۸۴۸ء

اسداللہ

(۲)

برخوردار!

تمھارے خطوں سے تمھارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور ہیرا سنگھ کا ادھر روانہ ہونا معلوم ہوا۔

ہاں لالہ چھج مل اکثر بیمار رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خصوصاً اس شدّت سے نزلہ چھاتی پر پر گرا کہ وہ گھبرا گئے اور زیست کی توقع جاتی رہی۔ بارے کچھ فرصت ہو گئی ہے۔ بھائی یہ آفتاب سرِ کوہ ہیں۔ ہیرا کا ان کے پاس رہنا اچھا ہے۔ تم سے جو ہو سکے گا، تم اُس کے مصارف کے واسطے مقرر کر دو گے۔

غزل تمھاری ہم کو پسند آئی۔ اصلاح دے کر بھیج دی گئی۔ اس کا تم خیال رکھا کرو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے:

چرا نہ یاس۔ بجانِ امیدوار افتد

یہاں "افتد" مہمل ہے۔ یاس بدل افتادن" و"یاس بجان افتادن" روزمرہ نہیں اور بھی کئی "افتد" ایسے ہی ہیں: سیاہ بختم اگر بر سرم گزار افتد

بسانِ سایہ، ہما نیز سوگوار افتد

"سوگوار ہونا" سایے کا بہ اعتبار سیاہی رنگ ہے۔ اب یہاں دونوں "افتد" ٹھیک ہیں۔ "گزار افتادن" روزمرہ اور دوسرا "افتد" بہ معنی "واقع شود":

شنیدہ ام بہ جفائے تو مبتلاست عدو

چرا نہ شور بہ جانِ امیدوار افتد

"شور افتادن" روزمرہ ہے اور "یاس افتادن" غلط:

بہ حیرتم کہ ز دوزخ، کسانِ دوزخ را

کجا برند چو آہم شرارہ بار افتد

یہاں "افتد" بہ معنی واقع شود ٹھیک : نہ گبرم و نہ مسلماں بحیرتم کہ مرا
سوائے دوزخ و مینو کجا گزار افتد

یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے آفریں! :

قرار در وطن افسردہ میکند دل را
خوشا غریب کہ دور از دیار یار افتد

یہاں بھی افتد صحیح و بامعنی :

نیم رقیب کہ رسوائیم خجل نکند
خوش ست چشم اگر یار پردہ دار افتد

یہاں بھی "افتد" بہ معنی واقع شود :

ترا کہ شیوہ دگرگوں کنی بہ رغم بتاں
خوش ست گر ز جفا بر وفا قرار افتد

"افتد" یہاں بھی ٹھیک ہے۔ بات اتنی ہی تھی کہ "بود" گدلا لفظ تھا۔ "کنی" صاف ہے :

خطِ رخِ تو بدل دادہ خطِ آزادی
خوشم کہ در شکنِ زلفِ تابدار افتد

وہ صورت اچھی نہ تھی۔ یہ طرز خوب ہو گئی۔ معنی کا عیار کامل ہو گیا :

چکد ز خامۂ جوہر سخن چناں کہ مگر
بزورِ موج دُر از بحر بر کنار افتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد۔

نگاشتۂ شنبہ نہم اپریل ۱۸۵۳ء

از اسد اللہ

(۳)

برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڑھ کی تحصیل داری

مبارک ہو۔ پیپلی سے نوح آئے۔ نوح سے بلب گڑھ گئے۔ اب بلب گڑھ سے دلّی آؤ گے۔ انشاءاللہ۔

سنو صاحب، حکیم مرزا جان، خلف الصدق حکیم آغا جان صاحب کے، تمھارے علاقہ تحصیلداری میں بہ صیغۂ طبابت ملازم سرکارِ انگریزی ہیں۔ اِن کے والد ماجد میرے پچاس برس کے دوست ہیں۔ میں اُن کو اپنے بھائی کے برابر جانتا ہوں۔ اِس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بھتیجے اور تمھارے بھائی ہوئے۔ لازم ہے کہ اُن سے یک دل یک رنگ رہو اور اُن کے مددگار بنے رہو۔ سرکار سے یہ عہدہ بہ صیغۂ دوام ہے۔ تم کو کوئی نئی بات پیش کرنی نہ ہوگی، صرف اِسی امر میں کوشش رہے کہ صورت اچھی بنی رہے۔ سرکار کے خاطر نشان رہے کہ حکیم مرزا جان ہوشیار اور کارگزار آدمی ہے۔

۱۲ فروری ۱۸۶۴ء

غالب

سید ابو محمد جلیل الدین حسین عرف شاہ فرزند علی صوفی منیری

زبدۂ اولادِ حضرت خیر الانام، قبلہ و کعبہ مجموعِ اہلِ اسلام، حضرت پیر و مرشد عالی مقام کی خدمت میں فقیر غالب کی بندگی قبول ہو۔ اپنے ابو الآباء کے بوڑھے غلام کو آپ نے اتنا کیوں شرمایا کہ وہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ کافی تھا ان اشعار کا نہ بھیج دینا اور حک و اصلاح کی اجازت دینی۔

میری مدح آپ کے غلاموں کو موجبِ ننگ و عار اور میرے آبا و اجداد کو ذریعۂ عز و افتخار۔

حکم بجا لایا۔ دو ایک جگہ املا کی صورت بدل گئی۔ کہیں مصرعے کی جگہ مصرع لکھا گیا ـــ بے عائلہ تکلف و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے۔ لفظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند، فقیر اپنا حالِ زار لکھتا ہے۔ اکہتر برس کی عمر، پاؤں سے اپاہج، کانوں سے بہرا۔ دن رات پڑا رہتا ہوں، دو سطریں لکھیں، بدن تھرایا، حرف سوجھنے سے رہا۔ قوتیں ساقط، حواس مختل، غذا قلیل بلکہ اقل:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

ایامِ شباب میں کہ بحرِ طبع روانی پر تھا۔ جی میں آیا کہ غزواتِ صاحبِ ذوالفقار لکھنا

چاہیے۔ حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و مغنی نامہ لکھا گیا۔ داستان طرازی کی توفیق نہ پائی۔ ناچار اس آٹھ نو سو شعر کو چھپوا لیا۔ اغلاطِ "برہانِ قاطع" از روئے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ "قاطع برہان" اس کا اسم اور "درفشِ کاویانی" اس کا عَلَم۔ ان دونوں رسالہ ہائے مطبوع کو ایک پارسل میں اور حضرت کے بھیجے ہوئے اوراق بھی اس پارسل میں اور یہ خط جداگانہ ڈاک میں بھجوا دیا اور توقع رکھتا ہوں کہ اس کی رسید روزِ ورود یا دوسرے دن لکھی جائے۔

۱۸۶۷ء[1]

عزیزالدّین

صاحب!

کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ دلّی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسے آگے تھی؟ قاسم جان[1] کی گلی، میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے۔ ہاں اگر آبادی ہے تو یہ ہے کہ غلام حسین خاں کی حویلی ہسپتال ہے اور ضیاء الدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحبِ عالی شان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ ضیاء الدین خاں اور اُن کے بھائی مع قبائل و عشائر لوہارو ہیں[2]۔ لال کنوئیں کے محلے میں خاک اُڑتی ہے۔ آدمی کا نام نہیں۔ تمھارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی اُس کے پاس اور لکھمی کی دکان پر اس اشتہار کو بھیجا[4]۔ بیگم لاہور گئی ہوئی ہے۔ لکھمی[5] کی دکان میں کتّے لوٹتے ہیں۔ مولوی صدرالدین صاحب لاہور ہیں۔ ایزد بخش، تراب علی ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں۔ میں نے آپ مہر کر دی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش خاں ساکن دریبہ، اُن کی مہریں ہو گئیں۔ محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔

خط ازروئے احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہو جاتے ہیں[6]۔ چناں چہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط، جس کا آپ نے ذکر لکھا ہے، آنکھیں پھوٹ جائیں، اگر میں نے دیکھا ہو، آپ اُن سے میرا سلام نیاز کہیئے اور خط کے نہ پہنچنے کی خبر اُن کو پہنچایئے۔

۱۸۵۸ء

غالب

ولایت علی خاں ولایت و عزیز صفی پوری

(۱)

خاں صاحب عنایت مظہر ۔ سلامت ۔

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراقِ "پنج رقعہ" نظر فروز ہوئے۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمھاری پنج رقعۂ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھ کر ہے۔ اُس میں یہ معنیِ نازک اور الفاظِ آبدار کہاں ؟ مگر ایک امر سے میں تمھیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے۔ ارادت خاں متخلص بہ واضح، عالم گیری سرداروں میں سے ایک شخص تھا۔ "مینا بازار" اور "پنج رقعہ" اُسی کی فکر کا نتیجہ ہے۔ توالی کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اُسی کی ہے۔ موجد سے مقلد بہتر نکلا۔ یعنی تم نے خوب لکھا ہے :

نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل

جہاں آپ نے فقیر کا مطلع لکھا ہے وہاں آپ بہ عرف میرے معرّف ہوئے ہیں۔ متوقع ہوں کہ یا میرا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔

نجات کا طالب غالب

(۲)

سخن شناس نۂ مشفقا، خطا ایں جاست۔ یہ جملہ کہ میرا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ

تخلص لکھ دو۔ موجبِ ملالِ خاطر کیوں ہوا؟ اور اس سے یہ مفہوم کیوں کر پیدا ہوا کہ میں تمھارے کلام کو اصلاح نہیں دوں گا۔ تم ہی غور کرو کہ شعر کو علاقہ تخلص سے ہے یا نام سے..... عرف سے۔ میں نے تو اصلاح دی، تم نے بُرا مانا۔ ذہن تمھارا معوج ہے۔ اکثر کجی کی طرف جاتا ہے۔ تمھاری اس نثر میں حکّ و اصلاح کی گنجائش نہیں۔ بہنج رقعۂ سابق سے لفظاً و معناً تمھاری عبارت بہتر ہے۔ اس قول کو باور نہ کرو گے تو منشا اس کا وہی اعوجاجِ طبع ہو گا مع سوءِ ظنون۔

نجات کا طالب غالبؔ

مفتی محمد عبّاس

قبلہ!

حضرت کا نوازش نامہ آیا۔ میں نے اُس کو حرزِ بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عزّو افتخار ہے۔ فقیر امیدوار ہے کہ یہ دفترِ بے معنی نہ سرسرّی بلکہ سراسر دیکھا جائے، نہ پیشِ نظر دھرا رہے بلکہ اکثر دیکھا جاوے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں، نہ مجھے اپنی بات کی پَچ ہے۔ دیباچے و خاتمے میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ طرزِ عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہ ہوگی، گزارش ظرافت سے خالی نہ ہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں لیکن پچپن برس سے محوِ سخن گزاری ہوں۔ مبداء فیاض کا مجھ پر احسانِ عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبتِ ازلی و سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہلِ پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبتِ خداداد و تربیتِ اُستاد سے "حسن و قبح ترکیب پہچاننے لگا۔ فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔ "قاطعِ برہان" کا لکھنا کیا ہے" گویا باسی کڑھی میں اُبال آیا۔ لکھنا کیا تھا کہ سہامِ ملامت کا ہدف ہوا۔ ہے ہے، یہ تنک مایہ معارضِ اکابرِ سلف ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "قاطعِ برہان" کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ حضرت "برہانِ قاطع" و "قاطعِ برہان" ایک نمط ہے۔ "برہانِ قاطع" نے کیا لکھا: نمنو،

نہیں سکھ قطع کیا[1] ہے جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جب تک غیر کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیوں کر برہانِ قاطع نام پائے[2] گی۔ "برہانِ قاطع" کی صحت میں جتنی تقریر کیجے گا[3] وہ "قاطعِ برہان" کی صحت کے ثبوت کے کام آئے گی۔

قطعہ تاریخ کا[4] کیا[5] کہنا گویا[6] یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اُس کا گہنا ہے۔ جناب نواب[7] صاحب کا نیازمند اور بندۂ فرماں بردار ہوں۔ بعد عرض سلام شعر[8] کے پسند آنے کا شکرگزار ہوں۔ آپ کے علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کی جائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداریِ دکانِ بے رونق ہے۔ انصاف کا طالب[9]

غالب

شنبہ ۱۹ صفر المظفر ۱۲۷۹ھ[10]

۱۶ اگست ۱۸۶۲ء[11]

مرزا امیر الدین احمد خاں المدعو بہ فرخ مرزا

(۱)

اے مردمِ چشمِ جہاں بینِ غالب!

پہلے القاب کے معنی سمجھ لو، یعنی "چشمِ جہاں بین" غالب کی پتلی۔ چشمِ جہاں بیں تمہارا باپ مرزا علاؤالدین خاں بہادر اور پتلی تم۔ آج میں نے تمہارا خط دیکھا۔ مجھ کو بہت پسند آیا۔ استادِ کامل نہ ہونے کے باوصف تم نے یہ کمال حاصل کیا۔ آفریں صد آفریں! میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے کہ وہ رب العالمین ہے یہ دعا مانگتا ہوں کہ وہ تم کو زیادہ نہیں تو تمہارے باپ کے برابر علم و فضل اور تمہارے پردادا حضرت فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر جنت آرام گاہ کے برابر جاہ و جلال عنایت کرے۔

میاں تمہارے دادا نواب امین الدین خاں بہادر ہیں۔ میں تو تمہارا دلدادہ ہوں خبردار ہر جمعے کو اپنی صورت مجھے دکھا جایا کرو۔ والدعا۔

دیدار کا طالب غالب

مولوی نعمان احمد

(۱)

بجان برسر مکتوب تو از ذوق فشاندن

از عہدۂ تحریر جوابم بدر آورد

ابرِ رحمت، سلامت۔ یاد آوری کا شکر بجا لاتا ہوں۔ کیوں اتنی میری تعریف کی ہو میں اپنے کو اس کے لائق نہیں پاتا ہوں۔ ہرگز میں ایسا نہیں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ سخنورانِ گذشتہ کا طرز شناس اور اُن نازک خیالوں کا پیرو ہوں اور مبداءِ فیاض سے مجھ کو اُن کی تقلید میں پایۂ تحقیق ملا ہے اور میں صاحب طرزِ جدید ہوں۔

اب یہاں ایک بات میں سچ کہتا ہوں، آپ باور کریں۔ واللہ میرے ایجاد کیے ہوئے طرز میں آپ سے بہتر نثر کسی نے نہیں لکھی۔ نہ یہ مبالغہ ہے نہ تملق ہے خالصاً للہ آپ

پسیج ارشاد کریں کہ بعض اشخاص جو اس روش پر چلتے ہیں۔ باآں کہ خوش رفتار نہیں لیکن مجھ کو بُرا جانتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں۔ یہ حق ناشناسی اور ناانصافی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب ضرور لکھیے۔

مُحرقِ قاطع برہان، جو قاطع برہان میں کہیں کہیں سہوِ طبعی واقع تھا، ناچار اُس کی ترمیم و تکمیل کے واسطے اُسی نسخے میں کچھ بڑھایا، اور ایک دیباچہ اور لکھا اور اُس رسالے کا "درفشِ کاویانی" نام رکھا۔ کل یکشنبہ ہے۔ پارسل ڈاک میں روانہ نہیں ہوسکتا۔ پرسوں دوشنبے کو بھیجوں گا۔ اس کے سوا دو پرسش، جس کا خط میں وعدہ ہے، اُس کا منتظر اور جلد پہنچنے کا آرزومند ہوں۔

اب کے خط کے عنوان پر جو خیال میں آئے گا وہ لکھوں گا اور معذور رہوں گا۔ آیندہ "خانی"، "نوابی" یا جو اور الفاظ اسم مبارک کے ساتھ معمول ہوں، اُن پر اطلاع پاؤں۔

شنبہ ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہ

لفافے پر پتا

مقام مہوا۔ پرگنہ مہولی۔ ضلع سیتاپور پہنچ کر حضرت فلک رفعت مخدوم و مکرم و معظم جناب نعمان احمد صاحب تعلقہ دار زاد مجدہ کی خدمت میں مقبول ہو۔

جواب کا طالب غالب

بیرنگ ضروری ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

مہیوا پرگنہ مہولی ضلع سیتاپور ۲۶ اکتوبر ۱۸۶۶ بہ ذریعہ ڈاک جواب طلب
بخدمت مخدوم مکرم مولوی نعمان احمد صاحب زاد مجدہ مقبول باد از اسد اللہ
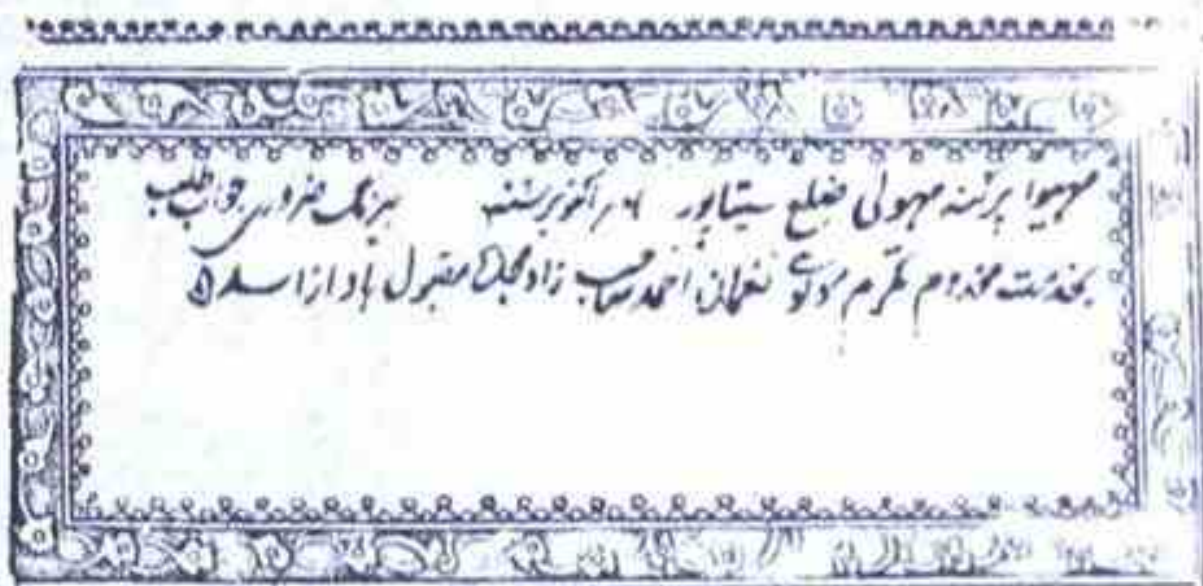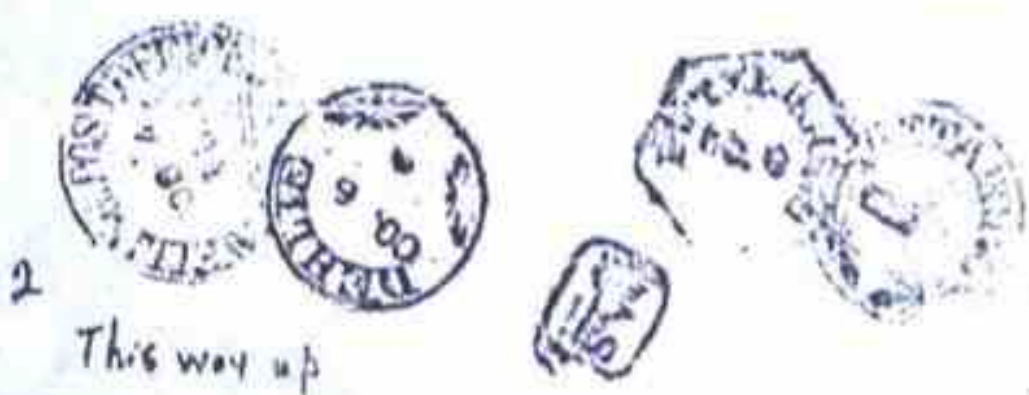
مولینا و بالفضل اولینا!

فقیر میں جہاں اور عیب ہیں، ایک یہ بھی عیب ہے کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ حکام سے بہ سبب ریاست خاندانی کے علاقے کے اکثر ملاقات رہتی ہے اور معاملات بھی آپڑتے ہیں۔ کبھی خوشامد کسی کی نہیں کی۔ بھلا حضرت سے جھوٹ کیوں بولتا اور آپ کی خوشامد کیوں کرتا؟ ایسا عاصی بھی نہیں کہ واللہ باللہ کو تکیہ کلام جانتا ہوں۔ موحدہ کو اور "واو" کو قسمیہ جان کر از روے قسم لکھا تھا اور اب بھی از روے قسم کہتا ہوں کہ نثر کے اس شیوۂ خاص میں اور مدعیوں سے آپ بہتر ہیں۔ آپ کو اپنا ہم فن اور اپنا ہم زبان سمجھ کر اپنا درد دل آپ کے سامنے کہا تھا۔ آپ نے غم خواری نہ کی بلکہ اور اُلٹا آپ مجھ سے ملول ہوئے۔ خیر یہ بھی میرے بخت کی برگشتگی تھی کہ حضرت کے ذہن نے میرے خلافِ مقصود کی جہت انتقال کیا۔ ط

برسوں سے خطوط فارسی میں لکھنے چھوڑ دیے۔ اب شاہزادہ بشیر الدین بہادر نبیرۂ ٹیپو سلطان مغفور کے سوا کسی کو فارسی خط نہیں لکھتا۔ اور یہ موافق اُن کے حکم کے ہے اور

وہ مطاع ہیں اور میں مطیع۔ بہتر برس کی عمر۔ حواس مسلوب، قوٰے مضمحل، بصارت میں ضعف، ہاتھ میں رعشہ، نسیان مستولی۔ اے لو، آپ کا خط آیا، پڑھا، جواب اور وقت پر حوالے کرکے خط مع سرنامہ رکھ چھوڑا۔ آج جو جواب لکھنے بیٹھا، خط نہیں ملتا، نہ بکس میں، نہ کتابوں میں، نہ طاق میں، حیران کہ اب کیا کروں۔ بارے، جو کچھ یاد آگیا اُس کا جواب لکھا۔

"قران کے باب میں عرض یہ ہے کہ زہرہ و مشتری کا ایک برج اور درجہ و دقیقہ میں برابر ہونا "قران السعدین" ہے اور یہ "قرانات جزئیہ" میں سے ہے اور اکثر واقع ہوتا ہے اور یہ قران ..... جب سلطنت موعود نہیں۔ اگر کسی بادشاہ کے ہنگامِ ولادت یہ "قران" آپڑا ہوگا۔ بشرط آنکہ برج طالع میں یا "اوتاد ثلثہ" یا "مائل اوتاد" میں واقع ہو کہ نظر اُس کی "طالع موعود" پر ہو تو وہ افادۂ صحت و عیش و عشرت کرتا ہے اور بس وہ "قرانات" اور ہیں، جو موجبِ تغیرِ اوضاعِ عالم و انتقالِ سلطنت ہوتے ہیں۔ ازآں جملہ ایک یہ "قران" تھا کہ زحل و مریخ سرطان میں فراہم ہوئے تھے۔ سراسر ہندوستان کی خاک اڑادی۔ قصہ مختصر، جو بادشاہ "صاحبِ قران" کہلاتا ہے۔ بہ اعتبارِ افراطِ جاہ و جلال و قوتِ حال کہلاتا ہے۔ طالعِ ولادت میں "قران السعدین" واقع ہونا ضرور نہیں۔ "صاحب قران" مرادف شاہنشاہ ہے۔ سو بھی صرف سلاطینِ تمرّیہ میں دو شخص "صاحب قران" کہلائے ہیں۔ امیر تمر اور شاہ جہاں۔ تتبعِ کلامِ اساتذہ سے معلوم ہوگا کہ خاقانی نے اپنے کو "صاحب قران" لکھا ہے، اسی طرح فقیر نے بھی لکھا ہے:

سزد گر نویسند صاحب قرانم

اور بیانِ مدتِ توقیع نویسی علت نہیں ہے صاحب قران کہلانے کی۔ فقط۔

شنبہ ششم اکتوبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہ

از روے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

مہر: غالب ۱۲۷۰ھ

حضرت آپکو اپنے حال پر متوجہ پاکر اور مائل بتحقیق پاکر کل

میں نے بسبیل پارسل روانہ کئی ہیں ایک دافع ہذیان مصنف

اسکے مولوی نجف علی مجمع البحرین علم فارسی و عربی سبب تالیف یہ

ہوا کہ ایک شخص عامی فضول نے اپنی شہرت کے واسطے قاطع برہان کے مطالب

کے رد میں ایک کتاب لکھی محرق قاطع برہان اوسکا نام رکھا عبارت مہمل

معنی بعید لچر مولوی نجف علی نے منصفانہ اوسکے رد میں ایک رسالہ لکھا

ہم دافع ہذیان فارسی قدیم کی طرز پر دوسرا رسالہ سوالات عبد الکریم

یہ مختصر کہ طالب علم ساکن دہلی اس نسخے کے خاتمہ پر ہفتہ ہے جسکو میں

نے شمار سواد و شمار کیا ہے چوتھا لطائف غیبی یہ رسالہ اردو

میں ہے اسکا حال اسکے مشاہدے سے کھلیگا متوقع ہوں کہ اس پارسل

کی رسید ضرور لکھیںگا اور پارسل سے کتنے دن پہلے انگخط بہیجا ہے اوسکے

جواب کا بھی طلبگار رہونگا اسد اللہ ۱۹ اکتوبر سنہ ۶۶

حضرت!

آپ کو اپنے حال پر متوجہ پا کر اور مائلِ تحقیق جان کر کل چار سواد میں نے بہ سبیل پارسل روانہ کیے ہیں۔

ایک "دافعِ ہذیان" مصنف اُس کے مولوی نجف علی: مجمع البحرینِ علمِ فارسی و عربی۔ سببِ تالیف یہ کہ ایک شخص عامی فضول نے اپنی شہرت کے واسطے "قاطعِ برہان" کے مطالب کے رد میں ایک کتاب لکھی "محرقِ قاطعِ برہان" اُس کا نام رکھا۔ عبارت مہمل، مقاصد پوچ، مولوی نجف علی نے منصفانہ اُس کے رد میں ایک رسالہ لکھا، موسوم بہ "دافعِ ہذیان" فارسیِ قدیم کی طرز پر۔

دوسرا رسالہ، "سوالاتِ عبدالکریم" یہ شخص طالب علم ساکن دہلی۔ اس نسخے کے خاتمے پر استفتا ہے، جس کو میں نے تیسرا سواد شمار کیا ہے۔

چوتھا "لطائفِ غیبی" یہ رسالہ زبانِ اردو میں ہے۔ اس کا حال اس کے مشاہدے سے کھلے گا۔ متوقع ہوں کہ اس پارسل کی رسید ضرور لکھیے گا اور پارسل سے کئی دن پہلے ایک خط بھیجا ہے اُس کے جواب کا بھی طلب گار ہوں۔

نظر بہ احتیاط یہ خط بیرنگ بھیجا ہے، قصور معاف![۱۲]

۱۹ اکتوبر ۱۸۶۶ء

اسد اللہ بے دست گاہ
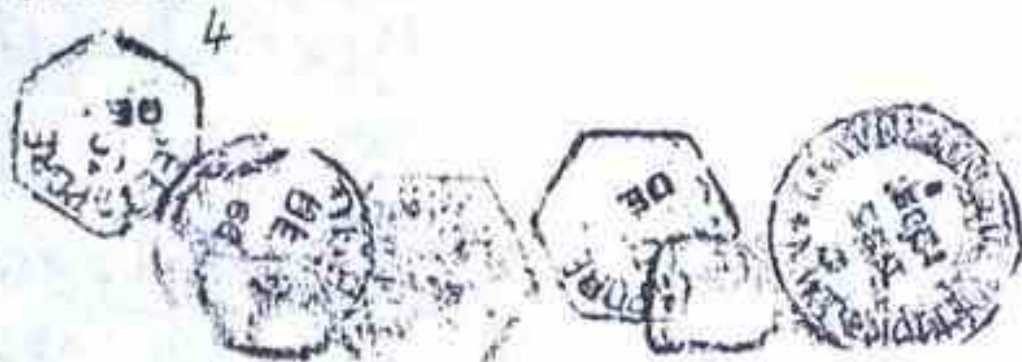
ضلع سیتاپور پرگنہ بسوانی مقام مہسوا بوالاخدمت مولوی صاحب جمیل المناقب
عمیم الاحسان مولوی نعمان احمد خان بہادر طال اللہ بقاءہ بمحبت مقبول باد اسد
بیرنگ ۱۷ دسمبر سنہ ۶۶ء

قبلہ آج خیال آیا کہ نامہ مرقومہ ۱۳ اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے
حضرت کا نہیں آیا اور اسمیں میری بھیجی ہوئی کتابوں کی رسید اور
آپکا عازم اکبرآباد ہونا مندرج تھا اکبرآباد کا ہنگامہ تمام ہوا
غالب ہے کہ آپ بھی اپنی دارالریاست کو پہنچ گئے ہونگے عجب
ہے کہ [illegible] ہے تکیا للہ الحمد کہ اقبال نشان عالی
[illegible] زبانی کے نوید صحت اور ورود مکتوب حضرت
معلوم ہوئی وہی فقیر کے دعا ہے رہا اونکو پہنچی ....
حکم خط بیرنگ بھیجتا ہوں مگر طریق احوط یہ ہے
آپکے خطوط بھی بیرنگ روانہ ہوا کریں کہ فی الجملہ اسمیں
تلف ہونیکا اندیشہ کم ہے یا کہ جانتا ہوں کہ آپ شعر کہتے ہونگے
اگر میرا گمان سچ ہے تو جیسا کہ نثر سے متمتع ہوا ہوں نظم سے بھی
بہرہ اندوز ہوں نامہ غالب بے ادب تقصیر معاف جواب طلب
دوشنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۶۶ء

قبلہ!   ۱۴۵۹

آج خیال آیا کہ نامۂ مرقومۂ اکتیس اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا۔ اُس میں میری بھیجی ہوئی کتابوں کی رسید اور آپ کا عازمِ اکبرآباد ہونا مندرج تھا۔ اکبرآباد کا ہنگامہ تمام ہوا۔ غالب ہے کہ آپ بھی اپنے دارالریاست کو پہنچ گئے ہوں گے۔ عجب ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی آپ نے یاد نہ کیا۔

لِلّٰہ الحمد کہ اقبال نشان، عالی دودمان مولوی سلمان احمد خاں کی نویدِ صحت از روے مکتوبِ حضرت معلوم ہوئی ہے فقیر کی دعاے بے ریا اُن کو پہنچے۔ میں حسب الحکم خط بیرنگ بھیجتا ہوں، مگر طریق احوط یہ ہے کہ آپ کے خطوط بھی بیرنگ روانہ ہوا کریں کہ فی الجملہ اس میں تلف ہونے کا اندیشہ کم ہے۔

جانتا ہوں کہ آپ شعر کہتے ہوں گے۔ اگر میرا گمان یہ ہے تو جیسا کہ نثر سے متمتع ہوا ہوں، نظم سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔

دوشنبہ ۱۷ دسمبر ۱۸۶۶ء

نامۂ غالبِ بے ادب
تقصیر معاف، جواب طلب

بنام نامعلوم

جنابِ عالی!

نامۂ وداد پیام عزّ صدور لایا۔ حضرت کو اب تو یقین آیا کہ بغیر توسط کے بھی ڈاک کے ہرکارے گمنام کا نام جانتے ہیں۔

اس بقعۂ معمور سراسر سرور میں غالبِ مغموم بہت مسرور ہے اور کیوں نہ ہو، فقیر کی قدر و منزلت کیا اہالیٔ شہر اور کیا والیٔ شہر ہر دو جانب سے، ارزش سے بڑھ کر ہے۔

ارمغاں کی فرمایش سر آنکھوں پر، مگر یہاں کا ارمغاں اہلِ شہر کی کششِ سیرت و صورت اور روشِ خلوص و مروت ہے۔ یا نواب[2] عالی جناب معلیٰ القاب کا دیدارِ پُر انوار اور گل افشانیٔ گفتار ہے۔ شہر کا حال یہ کہ ذوقِ شعر گوئی و شعر فہمی کا جو پایہ میں نے یہاں پایا، جمیع اہلِ ہند کو بھی میسر نہ آیا۔ رام پور کہاں ہے، اس باب میں رو کشِ شیراز و اصفہان ہے۔ ہر شخص شعر کا فریفتہ، شعر ہر شخص پر فریفتہ۔

شہر یار کا حال یہ کہ سچ عرض کرتا ہوں، نواب[1] صاحب کو پروردگار نے جیسا حسن و تناسبِ اعضا و اندام دیا ہے، ویسا ہی حسنِ تخیل و اعجازِ کلام دیا ہے۔ چند روز ہوئے بیاضِ مردّف کے اوراق برائے اصلاح مرحمت فرمائے، لیکن اس سحرِ حلال کو کوئی کیا ہاتھ لگائے۔ خدا کی قسم، مجھے اس شخص کے حسنِ صورت پر رشک آتا اگر اپنے تئیں اس کا ہم عصر پاتا۔ بھلا

شیریں کلامی پر نہ کیوں رشک آئے۔ دعا گو کہتا ہے کہ خدا اسے نظرِ بد سے بچائے۔ میں نے تو حضور سے صاف صاف عرض کر دیا کہ ان اشعار کے پردے میں ولیِ نعمت نے معانی کی پریوں کو بند کیا ہے۔ فقیر نے حسبِ ارشادِ خداوند نقطہ ہائے اصلاحی کو ان کی دفع نظرِ بد کے لیے دانہ ہائے سپند کیا ہے۔ سن کے گلے سے لگا لیا اور فرمانے لگے کہ مرزا صاحب آپ کے نقوشِ قدم پر قدم رکھنے کی بے ادبی ہوئی ہے تو معاف فرمایئے۔ مگر اس میں ہماری عقیدت کو دخل ہے۔ اس جسارت پر ہنسی نہ اڑایئے۔ عرض ہوا حقا کہ میرے معروضات میں مبالغے کا شائبہ بھی نہیں، اور سنو، تعجب کرو گے کہ فرزندِ دل بند بھی، نواب صاحب کو اخلاقِ پسندیدہ و اوصافِ حمیدہ کا مالک ملا ہے۔ خوش گفتار، صاحبِ کردار، غرض کئی دن سے یہی اوراقِ غزلیات پڑھ رہا ہوں، کہیں کہیں غلطیِ املا ہے اور بس، اغلاط کو بناتا اور کاتبِ ناہنجار کو بہ زبانِ قلم بتاتا چلتا ہوں۔ واسطے تمھارے دو غزلیں ارمغاں بھیجتا ہوں۔ انصاف سے کام لو۔ کہاں قلم لگاؤں ضد کی اور بات، کیا ہی کہے جاؤ گے تو نے تو خواہ نخواہ نواب مصطفےٰ خاں سے بڑھا دیا۔

والسلام مع الاکرام

نگاشتہ صبح، پنجشنبہ نہم فروری سال حال ۱۸۶۰ء [1] — جواب کا طالب غالبؔ

غزلیات

میں نے کہا کہ دعویٰ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

تاثیرِ آہ و زاریِ شبہائے تار، جھوٹ
آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط

سوزِ جگر سے ہونٹھ پہ تبخالہ افترا
شورِ فغاں سے جنبشِ دیوار و در غلط

ہاں سینے سے نمایشِ داغِ دروں، دروغ
ہاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط

بوس و کنار کے لیے یہ سب فریب ہیں
اظہارِ پاک بازی و ذوق نظر غلط

لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں
عاقل نہیں ہم اس کو نہ سمجھیں اگر غلط

مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جانِ عزیز پیش کشِ نامہ بر غلط

پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے ہو جان دی ہے سرِ رہ گزر غلط

ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنے روز اڑائی خبر غلط

آیت نہیں، حدیث نہیں، جس کو مانیے
ہے نظم و نثر اہلِ سخن سر بسر غلط

یہ کچھ سنا جواب میں ناظمؔ ستم کیا
کیوں یہ کہا کہ دعویِ الفت مگر غلط

دیگر

مٹی نہ وصل میں بھی کلفتِ زمانِ فراق
تمام رات کہی ہم نے داستانِ فراق

جہاں میں کیا نہیں ہوتی خزاں کے بعد بہار
بہارِ وصل نہ کیوں ہو پس از خزانِ فراق

خوشا حبیب و ادا ہائے دلستانِ حبیب
بدا فراق و الم ہائے جانستانِ فراق

مولوی عبدالغفور خاں نسّاخ

(۱)

جنابِ مولوی صاحب قبلہ!

یہ درویشِ گوشہ نشیں، جو موسوم بہ اسداللہ اور متخلص بہ غالب ہے، مکرمتِ حال کا شاکر اور آئندہ افزائشِ عنایت کا طالب ہے۔ "دفترِ بے مثال" کو عطیۂ کبریٰ اور موہبتِ عظمیٰ سمجھ کر یادآوری کا احسان مانا۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس ہیچمیرز ہیچمدان کو قابلِ خطاب اور لائقِ عطائے کتاب جانا۔

میں دروغ گو نہیں، خوشامد میری خو نہیں۔ دیوانِ فیض عنوان اسم با مسمّی ہے۔ "دفترِ بے مثال" اس کا نام بجا ہے۔ الفاظ متین، معانی بلند، مضمون عمدہ، بندش دل پسند۔ ہم فقیر لوگ اعلانِ کلمۃ الحق میں بے باک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرزِ جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ اُن سے بڑھ کر بہ صیغۂ مبالغہ، بے مبالغہ نسّاخ ہیں۔ تم دانائے رموزِ اردو زبان ہو، سرمایۂ نازشِ قلمروِ ہندستان ہو۔

خاکسار نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے۔ پھر اوسطِ عمر میں بادشاہِ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اور اُسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثرِ فارسی کا عاشق اور مائل ہوں۔ ہندستان میں رہتا ہوں مگر تیغِ اصفہانی کا گھائل ہوں۔ جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت کچھ بکا، اب نہ فارسی کی فکر، نہ اردو کا ذکر، نہ دنیا میں توقع، نہ عقبیٰ کی امید۔ میں ہوں اور

اندوہِ ناکامیِ جاوید، جیسا کہ خود ایک قصیدہ دنعت کی تشبیب میں کہتا ہوں :

چشم کشودہ اند بہ کردار ہاے من
زآیندہ ناامیدم و زرفتہ شرمسار

ایک کم ستّر برس دنیا میں رہا۔ اب اور کہاں تک رہوں گا؟ ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا، ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا، تین رسالے نثر کے، یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے۔ اب اور کیا کہوں گا؟ مدح کا صلہ نہ ملا۔ غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی۔ بہ قول طالب آملی علیہ الرحمۃ :

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود، بہ شد

سچ تو یوں ہے کہ قوتِ ناطقہ پر وہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا۔ طبیعت میں وہ مزہ، سر میں وہ شور نہ رہا۔ پچاس پچپن برس کی مشق کا ملکہ کچھ باقی رہ گیا ہے۔ اس سبب سے فنِ کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں۔ حواس کا بھی بقیہ اسی قدر ہے کہ معرضِ گفتار میں مطابقِ سوال، جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے کہ دیکھیے وہاں کیا پیش آتا ہے، اور یہ بال بال گنہگار بندہ کیوں کر بخشا جاتا ہے۔

حضرت سے یہ التماس ہے کہ آپ جو اہداکے بادی اور مجھ کو ارسال نامے کی سبیل کے بادی ہوئے ہیں، جب تک میں جیتا ہوں، نامہ و پیام سے شاد اور بعد میرے مرنے کے دعاے مغفرت سے یاد فرماتے رہیے گا۔ والسلام بالوف الاحترام۔

۱۸۶۴ء

مولوی کرامت علی

فقیر اسد اللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے ہاں آئے ہیں اور میں نے آپ کی ملاقات سے حظ اُٹھایا ہے۔ حلِ معنیِ اشعار کی یہ صورت ہے کہ ہندی کے شعر میرے نہیں۔ شعرائے لکھنؤ میں سے کسی کے ہیں بلکہ اغلب ہے کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعارِ فارسی البتہ میرے ہیں۔

خواست کز ما رنجد و تقریب رنجیدن نداشت
جرم غیر از دوست پرسیدیم و پرسیدن نداشت

"داشتن" بمعنی "رکھنے" کے ہے۔ لیکن اہلِ زبان بہ معنی "بایستن" بھی استعمال کرتے ہیں۔ ظہوری۔

گر اسیرِ زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را
گفتہ باشم ایں قدر بر خویش پیچیدن نداشت

میرے شعر میں پہلے مصرع کا "داشت" بمعنی رکھنے" کے اور دوسرے مصرع کا "داشت" بمعنی "بایست" ہے۔ مفہومِ شعر یہ ہے کہ دوست ایسا حیلہ ڈھونڈتا تھا کہ اُس کے ذریعہ سے مجھ پر خفا ہو۔ چاہتا تھا کہ آزردہ ہو مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ قضارا کچھ دنوں کے بعد رقیب سے معشوق کو ملال ہوا میری جو شامت آئی، میں نے دوست سے پوچھا کہ رقیب نے کیا گناہ

گیا جو راندۂ درگاہ ہوا، معشوق اسی گستاخی کو بہانۂ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا۔ اب شاعر افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے "ہائے پرسیدن نداشت" یعنی "پوچھنا نہ چاہیے تھا":

دیر خواندی سوے خویش و زود فہمیدم دریغ
پیش ازیں پایم زگرد راہ پیچیدن نداشت

عاشق ایک عمر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلاوے مگر اس عیار نے نہ بلایا۔ رفتہ رفتہ میں غم سے ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقتِ رفتار نہ رہی اور گردِ راہ سے میرے پاؤں الجھنے لگے۔ جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا تب بلایا۔ عاشق کہتا ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلائے اور میں نہ آؤں۔ "دریغ" گو یہ نہ سمجھا جائے کہ "زود فہمیدن" پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر ہے۔ دریغ ہے دوست کی بے وفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر کے تلف ہونے پر:

من بوفا مردم و رقیب بدر زد
ہمہ لبش انگبین و ہمہ تبرزد

"انگبین" شہد کو کہتے ہیں اور "تبرزد" مصری کو کہتے ہیں۔ ان معنوں میں کہ یہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والی نہیں، جب تک اس کو تبر سے نہ توڑو، مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ "بدر زدن" اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں "باہر مارنا" یعنی "بدر" "باہر" اور "زدن" "مارنا" لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے "نکل جانا"۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھیے کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے۔ پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی، وہ جب چاہے تب بے تکلف اڑ جائے اور جو مکھی کہ شہد پر بیٹھے گی، جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گے اور وہ مر کر رہ جائے گی۔ پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے ہونٹ شریں ہیں میرے واسطے

شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری۔ یعنی وہ چاٹ کر، لطف اُٹھا کر، صحیح وسالم چلا گیا اور میں پھنس کر وہیں مر کر رہ گیا۔

در نمکش بین و اعتماد نفوذش
گر بہ مے افگند، ہم بہ زخم جگر زد

"زدن" لازمی بھی ہے اور متعدی بھی۔ لازمی کے معنی ہندی میں "لگ جانا" اور متعدی کے معنی "مارنا"۔ یہاں "زد" لازمی ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے یعنی اگر شراب میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر نمک ڈالیں تو وہ کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کہ اُس کو اُس نمک کے نفوذ پر کتنا بھروسا ہے کہ اگر وہ اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا اور زخم پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا کام کر رہتا ہے:

کیست درین خانہ کز خطوط شعاعی
مہر نفس ریزہ ہا بہ روزنِ در زد

یہ خیال ہے۔ یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے مگر بہ طریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرطِ شوق سے دروازے کے روزن پر پھینک دیے ہیں؟ آفتاب کے خطوطِ شعاعی کا روزنوں میں پڑنا اور ان خطوطِ شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بہ صورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے:

دعویٰ اورا بود دلیل بدیہی
خندۂ دنداں نما بہ حسن گہر زد

"خندۂ دنداں نما" اس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے

والے کے دکھائی دیں۔ معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا اور ہنستا کوئی ایسی چیز ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے۔ حاصلِ معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا۔ گویا اُس نے یہ دعوے کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں۔ اب دعوے کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق کے دعوے پر دلیل بدیہی ہے، یعنی ہنسنے میں اُس کے دانت نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے وہ لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اس دلیل کو سب نے دیکھ لیا اور چوں کہ بدیہی تھی مان لیا۔

غیرتِ پروانہ ہم بروز مبارک

نالہ چہ آتش ببالِ مرغ سحر زد

پروانے کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہیے۔ پروانے کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانے میں ہو یا پروانے کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پروانے پر، یعنی رشک۔ حاصل معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ رات کو جو پروانے کو جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا۔ دن کو ایسا کوئی نہ تھا کہ مجھ کو اُس پر رشک آوے۔ لو اب وہی غیرت اور وہی رشک جو پروانے پر شب کو تھا، اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغِ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بے خودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے۔ مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ ہو گیا جو رات کو پروانے کو دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغِ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہے:

شکر ہوشم بزور بر مے نہ شکستی

غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

نظر "فکر" کو بھی کہتے ہیں اور "نگاہ" کو بھی۔ یہاں نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بے ہوش ہو جاتا۔ مگر کیا کروں کہ پہلے غمزۂ ساقی نے نظر کو خیرہ اور مغلوب کر دیا۔ پھر اس پر شراب پی گئی۔ بے خودی کا استعداد تو بہم پہنچ

ہی گیا تھا، ناچار ہوش جاتے رہے:

زان بتِ نازک چہ جاے دعویِ خون است
دست وے و دامنے کہ او بکمر زد

اس شعر کا لطف وجدانی ہے، بیانی نہیں ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اُس معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے۔ خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اس کو وقتِ عزمِ قتل دامن گردانتے وقت وہ صدمہ پہنچا ہے کہ اس کا ہاتھ ہے اور وہ دامن کہ جو انھوں نے گردان کر کمر پہ باندھا تھا۔ ایسا لچکا کا کمر کو پہنچا ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر دادخواہ ہو رہا ہے۔ پس کوئی اس سے خون کا کیا دعوے کرے گا۔

قطعہ

برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم
ہرچہ ز طبع زمانہ بیہدہ سر زد   ق
شاخ چہ بالد گر ارمغان گل آورد
تاک چہ نازد اگر صلاے ثمر زد

شاعر کہتا ہے کہ یہ روئیدگیاں بہ مقتضاے طینتِ خاک ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً گنّا۔ اب کچھ خاک کو اور ہَوا کو یہی منظور نہیں کہ اس کا رَس نکلے اور اس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دانشمندی ہے کہ اُس نے اس گھاس میں سے یہ بات پیدا کی۔ پس اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں۔ شاخِ گل کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہنر ہے؟ ہم نے اپنے زورِ عقل سے انگور کی شراب بنائی اور پھولوں کو ہر ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشیدۂ، گنہ چہ شماری
غالبِ مسکیں بہ التفات نیرزد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں۔ تو بس اب معلوم ہوا کہ میں لائق التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالمِ عقبےٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے؟ جب ہمارے مطالب آپ نے ہم کو نہ دیے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجے۔ جانے دیجے، ہم میں التفات کی ارزش نہیں ہے ۱۲

غالبؔ

حکیم غلام رضا خاں

نورِ دیدہ وسرورِ دل وراحتِ جاں، اقبال نشاں، حکیم غلام رضا خاں کو غالبِ نیم جاں کی دعا پہنچے۔ تم سے رخصت ہوکر اور تمھیں خدا کو سونپ کر روانۂ رام پور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑا ابھی چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب وہوا۔ سایہ وسرچشمہ جا بجا۔ آرام سے رام پور پہنچا۔ نواب صاحب حال بہ مقتضائے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِيهِ حسنِ اخلاق میں نواب فردوس آرام گاہ کے برابر بلکہ بعض شیوہ وروش میں اُن سے بہتر ہیں۔ بہ مجرّدِ مسند نشینی کے غلّے کا محصول یک قلم معاف کیا۔ علی بخش خان ساماں کو تیس ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا۔ مفصّل حالاتِ بذل ونوال عندالملاقات زبانی کہوں گا۔

سنو صاحب۔ میں فقیر آزادہ کیش ہوں۔ دنیادار نہیں، مکّار نہیں، خوشامد میرا شعار نہیں۔ جس میں جو صفات دیکھتا ہوں، وہ بیان کرتا ہوں۔ نواب صاحب تو گھر بیٹھے مجھے سو روپے پہنچا دیتے ہیں، تم مجھے کیا دیتے ہو؟ جو تمھارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر بہ مثل میرا کوئی صُلبی بیٹا ایسا ہوتا جیسے تم ہو تو میں اُس کو اپنا فخر وشرف جانتا۔ علم وعقل وخُلق وصدق وسداد وحلم کے جامع، تورّع وزہد وتقوے کے حاوی۔ علم اخلاق میں حکمائے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں، وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔ پروردگار تم کو عمرِ طبیعی عطا کرے اور دولت واقبال شمار سے زیادہ دے۔ انشاء اللہ کہ ہم چنیں خواہد بود۔

۱۲ اکتوبر۔ ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ء [۱]

غالب

قاضی محمد نورالدین حسین خاں رضوی فائقؔ

(۱)

مخدوم مکرم حضرت قاضی محمد نورالدین حسین خاں بہادر کی خدمت میں عرض ہے کہ برخوردار مرزا شہاب الدین خاں بہادر تے یہ اجزا مجھ کو دیے نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کی۔ کاتب صاحب کی نثر جو آغاز میں ہے، اُس کو بھی نہیں دیکھا، صرف آپ کی نثر کو دیکھا اور اُس کو موافق حکم آپ کے بعض جا دُرست کر دیا۔ بعض موقع پر منشائے اصلاح بھی لکھ دیا ہے۔ مجھ کو یہ پایہ نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل کروں۔ بہ فحوائے الأمرُ فوقَ الأدَب حکم بجا لایا ہوں۔ مرحبا، آفریں۔ بخدا خوب نثر لکھی ہے۔ اللہ سُبحانَہٗ آپ کو مدارجِ اعلیٰ کو پہنچاوے اور سلامت رکھے۔

مرقومۂ دوشنبہ جولائی ۱۸۶۲ء [1]

خوشنودیِ احباب کا طالب غالبؔ

۱۴۷۳

محمد حسین خاں

جنابِ[۱] محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں میں نے اس نسخے کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اسی میں درج کر دیا ہے، گویا اب غلط نامہ بیکارِ محض ہو گیا ہے۔ خاتمے کی عبارت کیا میرا بیان، کیا میر قمر الدین کا اظہار اب کچھ ضرور نہیں، کس واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائے گی۔ یہ مجلد گویا مسودہ ہے۔ اسی کو بھیج دیجیے۔

غالب "

مرزا رحیم بیگ

بخدمتِ مشفقی، مکرمی، مرزا رحیم بیگ صاحب، نوّر اللہ قلبہٗ بالاسرارِ و عینہٗ بالانوار سخنی چند گفتہ میشود،

نہ در منطقِ پارسی و دری   ہمیں ہندیِ سادہ و سرسری

جس طرح توحید میں نفیِ ماسویٰ اللہ دستور ہے، مجھ کو تحریر میں حذفِ زوائد منظور ہے۔ عزمِ مقابلہ نہیں، قصدِ مجادلہ نہیں، سرتاسر دوستانہ حکایت ہے۔ خاتمے میں ایک شکایت ہے، شکوۂ دردمندانہ مُنافیِ شیوۂ ادب نہیں، معہٰذا اظہارِ دردِ دل مراد ہے، کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسان مند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔ اُن کے حسنِ ظن کے مطابق مجھ کو معشوق میرے اُستاد کا نہ لکھا۔ اگر ایک جگہ یہ الفاظ کہ بقولِ غالب باکدام خرس در جوال شدہ ام" بہم کیے' یا اور دو چار جگہ کلمۂ توہین رقم کیے، میں نے اپنے لطفِ طبع اور حسنِ عقیدت سے پہلے فقرے کا مفہوم یوں اپنے دل نشیں کیا کہ حضرت نے محمد حسین دکنی، جامعِ برہان کو، وافق میرے قول کے خرس یقین کیا۔" باخرس در جوال شدن" عبارت ہے صحبت سے، خواہی مدافعت کی واسطے ہو، خواہی محبت سے؛ مجھ کو اُس کا قُرب بسبیلِ آویزش ہے، تم کو اُس کا قُرب از روئے آمیزش ہے۔ دوسرے فقرے کے معنی یہ ٹھہرائے بلکہ بے تکلف میرے ضمیر میں آئے کہ خرس کے مدد دینے سے کوفت حاصل ہوئی اور وہ کوفت باعثِ دردِ دل ہوئی۔ شدّتِ درد میں آدمی چیختا ہے، چِلّاتا ہے۔ ہائے وائے کرتا

ہے، غل مچاتا ہے، جیسا کہ سعدیؒ "بوستاں" کی اُس حکایت میں جس کا پہلا مصرع یہ ہے:

شبی زیتِ فکرت ہمی سوختم

فرماتا ہے:

کہ ناچار فریاد خیزد ز مرد

جنابِ مرزا صاحب! کیا تم نہیں جانتے، کیوں کر نہیں جانتے، بے شبہ جانتے ہو گے کہ اکابرِ اُمّت کو اُمورِ دینی میں کیا کیا منازعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ نوبت بہ تکفیرِ یک دِگر پہنچی ہے۔ اگر فنِّ لغت میں ایک شخص دوسرے کا معتقد نہ ہوا، یہاں تک کہ اُس کی تحمیق بھی کی تو اور مدّعیانِ علم و عقل اُس مسکین کے جگر تشنۂ خوں کیوں ہو جائیں اور جب تک اُس کا نقشِ ہستی صفحۂ دہر سے نہ مٹائیں، آرام نہ پائیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ جو کچھ میں نے "قاطع برہان" میں لکھا ہے، نہ اُس کو سمجھتے ہیں اور نہ جو کچھ آپ لکھتے ہیں اُس کے معنی سمجھتے ہیں۔ سوال دیگر، جوابِ دیگر پر مدار ہے، خارج از مبحث اقوال کی تکرار ہے۔ بُرہانِ قاطع والے کی محبت سے دل بے قرار ہے، فرطِ غیظ و غضب سے بدن رعشہ دار ہے۔ منشی سعادت علی نہ ناظم ہے، نہ نثّار ہے بموجب اس مصرع کے:

مقتضائے طبیعتش این است

ناچار ہے۔ تم کو معرضِ تحریر میں تحمّل و تامّل چاہیے؛ نہ سخن پروری و جانب داری میں توغّل چاہیے۔

بہ حسبِ اختلافِ طبائع مانو، یا نہ مانو مگر پہلے یہ تو جانو کہ غالبِ سوختہ اختر کا فرہنگ نویسوں کے باب میں عقیدہ کیا ہے۔ اگرچہ "قاطع برہان" میں جا بہ جا لکھتا آیا ہوں مگر اب ہندی کی چندی کر کے لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ میرا ہے کہ فرہنگ لکھنے والے جتنے گزرے ہیں، سب ہندی نژاد ہیں، ہاں علمِ صرف و نحوِ عربی میں بقدرِ تحصیل مُسلّم اور اُستاد ہیں۔ علمِ صرف و نحو کی کتبِ درسی موجود ہیں، جس نے چاہا ہے اُس نے اُستاد سے اُن کتب کو پڑھ لیا ہے۔ فارسی

کی جو فرہنگیں حضرات نے لکھی ہیں، مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں، اور اُس کا علم کس اُستاد سے حاصل کیا ہے؟ آخر۔ مقاصد صرف و نحوِ عربی بھی تو صرف مطالعۂ کتب سے نہیں نکالے ہیں، پہلے تعلیم و تعلّم ہے۔ پھر کتبِ قواعد کے جا بہ جا حوالے ہیں۔ قواعدِ فارسی کا رسالہ اہلِ زبان میں سے کس نے لکھا ہے اور ان ہوس پیشہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس فاضلِ عجم سے پڑھا ہے؟

شیدائے ہندیِ سیکروی نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمۃ کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے مرزا جلالائے طباطبائی علیہ الرحمۃ نے شیدا کو خط لکھا ہے، سر آغازِ خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ اور برساند ردیف، شعرِ اخیر کا مصرعِ ثانی یاد رہ گیا ہے۔ یعنی:

به مہادیو مقوی - برساند

خلاصۂ مضمونِ خط یہ کہ تو صاحبِ زباں نہیں ہے، زبان داں ہے۔ یعنی مقلّد اور کاسہ لیسِ اہلِ ایراں ہے۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ، تجھے کس نے کہا ہے کہ اُس سے لڑ؟ کیا تو نے سنا نہیں جو عرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور موتمن الدولہ شیخ ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے لغاتِ فارسی اور ترکیبِ الفاظ میں کلام تھا۔ مولانا جمال الدین عرفی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اور نطق آشنا ہو گیا ہوں، اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغاتِ فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہا ہوں۔ فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے اپنے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا ہے۔ حضرت عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق گھر کی پیرزالوں کا ہے۔ ہائے مُمیّز کہاں سے لاؤں جو دیکھے کہ یہ حال قلم روِ ہند کے صاحب کمالوں کا ہے؟ قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو، مجرّد تقدّمِ زمانی کا اعتبار دیکھو۔ مانا کہ عرفی تحصیلِ علومِ عربیہ میں اُن سے کمتر ہے، صاحبِ زبان اور ایرانی ہونے میں برابر ہے۔ کیا عرفی کیا انوری، کیا خاقانی، ایک شیرازی، ایک خاوری، ایک شروانی۔

اگر مجھ سے کوئی کہے کہ غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے، میری طرف سے جواب یہ ہے

کہ بندہ ہندی مولد و پارسی زبان ہے:

ہر چہ از دستگہہ پارس بہ یغما بُردند
تا بنالم ہم ازان جملہ زبانم دادند

زبان دانیِ فارسی میری ازلی دستگاہ، اور یہ عطیۂ خاص من جانب اللہ ہے۔ فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے، مشق کا کمال میں نے استاد سے حاصل کیا ہے۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوش گو اور معنی یاب ہیں، لیکن یہ کون احمق کہے گا کہ یہ لوگ دعویِ زبان دانی کے باب ہیں۔ رہے فرہنگ لکھنے والے، خدا ان کے پیچ سے نکالے۔ اشعارِ قدما آگے دھر لیے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دیے، وہ بھی نہ کوئی ہم قدم، نہ کوئی ہمراہ، بلکہ سُو بسُو پراگندہ و تباہ، رہنما ہو تو راہ بتائے استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے۔ نہ آپ شیرازی، نہ استاد اصفہانی، زہے رگِ گردن وخہے دعویٰ زبان دانی! میرا یہ قول خاص ہے، نہ عام ہے، مجموع فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامعِ برہان کا ماخذ فرہنگ رشیدی و جہانگیری ہے، عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجو میں کیا پیری ہے؟ قطب شاہ و جہانگیر کے عہد میں ہونا اگر منشاءِ برتری ہے تو بے چارہ جعفر زٹلّی بھی فرخ سیرؔی ہے۔

ایک لطیفہ لکھتا ہوں اگر خفا نہ ہو جاؤ گے تو حظ اٹھاؤ گے۔ جتنی فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں، یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع مانندِ پیاز ہیں تُو بہ تُو اور لباس در لباس، وہم در وہم اور قیاس در قیاس، پیاز کے چھلکے جس قدر اتارتے جاؤ گے چھلکوں کا ڈھیر لگ جائے گا، مغز نہ پاؤ گے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جاؤ، لباس ہی لباس دیکھو گے شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو، ورق ہی نظر آئیں گے۔ معنی موہوم۔

ظرافت پر مدارِ تحقیق نہیں ہے، آپ کے خاطر نشیں کرتا ہوں، جو میرے دل نشیں ہے۔ فرہنگ نویسوں کا قیاس معنی لغاتِ فارسی میں نہ سراسر غلط ہے، البتہ کمتر صحیح، اور بیشتر غلط ہے۔ خصوصاً دکنی تو عجب جانا نہ ہے، لغو ہے، پوچ ہے، پاگل ہے، دیوانہ ہے، وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ بائے اصلی کیا ہے اور بائے زائدہ کیا ہے۔ حیران ہوں کہ اس کی جانبداری

میں کیا فائدہ ہے، خدا جانتا ہے کہ میں یک رنگ ہوں، مگر دکنی کے جانب داروں کا چورنگ ہوں۔ مجھے جو چاہو، سو کہو، اوروں سے تم کیوں لڑتے ہو؟ کہیں جامعِ لطائفِ غیبی کو بُرا کہتے ہو کہیں نگارندۂ دافعِ ہذیان سے جھگڑتے ہو۔ جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اُس کی رائے کی کجی، اُس کے قیاس کی غلطی، اگر نہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جانتے ہو، مگر یہ میں نہیں جانتا کہ اتنی محنت کرنی اور اُس کے رفعِ تخطیہ کے واسطے توجیہاتِ باردہ ڈھونڈنی کس واسطے، ایسا اُس کو کیا مانتے ہو؟ مجھ پہ جدا منھ آتے ہو، مولوی نجف علی اور میاں دادخاں سے جدا بگڑتے ہو۔ بھائی صاحب، مغل بچہ پن پر آ گئے۔ کہار لڑتے ہو؟

سچ ہے غالب آگندہ گوش ہے، کسی کی نہیں سنتا۔ اسی آپ کے مقرر کیے ہوئے قاعدے کے موافق بہ حلف کہتا ہوں کہ تم نے "قاطع برہان" و "دافع ہذیان" و "لطائفِ غیبی" کو ہرگز نہیں دیکھا۔ "آویزہ و افسوس" کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اُس کا اقرار اور میرا دوست میاں دادخاں شرمسار ہے، جو کچھ اُس مصنف نے اس باب میں لکھا، وہ قولِ فیصل اور کافی ہے، مانیں یا نہ مانیں، ناظرین کو اختیار ہے۔

"گلھری" بکافِ فارسی مکسور، بوزنِ اکھری لغتِ ہندی الاصل، اُس کی شرح میں جداگانہ ایک فصل، کافِ فارسیِ مکسور کی جگہ کافِ عربی مفتوح، اعراب کا بہ وزنِ "تشتری وصنوح" مجھے اور میرے دوست سیف الحق کو دو سہوِ طبعی پر استعذار، ہوا خواہانِ بوہرۂ دکنی کو اغلاطِ متواتر کے جواز پر اصرار۔ فاعتبروا یا اولوالابصار۔ "خرہ" بے واو بہ معنیِ نور، اور "خورہ" مع الواو بہ معنیِ جذام ایک، "ویژہ" بہ معنیِ پاک، اور "آویژہ" بہ معنیِ ناپاک ایک، یہ اور ایسے ہزار اغلاط، سند اور مقبول اور منظور۔ گویا یہ مصرع جو حمد میں ہے: "کند ہر چہ خواہد بُرو حکم نیست" اُس کی شان میں صادق سمجھ لیا ہے۔ چشمِ بد دور، اب چاہیے کہ اُس کو پوجنے والے اُس کے نام کے بعد جلّ جلالہ، لکھیں اور اگر اتنی جرأت نہ کریں، تو نظر بہ افادہ و استفادہ عمّ نوالہ، لکھیں۔

ستر برس کی عمر، کانوں سے بہرا، جمعیت کم، تفرقہ زیادہ، اور پھر خودداری اور کبرِ نفس

اور استغنا خدا داد، بے ہودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں، یا سخن نگاری کیوں لفظ بہ لفظ و حرف بہ حرف کروں؟ آپ کو اپنی نمود اور شہرت منظور ہے۔ خردہ گیری و عیب جوئی سے مجھ کو نفرت ہے اور حیا آتی ہے زیادہ گوئی سے۔ آپ کے حسنِ کلماتِ طیبات سے قطع نظر کر کے ناظرینِ منصف کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہوں اور شکایتِ موعودہ سے پہلے تین امر ضروری لکھ لیتا ہوں:

"صہیحہ بمعنی آوازِ اسپ زنہار نیست" اس کے سچ ہونے میں کیا کلام ہے؟ جو صہیحہ سے آوازِ اسپ مراد رکھے، وہ ناقص ہے، اور خام ہے۔ کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے سن کر تمہارا ذہنِ وقادِ نقاد وہاں جا لڑا؟ لغت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ ور بازپرس میں پکڑا جائے! تمہارا محبوب بوہرہ دکنی شین منقوط مع التحتانی کے بیان میں "شیہہ" کو گھوڑے کے ہنہنانے کی فارسی بتاتا ہے، عربی میں گھوڑے کے ہنہنانے کو "صہیل" بہ وزنِ دلیل کہتے ہیں "صیحہ" بہ وزنِ بیضہ عموماً بمعنی ہر صدائے ہولناک و مہیب آتا ہے۔ میں کیوں کر فرہنگ نگاروں کے اور ان کے مددگاروں کے قیاس کو وحی سمجھتا ہوں اور کیوں کر کاتبوں کی املا کو مصحفِ مجید کی طرح سر پہ دھر لوں؟ یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کو جماد و نبات فرض کر لوں۔

"جرمِ خطای یرغ برگردنِ بندگانِ جناب است" میں آپ کو مخاطب بالفتح ٹھہرا کر یہی فقرہ پڑھ کر چپ رہتا ہوں، بعد اس کے تبدلِ جیم بہ تحتانی کو ناممنوع کہتا ہوں۔ "یعقوب" کو بہ تغیرِ لہجہ انگریزی زبان میں "جاکوب" کہتے ہیں۔ مُبدَل منہ، کہاں تغیرِ لہجہ! حضرت آپ جو کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔

"رید" اور "گوز" کا ترجمہ طفل نہیں مانتے اور پھر خاتمے میں "رید کان" بصیغۂ جمع لکھواتے ہو۔ واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو، بہ نیروی بصر نہیں، بلکہ از روے سمع لکھواتے ہو۔

خط تمام ہوا، اب مستغیث کی عرضی سماعت ہو، لیکن سماعت از روے بالاے طاعت

ہو، عرضی گزراننے سے پہلے مستغیث پوچھتا ہے کہ آپ کے محکمۂ عالیہ کا سرشتہ دار دیانتدار ہے، یا نہیں، سخن فہم و ہوشیار ہے، یا نہیں۔ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو، دلیل سن لیجیے اگر یقین نہ ہو تو۔ "صیحہ" بہ معنی اسب زنہار نیست" اس کے ماقبل اور بھی عبارت ہے۔ سنانے والے نے نہ پڑھی ہو۔ کیا بعید ہے، کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ملحوظ رکھنا اور محمد اکرم پنجابی کا شعر تو قابلِ التفات نہیں، مگر، مولانا جمال الدین عرفی شیرازی، رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بہ تتبعِ کاتب غلط لکھوا دینا، تم سے بسا بعید ہے۔ انشا میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو۔ املا میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ قائل ہو؟ انشا و املا و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر، تحقیق کے کیوں نہ مائل ہو؟ تقصیر معاف، یہ نہ استناد بہ کلامِ عرفیِ عالی مراتب بلکہ پیرویِ خامۂ کج رفتارِ کاتب ہے۔ کہہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرے کا دماغ، نہ ہجومِ امراضِ جسمانی و آلامِ روحانی سے فراغ۔ آگے جو ہمت نہیں ہاری تھی اور غیب سے توقعِ مددگاری تھی، تو اپنا یہ شعرِ اردو میرے وردِ زباں اور اس ہنجار سے میں زمزمہ سنجِ فغاں رہتا تھا:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اب جو اصلاحِ حال و حصولِ مطالب سے دل مایوس ہے، تو طبیعت اسی غزل کی اس بیت کے ترنم سے مانوس ہے:

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

"کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا رونا رزق کا ہے، جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے، نہ صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھا لیا، پانی پی لیا اور چین سے سو رہے۔ آدمی عموماً اور صاحبانِ ننگ و ناموس خصوصاً، باوجودِ فراغِ معاش ایسی جاں گداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے، یہ حال تو یا صاحبِ واقعہ جانے، یا خدا جانے، دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے، اور

بغیر کہے دوسرا کیا جانے ؟ مناظرے کا تو ہرگز ارادہ نہیں، اگر مُردہ دل نہ ہوتا تو دو باتیں کہتا، زیادہ نہیں، وہ بھی از روے بحث و تکرار، نہ بہ اندازِ استفسار، اظہار سے مقصود نفسِ اظہار۔

یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے کتنے محققین نے ان کو اپنا امام مان لیا ہے ؟ جب تک نہ اجماعِ محققین کا ہوگا، یہ خطاب با اجماعِ اہلِ عقل ناجائز و ناروا ہوگا۔ وہ فرماں روائے عہد شہنشاہ کہلائے گا، کئی بادشاہ جس کے فرماں پذیر ہوجائیں گے؛ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام میر شہنشاہ رکھ لیا، یہ میر شہنشاہ صاحب کیوں کر شاہ جہاں و جہانگیر ہوجائیں گے ؟ اگر حضرت بفتحہ قافِ ثانی بصیغۂ تثنیہ امام المحققین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوتے اور نراین داس تنبولی دوسرا ہوتا۔

"ساطعِ برہان" کے تیرھویں صفحے کی نویں سطر میں آپ لکھتے ہیں :

وہم چنیں برافراط و تفریط تو ضیح را کار بند نشدہ اند کہ بدان حرف گیری تواند کرد۔

'تواند' توانستن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد غائب ہے۔ فاعل چاہتا ہے خواہی معرفہ، جیسے احمد، محمود، خواہی نکرہ جیسے فلاں و بہماں، کسی، یا شخصی مردی یا زنی اور اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اُس صورت میں 'توان کرد' چاہیے کہ توان مالم یسمّٰ فاعلہٗ ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں، ہاں از رُوے حسنِ عقیدت کہتا ہوں کہ آپ نے یوں لکھا ہے کہ کسی بدان حرف گیری تواند کرد" یا "تواند" کی جگہ "توان" رقم فرمایا ہے۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشتِ مبارک سے اُٹھا لیا۔

او اسد اللہ داد خواہ، جلد آ، اور اپنی عرضی لا، حضرت آیا اور عرضی لایا۔ پہلے پانچ کاغذوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں۔ پھر سررشتہ دار صاحب بہ کمالِ امانت و دیانت عرضی سنا دیں۔ نقلِ عبارتِ برہانِ قاطع: آبدہ دست بہ کسرِ دالِ ابجد و ہاے ہوز اشارہ بہ حضرت رسول صلواۃ اللہ علیہ است۔ خصوصاً و شخصی را نیز گویند کہ بزرگ مجلس بود و آرایشِ صدر و زینت از باشد عموماً۔

نقلِ عبارتِ قاطعِ برہان : از خامیِ عبارت چشم می پوشم و می خروشم کہ آبدہ دست مرکب از آب، و دہ کہ صیغۂ امر است از دادن، و دست کہ باوجودِ معانی دیگر مسند را نیز گویند، معنی

ترکیبی رونق دہندۂ مسند؛ ہر آیینہ تا مسند را بہ طرفِ نبوّت یا رسالت، یا ہدایت مضاف نگردانند بہ مقامِ نعت فرو نیارند بلکہ در مدحِ اکابر و صدور نیز بی اضافۂ لفظِ امارت و شوکت و امثالِ اینہا نگارند. نبینی کہ تنہا آبدہِ دست "افادۂ معنی شویانندۂ دست میکند" و آن خود اہانتی است قبیح. بیچارہ در نظم و نثر نعت آبدہ دستِ رسالت دیدہ است، و نیمۂ مضمون را لغت اندیشیدہ است.

نقلِ عبارتِ ساطعِ برہان: آبدہِ دست. خدا نکند کہ این اعتراض از جانبِ مرزاے من باشد، کور سوادی ہمچو من گفتہ باشد، بہ خاطرداشتِ آن درجِ کتاب کرد، ورنہ این کنایہ قابلِ اعتراض نیست، چہ آبدہِ دست جملۂ ترکیبیت، دست کہ در عربی و فارسی بہ معنیِ مسند است، مضاف و مضاف الیہ محذوف باید دانست، بلکہ کلامی است مستقل مترادفِ بالادست، مضاف و مضاف الیہ کہ معنیِ صدر و مسند و بزرگِ قوم باشد. صاحبِ مؤیّد الفضلا در لغتِ فارسیہ این لغت را بسندِ دو کتاب کہ اَدات و قنیہ باشد. بہ ہمین صورت و صحت بہ ہمین معنی نگاشت، و در مدار نیز و صاحبِ رشیدی آوردہ کہ آبدہِ دست بہ معنیِ بزرگِ مجلس و معنیِ ترکیبی آن رونق دہِ صدر و مسند. قولہ "بے چارہ در نظم و نثر نعت آبدہ دستِ رسالت دیدہ، و نیمۂ مضمون را لغت اندیشیدہ است" انتہیٰ اقولُ" جامع این کنایہ را در نظم و نثر بی اضافۂ رسالت دیدہ است، و ہم چنان در رشتۂ تحریر کشیدہ است، خاقانی گوید، بیت:

"دست آب دہِ مُجاورانش
ارزان دہِ برجِ کوترانش"

تبصرہ: بسگر دانِ جناب اگر فراموش نکنند، در شرحِ کنایۂ ماہیِ چشمۂ خضر در بابِ الیم جو ہند کہ می گویند کہ آبدہِ دست استعارہ برای آن حضرت از خاقانی از رکاکت نیست. وای برین عقیدت کہ او راہ پیمبری برداشتند و باز بہ نشیبِ رکاکت سرنگون انداختند! نقلِ عبارتِ برہانِ قاطع: ماہوچیِ شمۂ خضر کنایہ از زبان و دہانِ معشوق است۔

قاطع برہان: یارب، ماہوچیِ شمۂ خضر کدام لغت است؟ من در کتابِ منطبعہ بدین

صورت دیده ام ۔ ع: قلندر ہر چہ گوید دیده گوید، درضمیرِ می گذرد کہ ماہیِ چشمۂ خضر خواہد بود، و آن خود مضمونی است بطریقِ استعاره بالکنایہ کہ سخنور بسا خونِ جگر خورده باشد تا در نظم و نثرِ خویش آورده باشد۔ پس ہر کہ این را در گفتارِ خویش آرد، سرقہ خواہد بود، از لغاتِ مستقلہ و کنایہ ہاے مشہوره نیست کہ بہ کارِ دیرانِ روزگار آید۔ شیرِ خدا کہ ترجمۂ اسد اللہ است، گویی یکی از نام ہاے ولایت پناه است، صد ہزار کس در کلامِ خویش آورده باشد، و سرقہ نیست۔ دکنی در بحثِ شین مع الیا شیرِ شرزۂ غاب اسمِ حضرتِ امیر علیہ السلام نوشتہ و آن مضمونیست کہ خاقانی در قصیدۂ قسمیہ بہم رسانده، شیرِ شرزه خود صفتی است عام کہ بر ہر مردِ شجاع و سرہنگِ جنگجو اطلاق توان کرد و غاب بہ معنیِ بیشہ و نیستان است۔ ہر آیینہ این صفت نہ سزاوارِ شانِ اسد اللّٰہی باشد، خاقانی خود بہ طریقِ تنزل گفتہ است۔ این چنین صفتِ اسمِ کسی کہ بعد از خدا و رسول او را بہ بزرگی توان ستود، چگونہ روا توانَد بود؟ ہم چنین آبدِہ دست در بابِ الف ممدوده اسمِ حضرتِ خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہ قرار داده است، و این لفظیست در غایتِ رکاکت، (رکاکتِ صفتِ لفظ۔ پس غالب منع کرتا ہے برہانِ دکنی کو کہ لفظِ رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نہ کر۔)

چناں کہ ہم در ان فصل مفصل نوشتہ ایم، مقصودِ ما اینست کہ این چنین مضامینِ لغتِ مستقل و کنایہ مقبول چرا قرار یابد، و جز در شرحِ اشعاری کہ حاویِ این کلمات باشد، چرا نگارش پذیرد۔

اَعوذُ باللہِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجیم: "آب" ترجمۂ "ماء" کا ہندی جس کی "پانی"، اور بہ معنیِ رونق و لطف بھی آتا ہے اور اسلحہ کی تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں۔ دست ترجمۂ "ید" ہے جس کی ہندی "ہاتھ" اور بہ معنیِ قسم و نوع اور بہ معنیِ مسند بھی مستعمل ہے۔ ہم کو اس مقام میں آب بہ معنیِ پانی، اور دست بہ معنیِ ہاتھ اور اس کی ترکیب یعنی "آبِ دست" اور اس کے مقلوب یعنی "دستِ آب" کے باب میں کلام ہے۔ "آبدست" بہ حرکت و سکونِ موحده عموماً ترجمۂ غسالۂ ید ہے اور خصوصاً وضو کو کہتے ہیں۔

تعمیم کی سند اُستاد کا شعر:

بے تکلف رُو بساقی کُن اگر دل خستہ ؟
کا بدستِ او شفا بخشِ ہمہ بیمار ہاست

تخصیص کی سند نامِ حق کی بیت:

آبدست و نماز باید کرد
دل مقامِ گداز باید کرد

عرف میں آبدست کس عضو کے غسالے کو کہتے ہیں؟ ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔ پس "آبدہِ دست" اور "دستاب دہ" کی معنی وضو کروانے والا' اور ہاتھ دُھلانے والا آب بہ معنیِ رونق اور دست بہ معنیِ مسند کا یہاں اِدخال محض جہل اور صرف اہمال، یہ تو میرا قول ہے کہ آبدہِ دستِ رسالت' رسول کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط آبدہِ دست کہتا ہے اور ہم منہ تکتے ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم نہ فہم' اُس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ مرزا رحیم بیگ صاحب' افسوس کی بات ہے تم نے اس بیانِ خاص میں قاطع برہان والے کے قول کو کیوں کر مانا؟ ہے ہے' سراسر بے پردہ اشرف الانبیاء علیہ وآلہ السلام کی "تذلیل و توہین ہے' اور جو پیمبر کو ایسا کہے' وہ مجموع اہلِ اسلام کے نزدیک مرتد و مردود و بے دین ہے' بلکہ مخالفین بھی' جو مسلمان اپنے پیمبر کو بُرا کہے' اُس کو بُرا جانیں گے یقین ہے پس پایا پیمبر کا "آبدہِ دست" نام رکھنے والا موردِ لعنت اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ہے۔

خاقانی کے شعر کے لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ یہ شعر قطعہ بند اور اس کا پہلا شعر مجھ کو یاد ہے۔ پہلے پوچھتا ہوں کہ "دستِ آبدہ" کا فاعل اور شین کا مرجع تم نے کس کو ٹھہرایا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان اس میں بہ طریق مذکور' یا مقدر کہاں پایا۔ جب اس مصرع کی رو سے: "دستِ آبدہِ مجاورانش" دست آبدہ پیمبر کا نام قرار پایا' تو دوسرے مصرع کے مطابق: "ارزنِ دہ برجِ کوترانش" "ارزن دہ" کا خطاب بھی حضرت پر صادق آیا۔ سبحان اللہ' جہانِ مصطفیٰ و مجتبیٰ و رحمۃٌ

للعالمین و خاتم المرسلین آپؐ کے القاب ہیں، وہاں آبدہ دست بھی آپ کا لقب ٹھہرایا۔ مرزا جی میں ترکِ جاہل ہوں، بجا ہے اگر مجھ کو گالیاں از رُوے عتاب دو گے، خدا کے واسطے پیغمبر کو کیا جواب دو گے؟ بندہ پرور خاقانی کا شعر قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے:

رُوح از پئے آبروی خود را
خلد از پئے رنگ و بوی خود را
دست آبدہ مجاورانش
ارزن دِہ برجِ کوترانش

اوپر کے دونوں مصرعوں میں "را" کا لفظ زائد، پہلا مصرع تیسرے مصرع سے، اور دوسرا مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے: "روح از پئے آبروے خود دست آبدہ مجاوران اوست، و خلد از پئے رنگ و بوی خود ارزن دہ کبوتران اوست" یہ دونوں شعر کعبۂ معظّمہ کی تعریف ہیں، اور دونوں شینوں کی ضمیر بہ طرفِ کعبہ راجع۔ اس اظہار کی تصدیق "تحفۃ العراقین" سے کیجیے، اور ہندی کی چِندی غالب سے سن لیجیے۔ رُوح اپنی افزایشِ آبرو کے واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبے کے مجاوروں کو اور خلد اخذِ رنگ و بو کے واسطے دانہ کھلاتا ہے کعبے کے کبوتروں کو۔ وضو کو پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے۔ خدا کے واسطے مخدومِ کونین کو خادم کہنا مدح ہے یا مذمت؟ معہٰذا خاقانی کے اس مصرعے سے "دستاب دہ" پیمبر کو سمجھنا بے اعتنائی اور غفلت ہے۔ خاقانی نے روح کو "آبدست دِہ" کا فاعل مانا، تم نے پیمبر کو، معاً اس فعل کا فاعل، اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیوں کر جائز جانا؟

"قافلہ شد" یعنی قافلہ رفت، یعنی قافلہ سالار رفت، یعنی رسولِ مقبول رحلت کرد، یہ قباحت مع الالف میں کلام اسی مستہزیِ رسول کا ہے، "دستاب دِہ" کی شرح میں تحقیر، اور "قافلہ شد" میں استہزا ہے۔ "برہان قاطع" والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھا ہے تو احمق ہے، اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافرِ مطلق ہے۔

اب میرے خوں نابۂ زخمِ دل کی روانی اور قلم کی خونابہ فشانی دیکھیے۔ تبصرۂ مندرجہ حاشیۂ "ساطعِ برہان" کے حق میں کیا فرماتے ہو، اور اس فقرۂ اخیر کو "باز در نشیبِ رکاکت سر انداختند" کس کا لکھا بتاتے ہو؟ سنو فخر الفضلا و ختم العلما، امیر الدولہ مولوی محمد فضلِ حق رحمۃ اللہ علیہ نے ردِ تقاعُدِ وہابیہ میں بزبانِ فارسی ایک رسالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علما کی اُس پر مہریں ہیں۔ اُس رسالے میں جنابِ مولوی صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوتِ مجامعت بہت تھی، حالانکہ یہ امرِ واقعی ہے، یا کہے کہ آپ کی ردا میلی ہے، اگرچہ اس وقت میں ہو، لیکن یوں کہ ایک گونہ سوءِ ادب اور اہانت ہے۔ حاکمِ اہلِ اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہلِ شہر پر عزلِ حاکم واجب ہے اور اگر اہلِ شہر ایسا نہ کریں تو وہ شہر دار الحرب ہے، پس بموجبِ فتویِ علمائے اسلام فقرۂ مذکور کا لکھنے والا کفر میں شدّاد سے اشد اور کذب میں مسیلمۂ کذاب سے سوا ہے۔ خیر عقبیٰ میں وہ خالق کا مقہور اور دنیا میں خلق کا مطعون ہوگا، مجھ کو کیا ہے۔!

مجھے تم پر ہنسی آتی ہے۔ بعضی بات سمجھی نہیں جاتی ہے۔ خاقانی روح کو "آبدست دہِ مجاورانِ حرم" کہتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ خاقانی "دستاب دہ" اسمِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے۔ مولوی امام بخش نے تم کو بہت کچھ پڑھایا مگر طریقۂ استنباطِ معنی نہ بتایا۔ میرے حق میں جو کہتے ہو، خود بھی نہیں سمجھتے کہ کیا کہتے ہو۔ میں نے اس کے سوا کہ "خاقانی بطریقِ تنزل گفتہ است" اور کیا کہا ہے جو مجھے بُرا کہتے ہو؟ وہ بھی ذکرِ شیرِ شرزۂ غاب "میں نہ دستاب دہ" کے باب میں اُس نے جنابِ امیر المومنین کے واسطے ایک لفظ "سہل" سرسری لکھا، میں نے قبول نہ کیا، اور اُس کے قول کا تنزل ظاہر کر دیا۔ اُن حضرت کو اُس نے "آبدہ دست" یا "دستاب دہ" کہاں لکھا اور کیوں لکھتا۔ نہ احمق تھا نہ بے ادب۔ جب اُس نے نہیں لکھا تو میں اُس سے کیوں اُلجھوں اور کب اُلجھا؟ نہ کج فہم ہوں، نہ مغلوب الغضب۔

"آبدہ دست" کے پردے کھل گئے۔ بے اضافہ لفظِ آخر دست بہ معنی مسند نہ آئے گا، "آبدہ دست" ہاتھ دُھلانے والا کہلائے گا۔ ہاں ایک طور ہے، تم نے اس کو اور طور سے لکھا ہے۔ میں بطریقِ ابلغ و احسن لکھتا ہوں۔ یعنی تخت اور اورنگ سلاطین کے جلوس

کے واسطے اور وسادہ و مسندِ اُمرا کے جلوس کے واسطے موضوع ہے۔ نظر اس اصل پر، سلطان کو زیب افزاے اور رنگ بے اضافۂ لفظ سلطنت اور امیر کو زینت بخشِ مسند بے افزائش لفظِ امارت لکھو۔ انبیا، خصوصاً سیّد الأنبیا مسند پر کب بیٹھتے تھے۔ اُن کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمۂ الفقرُ فخری، بلند آہنگ ہے۔ میرے خداوند کا فرش حصیر، نمد گلیم، رداے صحابہ سطحِ خاک؛ میں مومن مجرم اپنے اُس خداوند کو جس کی شان میں یہ مصرع اگرچہ مدحِ مجمل ہے:

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

لیکن، قولِ فیصل ہے۔ "آبدہ دست" و "زینت بخشِ مسند" کیوں کر سمجھوں؟ بلکہ مجموع اہلِ اسلام، بشرطِ فہمِ صحیح و طبعِ سلیم، گوارا نہ کریں گے کہ وہ صفتِ عام جو دنیا داروں کے واسطے ہے، قبلۂ دین و دنیا پر صادق آئی۔ دکنی اور اُس کے فُضلہ خوار قابلِ خطاب نہیں، ایہا الأخ المکرّم فضلہ خوار، جواب ہے "پس گردانِ جناب" کا، یہ کلمہ مُستوجبِ عتاب نہیں۔ یقین ہے کہ آپ نے اب تو ازروے دلالتِ لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیرِ حقیر کو نظر بقومیتِ ترک، و بیشۂ آبائی سپاہ گری عَــسسُ المحقّقین خطاب دیا ہوگا۔ جاننا اس امر کا کہ "آبدہ دست" میں اگر آب سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد لیں، تو اس کو اسمِ پیمبر سمجھنا کتنی بے ادبی ہے اور اگر آپ کو یہ معنی رونق اور دست کو بہ معنیِ مسند مانیں تو بے اِلحاقِ لفظِ نبوّت و ہدایت حضرت کو اس ترکیب کا مشارٌ الیہ سمجھنا کیسی بلبعجبی ہے۔ "آبدہ دست" و "رونق بخشِ مسند" صفت ہے عموماً منعمانِ مالدار کی، یہاں تک کہ اصطلاح سے تعریف کر سکتے ہیں۔ صرّافان و ساہو کارانِ بلاد و اُمصار کی۔

مَیں اب قطعِ کلام کرتا ہوں، اور آپ کو بکمالِ تعظیم سلام کرتا ہوں۔ پیمبر کی تحقیر کو مسلّم رکھتے ہو، تم جانو اور سیّدِ ابرار۔ خاقانی پر بہتان کرتے ہو، تم جانو، اور وہ میدانِ معنی کا شہسوار۔ مجھ کو جس قدر تم نے لکھا ہے، یا کوئی اور لکھ رہا ہے اگرچہ وہ سب لغو اور جھوٹ ہے، معقول اور راست نہیں، لیکن واللہ، مجھ کو عرصۂ محشر میں اُس کی باز خواست نہیں:

۱۳۸۸

زمینِ عشق بگوئیں صلحِ کل کردیم
تو خصم باش و زما دوستی تماشا کن

قاضی عبدالجمیل جنونؔ بریلوی

(۱)

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام، عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت مجھ کو ذریعۂ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامے آپ کے اوقاتِ مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیے اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیلی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج نہیں، لیکن با ایں ہمہ اس کے پڑھنے میں بہت تکلف پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جگہ اصلاح کی باقی نہیں۔ چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تا کہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا اور معہذا میرا اندیشہ آپ کو بدیہی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دی جائے۔

واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجیے اس میں بین الافراد و بین المصرعین فاصلہ زیادہ چھوڑیے۔ اب کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے، حروف اس کے روشن ہیں مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم۔ آپ کی خاطر سے رنجِ کتابت اٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو اس ورق پر بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا، اس سے مقابلہ کر کر معلوم کر لیجیے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کون سی بیت موقوف ہوئی؟

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعے میں شہزادگانِ تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعِ طرحی کو کیا کیجیے گا اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا۔ میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے، اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے، ابھی نہ ہو، اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام۔

۱۸۵۴ء ۲

اسداللہ

اِن دونوں مصرعوں میں سے جو مصرع چاہیے رکھیے۔

جی میں ہے باغ کے گلگشت کو جایا کیجے

جی میں آتا ہے کہ گلزار کو جایا کیجے
جامِ مے تربتِ بلبل پہ چڑھایا کیجے
گر تمھیں سوگ ہی رکھنا ہے عدو کا منظور
مِسّی موقوف سہی، پان تو کھایا کیجے
گرم کیوں ہوتے ہو اغیار کے آگے مجھ پر
آگ میں ڈالیے پر یوں نہ جلایا کیجے
تاب و طاقت نے دیا فرقتِ جاناں میں جواب
بارِ غم، ناز نہیں ہے کہ اُٹھایا کیجے
گر ہم آئے تو غضب کیا ہے بُرا کیوں کہیے
یہی کہیے کہ مرے پاس نہ آیا کیجے
مدّعا کیا ہے ہمارے دل و دیں سے تم کو
بات کو حضرتِ ناصح نہ بڑھایا کیجے
تھا جنوں بھی کوئی روزوں میں تمھارا ہم راز
گاہ گاہے خبر اُس کی بھی منگایا کیجے

ولہ

اب تو محفل سے وہ اپنی کم اُٹھاتا ہے مجھے
بیٹھ کر غیر کے پہلو میں جلاتا ہے مجھے
مرحبا طالعِ بیدار کہ تنہائی میں
بسترِ خواب پہ وہ شوخ بلاتا ہے مجھے

(۲)

قبلہ !

آپ کو خط کے پہنچنے میں تردد کیوں ہوتا ہے ؟ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے

آتے ہیں۔ گاہ گاہ انگریزی بھی، اور ڈاک کے ہرکارے میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے۔ وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے۔ محلّہ بھی ضرور نہیں۔ آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے رہے اور مجھ کو بلّی ماروں میں خط پہنچتا رہا۔

یہ اب کے آپ نے حکیم کالے کا نام کیسا لکھا ہے؟ اس غریب کو تو شہر میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ خط آپ کا کوئی تلف نہ ہوا، جو آپ نے بھیجا وہ مجھ کو پہنچا۔ جواب کے لکھنے میں جو میری طرف سے قصور واقع ہوتا ہے، اُس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت مہینا بھر میں نو پتے لکھتے ہیں۔ میں کہاں تک یاد رکھا کروں؟ ایک مکان ہو تو اُس کو لکھ رکھوں۔ دوسرا سبب یہ کہ شوقیہ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں اور کیا لکھوں؟ میں نے آئینِ نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو تو کیا لکھوں؟

اب کے آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے۔ ایک تو وہ رباعی جو آپ نے اس ننگِ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے۔ اُس کا جواب بندگی ہے اور کورنش اور آداب۔ دوسرا مدّعا خط کے نہ پہنچنے کا وسوسہ، اُس کا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب مولوی اللہ یار خاں صاحب کا میرے ہاں آنا اور میرا اُس وقت مکان پر موجود نہ ہونا۔ واللہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہیے گا۔ اور میرا ملال اُن سے بیان کیجیے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعے کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اوّل روز آئے ہوں گے۔ جب میں سوار ہو جاتا ہوں۔ تب بھی دو چار آدمی مکان پر ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھتے، حقہ پیتے۔ میں اگر قلعے جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں؟

نگاشتۂ سہ شنبہ، نہم ربیع الاوّل ۱۲۷۲ھ

مطابق ۲۰ نومبر ۱۸۵۵ء — از اسد

(۴)

[illegible]

پیر و مرشد !

فقیر ہمیشہ آپ کی خدمت گزاری میں حاضر اور غیر قاصر رہا ہے جو حکم آپ کا ہوتا ہے، اُس کو بجا لاتا ہوں مگر معدوم کو موجود کرنا میری وسعِ قدرت سے باہر ہے اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ و ردیف لکھا ہے، میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اُس زمین کا شعر سن کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ ہر چند میں نے خیال کیا، اس زمین میں میری کوئی غزل نہیں۔ دیوانِ ریختہ چھاپے کا یہاں کہیں نہیں ہے۔ اپنے حافظے پر اعتماد نہ کر کر اُس کو بھی دیکھا۔ وہ غزل نہ نکلی۔ سنیے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر لوگ پڑھ دیتے ہیں۔ چناں چہ انھیں دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرے سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجیے:

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

میں نے کہا کہ لا حول و لا قوۃ۔ اگر یہ کلام میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسی طرح زمانۂ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا:

اسدؔ اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر، شاباش رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب، جس بزرگ کا یہ مطلع ہے، اُس پر بہ قول اُس کے خدا کی رحمت، اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ "اسد" اور "شیر" اور "بت" اور "خدا" اور "جفا" اور "وفا" یہ میری طرزِ گفتار نہیں ہے۔ بھلا ان دو شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے، وہ شعر میرا کیوں کر سمجھا گیا؟ واللہ، باللہ وہ شعر "خدنگ"، "رنگ" کے قافیے کا میرا نہیں ہے۔

والسّلام۔

مرسلہ جمعہ ۲۵ ماہِ صیام ۱۲۷۵ھ
۲۹ ماہ اپریل (سالِ حال) ۱۸۵۹ء

غالب

(۴)

[illegible]

سخن نے طرح بسکون راء قرنت بمعنی قریب ہے لیکن [illegible] یہ لفظ [illegible]
وہ دوسرا لغت ہے طرح بہ حرکت راء قرنت بروزن فرح اور سکون [illegible]
تو گویا عوام کا منطق ہے معاذ اللہ اگر تقریر میں [illegible] یعنی سکون [illegible]
[illegible]
یعنی روش و طرز طرح ہے [illegible]
[illegible]
آواز خوش [illegible] بلبل کو ہزار داستان کہتے ہیں [illegible]
[illegible] صحیح ہزار داستان ہے یعنی بہت طرح کی آوازیں بولتا ہے ۱۲

جناب مولوی احمد حسن صاحب عرشی کو میرا سلام پہنچے یکشنبہ ۲۸ اگست ۱۲

غالب

ببریلی محکمہ منصفی　　[illegible]　　یکشنبہ ۲۸ ماہ اگست

بخدمت فیض درجت مخدوم مکرم مظہر لطف و کرم جناب قاضی عبد الجمیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مرسل شود

حضرت !

کیا ارشاد ہوتا ہے ؟ آگے اس سے جو آپ کے اشعار آئے تھے، وہ دو دن کے بعد اصلاح دے کر بھیج دیے۔ خط ڈاک میں تلف ہو جائے تو میرا کیا گناہ ؟ آج آپ کا یہ خط صبح کو آیا، میں نے آج ہی دوپہر کو دیکھ کر لفافہ کر کر ڈاک میں بھجوا دیا، اب پہنچے یا نہ پہنچے۔

دو باتیں سنیے " طرح " بہ سکونِ رائے قرشت بمعنی " فریب " ہے۔ لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں۔ وہ دوسرا لغت ہے " طرح " بہ حرکتِ رائے قرشت، بروزنِ " فرح " اُس کو بہ سکونِ رائے مہملہ بولنا عوام کا منطق ہے[1]۔ معاذ اللہ : اگر تقریر میں اس طرح یعنی بہ سکون بولوں، تو زبان اپنی کاٹ ڈالوں، چہ جائے آں کہ نظم میں لاؤں۔ ہاں غزل " طرح[2] " کی زمین " طارح " کی یہ بہ سکون ہے اور بہ معنی " روش و طرز " " طرح " ہے۔ بہ فتحتین۔ (دستاں ....[3].) افسانہ نہیں " دستان " کے تین معنی : ایک تو رستم کے[4] باپ کا نام اور وہ علم[5] ہے۔ دوسرے[6] .... تیسرے " آوازِ خوش " اور یہ جو بلبل کو " ہزار داستاں " کہتے ہیں۔ سوقی اور فرومایہ (لوگ کہتے) ہیں۔ صحیح " ہزار دستان " ہے یعنی بہت طرح کی آوازیں بولتا ہے۔

جناب مولوی احمد حسن صاحب عرشی کو میرا سلام پہنچے۔

یکشنبہ ۲۸ اگست ۱۸۵۹ء[7]

(۵)

صاحب!

وہ خط جس میں اشعار سیّد مظلوم کے تھے، مجھ کو پہنچا اور میں نے اُس خط کا جواب تم کو بھیجا اور ذکر اشعار قلم انداز کیا۔ فارسی کیا لکھوں؟ یہاں تر کی تمام ہے۔ اخوان و احباب یا مقتول یا مفقود الخبر، ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں۔ آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں۔ اس سے قطعِ نظر کہ تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پر کھڑا ہے، پا بہ رکاب ہوں۔

"طرح" بالفتح بہ معنیِ "نمونہ" اور بہ معنیِ "فریب"، سچ لیکن "طرح" بہ فتحتین اور چیز ہے۔ غیاث الدین رام پور میں ایک ملّائے مکتبی تھا، ناقلِ ناعاقل۔ جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہوگا، اُس کا فنِ لغت میں کیا فرجام ہوگا؟

کیستم من کہ تا ابد بزیم

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ! یہ مصرع میرا نہیں۔ "تا ابد بزیم" یہ فارسی لالہ قتیل کی ہے۔ میرا قطعہ یہ ہے:

قطعہ

کیستم من کہ جاوداں باشم\
چوں نظیری نماند و طالب مُرد\
ور بگویند در کدامیں سال\
مُرد غالب؟ بگو کہ "غالب مُرد"

یہ مادۂ تاریخِ وفات از روے نجوم نہیں، بلکہ از روے کشف ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

پنجشنبہ ۸ ستمبر ۱۸۵۹ء

غالب

(۶)

حضرت!

بہت دنوں میں آپ نے مجھ کو یاد کیا۔ سالِ گذشتہ اِن دنوں میں، میں رام پور تھا۔

مارچ ۱۸۶۰ء میں یہاں آگیا ہوں، اب یہیں ہوں اور یہیں میں نے آپ کا خط پایا ہے۔
آپ نے سرنامے پر رام پور کا نام ناحق لکھا؟

حق تعالیٰ والیِ رام پور کو صد و سی سال سلامت رکھے۔ اُن کا عطیہ ماہ بہ ماہ مجھ کو پہنچتا ہے۔ کرم گستری و اُستاد پروری کر رہے ہیں۔ میرے رنجِ سفر اٹھانے کی اور رام پور جانے کی حاجت نہیں۔

مولوی احمد حسن عرشی کے فراق کو میں نہیں سمجھا کہ کیوں واقع ہوا۔ بلکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ اور وہ یکجا کہاں تھے اور کب تھے؟ خلیفہ حسین علی صاحب رام پور میں مجھ سے ملے ہوں گے، مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے۔ حافظہ گویا نہ رہا۔ شامّہ ضعیف، سامعہ باطل، باصرہ میں نقصان نہیں، البتہ حدت کچھ کم ہو گئی ہے۔

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

بہ ہر حال چوں کہ میں دلی ہوں اور وہ رام پور گئے ہیں۔ تو البتہ وہ آپ کے پیام جو اُن کی زبان کے محوّل تھے، بہ دستور اُن کی تحویل میں رہے اور مجھ تک نہ پہنچے۔ یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ نہ اشخاص باقی، نہ امکنہ۔ کتاب فروشوں سے کہہ دوں گا، اگر میری نظم و نثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آجائے گا تو وہ مول لے کر خدمتِ عالی میں بھیج دیا جائے گا:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت

ایک دوست کے پاس بقیۃ النہیب والغارۃ کچھ میرا کلام موجود ہے۔ اُس سے یہ غزل لکھوا کر صبح یہ بھیج دوں گا۔

دلی میں ایک حکیم تھے، اُن کا نصر اللہ خاں نام تھا۔ وہ مر گئے۔ اس نام کا وکیلِ عدالت دیوانی کبھی میں نے دلی میں نہیں سنا۔ کیسا ڈیرہ پور، کیسا کان پور؛ اب میں کس سے پوچھتا پھروں کہ نصر اللہ خاں کے تم آشنا ہو یا نہیں؟ جب حضرت کو اُن کا مسکن مع عہدہ معلوم ہے تو پھر اُن کے احباب کو کیوں ڈھونڈتے ہو؟

غزلیں بعد اصلاح کے پہنچتی ہیں۔

نجات کا طالب غالبؔ

"ننگے پاؤں" واؤ کے ضمے کو اِشباع کیسا؟ یہ تو ترجمہ "پابم" کا ہے اور پھر پاؤں کی یہ املا غلط "پانو" "گانو" "چھانو"

"گھسیٹے گا" نون کیسا؟ گھسیٹے گا اس کی املا یوں ہے۔

فروری۔ مارچ ۱۸۶۱ء

(۷)

جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔ عنایت نامے کے ورود نے شادماں کیا، مگر اُمورِ مبہمہ، جو نگارش پذیر تھے، انھوں نے حیران کیا۔ ابہام کی توضیح اور اجمال کی تفصیل کا مشتاق ہوں۔ آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا؟ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے خصوصاً جب کہ بہ ذاتِ خود حادث ہو؟ حضرت اب کے سال ہر جگہ آم کم ہے اور جو کچھ ہے وہ خشک اور بے مزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو؟ نہ مہاوٹ نہ برسات۔ دریا پایاب ہو گئے۔ کنویں سوکھ گئے۔ اثمار میں طراوت کہاں سے ہو؟ جناب اس کا خیال نہ فرماویں۔ اپنے کشف کو غلط کر دوں گا۔ برشگالِ آئندہ تک جیوں گا۔ آپ کے مو ہبی آم کھاؤں گا

سی ام جون ۱۸۶۱ء

جواب کا طالب غالبؔ

(۸)

..... سلامت۔

یہ عہدہ آپ کو مبارک ہو اور مجھ کو اسی طرح صدر الصدوری کے منصب کی مبارک باد لکھنی نصیب ہو۔ غزلیں دیکھ کر بھیجتا ہوں۔ اب کے اصلاح کی حاجت کم پڑی۔

"بردہ" "رفتہ" یہ جتنے الفاظ ہیں ان میں یائے تحتانی نہیں لکھتے۔ بس وہی ہائے مختفی متحرک رہتی ہے۔ پس اگر وہ ساکن ہے تو تو "رفتہ" "بردہ" اس صورت پر رہے گی۔

اور اگر اُس کو حرکت لازم آئے تو علامتِ حرکت ہمزہ لکھ دیا جائے گا۔ "رفتۂ" "آمدۂ" اور ان مفعول کے سب صیغوں کا یہی حال ہے۔

یاں کا شعر کاٹ ڈالا، وجہ یہ کہ پہلے تو میں "یاں" کا نون بے اعلان بروزن "آں" پسند نہیں کرتا!.....

(۹)

جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی تفقد نامہ مرقومہ ۲۱ ستمبر میں نے پایا حضرت

کے سلامتِ حال پر خدا کا شکر بجا لایا کوئی محکمہ تخفیف میں آیا کوئی گیا نو

متبدل ہوئے آپکا عہدہ آپکو مبارک آپ کا کام تنخواہ سلامت

لازمہ جو اپنے ابنائے حال کا اس محکمہ میں وکیل ہونگا آپکو لکھتا ہے

البتہ بجا ہے جب آپ ظاہر کر چکے ہیں تو اب اسکا اندیشہ کیا ہے حاکم

سمجھ لیگا وہ وکیل ہیں محکمہ منصفی میں نہ رہینگے محکمہ صدر امینی و

سشن جج میں کام کرینگے میں نہ تندرست ہوں نہ رنجور ہوں زندہ ہوں

ہوں دیکھیں کب بلاتے ہیں اور جب تک جیتا رہوں اور کیا دیکھتا ہوں

والسلام بہ الوف الاحترام نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۱ عیسوی

جنابِ مخدوم مکرم کو میری بندگی۔

تفقّد نامۂ مرقومۂ ۲۱ ستمبر میں نے پایا۔ حضرت کے سلامتِ حال پر خدا کا شکر بجا لایا۔

کوئی محکمہ تخفیف میں آئے، کوئی گاؤں مثلاً لٹ جائے، آپ کا عہدہ آپ کو مبارک، آپ کا دولت خانہ سلامت، ہاں وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمے میں وکیل ہونے کا آپ کو کھٹکا ہے، البتہ بجا ہے۔ جب آپ ظاہر کر چکے ہیں تو اب اُس کا اندیشہ کیا ہے؟ حاکم سمجھ لے گا۔ وہ وکیل ہیں، محکمۂ منصفی میں نہ رہیں گے۔ محکمۂ صدر امین و سشن جج میں کام کریں گے۔

میں نہ تندرست ہوں، نہ رنجور ہوں، زندہ بہ دستور ہوں۔ دیکھیے کب بلاتے ہیں! اور جب تک جیتا رہوں اور کیا دکھاتے ہیں؟ والسلام بہ الوف الاحترام۔

یکشنبہ ۲۹ ستمبر ۱۸۶۱ء   نجات کا طالب غالب[۱۲]

(۱۰)

از اسد بندگی برسد۔ حضرت، یہ غزل قطعہ بند ہے، پس خطاب مطلع میں چاہیے۔ مطلعے دو دو لکھنے، یہ ایجاد ریختہ والوں کا ہے۔

جناب مولوی اساس الدین صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔

(۱۱)

"اے مشفق من" نامربوط اور قبیح "ٹکسال باہر" اس شعر کو دُور کرو۔ اور اگر کوئی اور شعر ہاتھ نہ آئے اور اسی کو رکھنا چاہو تو یوں رکھو:

گالیاں دیتے ہو کیوں مشفقِ من، خیر تو ہے![۱]

غالب

(۱۲)

آداب عرض کرتا ہوں اور چاروں غزلیں دیکھ کر جا بہ جا حک و اصلاح کر کر بھیجتا ہوں۔

اسد   اسد

(۱۳)

خستہ کام و اندیشہ کام دونوں لفظ

ٹکسال باہر ہیں!   کام دو شکستہ کام د

اور تشنہ کام اور ترکیب ہے
تالو کے ہے نہ بمعنی مقصد و مدعا ہے
کاغذ لفافے میں اس طرح لپیٹا کیجیے کہ کھلنے کی
جگہ باقی رہے

"خستہ کام و اندیشہ کام" دونوں لفظ ٹکسال باہر ہیں۔ ہاں "ناکام" اور "دشمن کام" و "دوست کام" لکھتے ہیں اور "تشنہ کام" اور ترکیب ہے۔ کام بہ معنی "تالو" کے ہے نہ بہ معنی "مقصد" و "مدعا" کاغذ لفافے میں اس طرح لپیٹا کیجیے کہ کھلنے کی جگہ باقی رہے!

(۱۴)

"تڑپھنا" ترجمہ "تپیدن" کا املا یوں ہے، نہ "تڑپنا" بائے فارسی اور نون کے درمیان ہائے مخلوط التلفظ ضرور ہے۔

معشوق کو "صاحب" لکھنا چاہیے نہ کہ "حضرت" اور جو ایک دو جگہ اصلاح ہے، اُس کی توضیح کی حاجت نہیں۔ فارسی غزل، خیر اگر آپ کا جی چاہے تو رہنے دیجے۔ جس طرح اُس میں کہیں سقم نہیں، اسی طرح لطف بھی نہیں۔

نجات کا طالب   غالب

(۱۵)

"زبیر ونِ خانہ" کا لفظ خلاف روزمرہ۔ علاوہ اس کے یہ احتمال ہوتا ہے کہ مگر خود اُس شخص کے گھر میں دخلِ غیر ہے۔

(۱۶)

جناب مولوی صاحب!

آپ کے دونوں خط پہنچے۔ میں زندہ ہوں لیکن نیم مُردہ۔ آٹھ پہر پڑا رہتا ہوں۔ اصل صاحبِ فراش میں ہوں۔ بیس بیس دن سے پاؤں پر ورم ہوگیا ہے۔ کفِ پا و پشتِ پا سے

نوبت گزر کر پنڈلی تک آماس ہے۔ جوتے میں پاؤں سماتا نہیں۔ بول و براز کے واسطے اُٹھنا دشوار۔ یہ سب باتیں ایک طرف، درد محلّلِ روح ہے۔ ۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کے واسطے تھا مگر اس تین برس میں ہر روز مرگِ نَو کا مزہ چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں۔ پھر میں کیوں جیتا ہوں؟ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی شغل، کوئی اختلاط، کوئی جلسہ، کوئی مجمع پسند نہیں۔ کتاب سے نفرت، شعر سے نفرت، جسم سے نفرت، روح سے نفرت، یہ جو کچھ لکھا ہے، بے مبالغہ اور بیانِ واقع ہے۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم

ایسے مخمصے میں اگر تحریرِ جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں۔

صبح جمعہ، یکم محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۹ جون ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالب

(۱۷)

جناب قاضی صاحب کو میری بندگی پہنچے کمری مولوی غلام غوث خاں بہادر منشی
کا قول سچ ہے اب کیا تندرست ہوں پھوڑا پھنسی زخم جراحت
کہیں نہیں مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر
نہو برس دن صاحب فراش رہا ہوں ستتر برس کی عمر جتنا خون بدن میں
تو بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا سن نمو
کہاں جواب پھر تولید دم صالح ہو بہر حال زندہ ہوں

اور ناتوان اور آپ کی پرسشہای دوستانہ کا ممنون احسان
والسلام مع الاکرام نجات کا طالب غالب
دوشنبہ ۱۸ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۰ مطابق ۳۰ نومبر سنہ ۱۸۶۳

جناب قاضی صاحب کو میری بندگی پہنچے۔

مکرمی مولوی غلام غوث خاں بہادر میر منشی کا قول سچ ہے۔ اب میں[1] تندرست ہوں۔ پھوڑا پھنسی، زخم جراحت کہیں نہیں، مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ۔ ضعف کیوں کر نہ ہو۔ برس دن صاحبِ فراش رہا ہوں۔ ستر برس کی عمر۔ جتنا خون بدن میں تھا[2] بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا۔ سنِ نمو کہاں جو اب پھر تولیدِ دم صالح ہو؟ بہ ہر حال زندہ ہوں اور ناتواں اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنونِ احساں۔ والسلام مع الاکرام[3]۔

دوشنبہ، ۱۸ جمادی الثانی ۱۲۸۰ھ

مطابق ۳۰ ام نومبر ۱۸۶۳ء[4]   نجات کا طالب غالب[12]

(۱۸)

قبلہ!

مجھے کیوں شرمندہ کیا؟ میں اس ثنا و دعا کے قابل نہیں۔ مگر اچھوں کا شیوہ ہے بُروں کو اچھا کہنا۔ اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجا لاتا ہوں۔

سہ شنبہ، ۱۵ دسمبر ۱۸۶۳ء   نجات کا طالب غالب

(۱۹)

جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی۔ اگر مجھ میں قوتِ ناطقہ بہ
تعریف شاعر رہا ہوتا تو قصیدہ کی تعریف ہی ایک قطعہ اور حضرت کی
مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ ہم جو ہیں شائستہ مدح نہیں

تو یہ ستائش راجع آپ کی طرف ہوگی گویا یہ قصیدہ آپ ہی کی
مدح میں ہے ۱۲
میں اب رنجور نہیں تندرست ہوں مگر بوڑھا ہوں جو کچھ طاقت
باقی تھی وہ اس ابتلا میں زائل ہو گئی اب ایک جسم بے روح
متحرک ہوں ۔ یکے مردہ شخصم بمردے رواں اس مہینے یعنی
رجب ۱۲۸۰ سے ستروان برس شروع ہے اور اسقام و آلام کا شروع
ہے لا موجود الا اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ
نجات کا طالب غالب ۱۲ بست و ہفتم رجب و ہفتم جنوری

جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدے کی بندگی۔ اگر مجھے قوتِ ناظمہ پر تصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدے کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ جو میں شائستۂ مدح نہیں تو یہ ستائش راجع آپ کی طرف ہوگی۔ گویا یہ قصیدہ آپ ہی کی مدح میں ہے۔ میں اب رنجور نہیں، تندرست ہوں مگر بوڑھا ہوں، جو کچھ طاقت باقی تھی وہ اس ابتلا میں زائل ہوگئی۔ اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں۔

یکے مردہ شخصم بمردے رواں

اس مہینے یعنی رجب ۱۲۸۰ھ سے سترھواں برس شروع ہوا اور اسقام و آلام کا شروع ہے۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ وَلَا مُؤَثِّرَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللہ۔

بست و ہفتم رجب ۱۲۸۰ھ و
ہفتم جنوری ۱۸۶۴ء

نجات کا طالب غالب

(۲۰)

~~مہ شوال کو کیا دیکھے جنونِ غمگیں~~

~~خنجرِ ناز نہیں، ابروئے خمدار نہیں~~

پیر و مرشد !

ماہ شوال کو خنجر و شمشیر سے کیا علاقہ؟ ہلالِ رمضان دیکھ کر تلوار کو دیکھتے ہیں اور ہلالِ شوال دیکھ کر سبز کپڑا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اشعار بہت ہیں، اُن میں سے کسی شعر کو مقطع کر دیجیے۔

ہفتم فروری ۱۸۶۴ء — غالب[۳]

(۲۱)

دشمنی پر جب کہ ہم سے یار ہے
پھر بھلا کیا شکوۂ اغیار ہے
خطِ شوقیہ لکھا ہے یار کو
سو جگہ مضمون کی تکرار ہے
دل لگا کر دل کہیں لگتا نہیں
عشق یارب کیا کوئی آزار ہے
وقتِ آخر میں ترے بیمار کی
کیا نگاہِ یاس حسرت بار ہے
دل لگایا تھا سمجھ کر دل لگی
اب تو کچھ جینے سے جی بیزار ہے
بل بے شوخی اُس نگاہِ ناز کی
ایک برچھی سی جگر کے پار ہے
حال کچھ کھلتا نہیں اس شوخ کا
آج جانے پر بہت اصرار ہے
بوسہ اس لب سے کبھی ملتا نہیں
عشق مزدوری نہیں بیگار ہے
یک نظر میں سینکڑوں ہوتے ہیں خوں
چشم کہنے کے لیے بیمار ہے
گلشنِ ہستی میں جی بہلا نہیں
گل کے پہلو میں کھٹکتا خار ہے

تجھ پہ واجب ہے عیادت شوخ چشم
لوگ کہتے ہیں جنوں بیمار ہے

حضرت، غزل سراسر ہموار و ذوق انگیز ہے۔ ایک شعر میں ایک لفظ بنایا گیا، ایک شعر کا پہلا مصرع بدل دیا گیا۔ مومن خاں کے اس مصرع میں تردد کیا ہے: تم سے دشمن کی مبارکباد کیا۔ "سے" بہ معنی "از" نہیں ہے بلکہ بہ معنی "مثل" و "مانند" ہے یعنی "چوں تو دشمن اگر تہنیت دہد بر آں چہ اعتبار؟"

وصل کے وعدے سے ہو دل شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

یعنی اگر تم نے کہا کہ لو مبارک ہو، کل ہم آئیں گے یا تمھیں بلائیں گے۔ ہم ایسے وعدے سے کیا خوش ہوں؟ تم جیسے دشمن کے مبارک باد دینے سے کیا ہوتا ہے؟"

۱۹ مارچ ۱۸۶۴ء
غالب"

(۲۲)

سہسوان کے صاحب اگر "قاطع برہان" کا جواب لکھتے ہیں۔ خدا اُن کو یہ توفیق دے کہ عبارت کے معنی سمجھ لیں، تب جواب لکھیں۔ والسلام

چہارم اپریل ۱۸۶۴ء

(۲۳)

حضرت سلامت!

میاں قدرت اللہ صاحب کا تردد بجا۔ "پیش از صبحِ صادق" نماز کیسی؟ یہ کاتبِ اوّل کی خوبی اور نقل کرنے والوں کی غفلت ہے۔ اصل فقرہ یوں ہے،

" خود بدولت پیش از صبحِ صادق برخاستہ بعد
بانگِ صلوٰۃ باجماعتِ فضلا نمازِ صبح ادا کردہ
بہ جھروکۂ درشن تشریف می آوردند"

حضرت نے بہ نفسِ نفیس بڑھا دیا اور "برخاستہ" کو بہ جبر اٹھا دیا۔ صبحِ صادق سے پہلے یعنی دو تین گھڑی رات رہے اٹھتے اور ضروریات سے فراغت کرتے۔ وضو کے مراسم بجا لاتے۔ جب موذن اذان دیتا، جماعت کی نماز پڑھتے۔ رفعِ حوائجِ ضروری کو "برخاستہ" کے بعد مقدر چھوڑ جانا بلاغت ہے۔ یعنی اُس وقت کے افعال بول و براز ہیں۔ اُن کا ذکر مکروہِ طبع ہے، عموماً اور بہ نسبتِ بادشاہ سوء ادب ہے خصوصاً۔ اور یہ جو فقیر بہ نفسِ نفیس کو غلط کہتا ہے، یہاں ایک دقیقہ ہے۔ یعنی بہت کام ایسے ہیں کہ آدمی آپ بھی کر سکتا ہے اور خادم سے بھی لے سکتا ہے۔ مثلاً چلم پر آگ دھرنا یا پائخانے میں لوٹا لے جانا۔ اور بہت کام ایسے ہیں کہ ہر شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا نیابتاً نہیں کر سکتا۔ مثلاً حقہ پینا یا پائخانے جانا، سونا، جاگنا، اُٹھنا، بیٹھنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ پس افعالِ مشترکہ میں

"بنفسِ نفیس" لکھ سکتے ہیں اور افعالِ مخصوصہ میں "بہ نفسِ نفیس" کی قید لغو اور پوچ اور مہمل ہے میں کروں کیا؟ فی الحال دودمانِ معنی کا وہ حال ہے جو ہندوستان کا غدر کے بعد ہوگیا۔ جُہلا جانتے نہیں، علما اعتنا نہیں کرتے۔ چھاپے کو توقیعِ الٰہی سمجھتے ہیں نسخہ مطبوعہ میں غلطی کا احتمال جائز نہیں رکھتے۔ کاپی نویس کے جُرم میں مصنف بے چارہ ماخوذ ہوتا ہے۔

۸ مئی ۱۸۶۴ء

داد کا طالب غالب

[۲] غضب ہے گر نہ سگِ در ترا قبول کرے
کہ سوزِ غم نے جلایا ہے استخواں میرا
کبھی ہے کعبے میں مذکور، گاہ دیر میں ذکر
ہوا ہے عشق میں چرچا کہاں کہاں میرا
جنوں نے جور کا شکوہ کیا تو کہتے ہیں
کہاں کو چھوڑ کے جاؤ گے آستاں میرا

(۲۴)

[۱] کہار کے حوالہ کرد

... کے پاس پہنچیں ...

بھئی بوڑھا اور ناتوان گویا نہیں جب رہ گیا
ایک کم ستر برس دنیا میں رہ کو کسے کام
دم نکلا نکلیا افسوس ہزار افسوس بچا
کا طالب
غالب

سہ شنبہ ۲۸ جون ۱۸۶۴ء

قبلہ!

ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے۔ دس قلمیں اور چھٹانک بھر بیا ہی کہار کے حوالے کر دی ہے۔ خدا کرے بہ حفاظت آپ کے پاس پہنچے۔ میں مریض نہیں ہوں۔ بوڑھا اور ناتواں، گویا نیم جاں رہ گیا۔ ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہ کیا۔ افسوس ہزار افسوس۔

سہ شنبہ ۲۸ جون ۱۸۶۴ء

نجات کا طالب غالب

(۲۵)

جناب عالی !

وہ غزل جو کہار لایا تھا وہاں پہنچی، جہاں اب میں جانے والا ہوں۔ یعنی عدم، مدعا یہ کہ گم ہو گئی !

گھات میں مدعا برآری کی
ہم نے غیروں کی غم گساری کی

تقدیم و تاخیرِ مصرعین کر کے رہنے دو۔ اس میں کوئی سُقم نہیں۔ "مدعا برآری" کا بھوں کا لفظ ہے۔ میں اس طرح کے الفاظ سے احتراز کرتا ہوں مگر چوں کہ من حیث المعنی یہ لفظ صحیح ہے، مضائقہ نہیں۔ "قطرۂ مے" الخ اس مطلع میں خیال ہے دقیق، مگر کوہ کندن و کاہ بر آوردن یعنی لطف زیادہ نہیں۔ قطرہ ٹپکنے میں بے اختیار ہے۔ بہ قدرِ یک مژہ برہم زدن ثبات و قرار ہے۔ حیرت ازالۂ حرکت کرتی ہے۔ قطرۂ مے افراطِ حیرت سے ٹپکنا بھول گیا۔ برابر برابر بوندیں جو تھم کر رہ گئیں تو پیالی کا خط بہ صورت اُس تاگے کے بن گیا جس میں موتی پروئے ہوں۔

"لیتا نہ اگر دل" الخ۔ یہ بہت لطیف تقریر ہے۔ "لیتا" کو ربط ہے "چین" سے "کرتا" مربوط ہے "آہ و فغاں" سے عربی میں تعقیدِ معنوی اور لفظی دونوں معیوب ہیں۔ فارسی

میں تعقیدِ معنوی عیب اور تعقیدِ لفظی جائز، بلکہ فصیح اور ملیح۔ ریختہ تقلید ہے فارسی کی۔ حاصلِ معنیِ مصرعین یہ کہ اگر دل تمھیں نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا، اگر نہ مرتا تو کوئی دن اور آہ و فغاں کرتا۔

"ملنا ترا اگر نہیں" الخ۔ یعنی اگر تیرا ملنا آسان نہیں تو یہ امر مجھ پر آسان ہے۔ خیر تیرا ملنا آسان نہیں، نہ سہی۔ نہ ہم مل سکیں گے۔ نہ کوئی اور مل سکے گا۔ مشکل تو یہ ہے کہ وہی تیرا ملنا دشوار بھی نہیں، یعنی جس سے تو چاہتا ہے، مل بھی سکتا ہے۔ ہجر کو تو ہم نے سہل سمجھ لیا تھا مگر رشک کو اپنے اوپر آسان نہیں کر سکتے۔

"حسن اور اس پہ" الخ۔ مولوی صاحب کیا لطیف معنی ہیں ؟ داد دینا حُسنِ عارض اور حُسنِ ظن، دو صفتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی صورت اچھی ہے۔ اور گمان اُس کا صحیح ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اُس کو بہ نسبت اپنے ہے کہ میرا مارا کبھی بچتا نہیں اور میرا تیرِ غمزہ خطا نہیں کرتا۔ پس جب اُس کو اپنے پر ایسا بھروسا ہے تو رقیب کا امتحان کیوں کرے؟ اس حسنِ ظن نے رقیب کی شرم رکھ لی، ورنہ یہاں معشوق نے مغالطہ کھایا تھا۔ رقیب عاشقِ صادق نہ تھا۔ ہوس ناک آدمی تھا۔ اگر پائے امتحان درمیاں آتا تو حقیقت کھل جاتی ہے۔[۱۸۷]

"تجھ سے تو کچھ" الخ۔ یہ مضمون کچھ آغاز چاہتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاصد کی ضرورت ہوئی، مگر کھٹکا یہ کہ قاصد کہیں معشوق پر عاشق نہ ہو جائے۔ ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو لایا۔ اور اُس نے عاشق سے کہا کہ یہ آدمی وضع دار اور معتمد علیہ ہے میں ضامن ہوں کہ یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اُس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ قضارا عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد مکتوب الیہ کو دیکھ کر والہ و شیفتہ ہو گیا۔ کیسا خط ؟ کیسا جواب ؟ دیوانہ بن، کپڑے پھاڑ جنگل کو چل دیا۔ اب عاشق اس واقعے کے وقوع کے بعد ندیم سے کہتا ہے کہ غیب داں تو خدا ہے، کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر۔ اے ندیم تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اگر نامہ بر کہیں مل جائے تو اس کو میرا سلام کہیو کہ کیوں صاحب، تم کیا کیا دعوے عاشق نہ ہونے کے کر گئے تھے۔ اور انجام کار کیا ہوا ؟[۱۸۸]

سی ام جون ۱۸۶۴ء — جواب کا طالب غالب

(۲۶)

کیا مخصوص بہرِ لود و باشِ یار جب اُس کو
کہی تاریخ سمت میں کہ "دولت خانۂ مخصوص"

دیگر

سرِ بازار یہ مکان دل چسپ
جس سے دل خوش ہوا ہے چنّی کا
اُس کی تاریخ یوں کہی میں نے
"کیا عجب خانۂ سرور بنا"

ایضاً

مکیں زہرہ ساں اور فلک سا مکان
نئی طرز ہے اور طرفہ بنا
سنِ عیسوی از سرِ اہتزاز
"یہ ہے چرخِ ثالث" فلک نے کہا

دیگر

دوستے ساخت مکان از پئے دوست
.. .. عیش و طربے
عرض کردم بہ سروش از پئے سال
بعد اندیشہ بہ ہنگامِ شبے
گفت بے روی الم ایں تاریخ
"خانۂ خوش" بہ طرازِ عجبے

دیگر

ان قدرت اللہ باہنر ایزد عطا کردش پسر
بادا بفضلِ ذوالمنن از عمر و دولت بہرہ ور

بودم بفکرِ سالِ او ناگہ سروشی از فلک
گفتا بہ سالِ مولدش برجِ سعادت را قمر

مصرعِ تاریخِ اختتامِ طبعِ دستنبو۔ طبعِ دستنبوئیہ دانش شدہ
۱۲۸۲ھ

پیر و مرشد!
نواب صاحب کا وظیفہ خوار، گویا اس در کا فقیرِ تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رام پور آیا۔ میں کہاں اور بریلی کہاں۔ ۱۳ اکتوبر کو یہاں پہنچا، بہ شرطِ حیات آخرِ دسمبر دہلی کو جاؤں گا۔ نمائش گاہِ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں! خود اس نمائش گاہ کی سیر سے، جس کو دنیا کہتے ہیں، دل بھر گیا۔ اب عالمِ بے رنگی کا مشتاق ہوں۔ لا اِلٰہَ اِلَّا اللہ، لاَ مَوجُودَ اِلَّا اللہ، لا مؤثرَ فی الوجودِ الا اللہ۔

سہ شنبہ ۷ نومبر ۱۸۶۵ء
نجات کا طالب غالب

(۲۷)

آداب بجا لاتا ہوں۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ غزلیں دیکھی گئیں۔ فقیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اسقام و اغلاط دیکھتا ہوں تو رفع کر دیتا ہوں اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں تو تصرف نہیں کرتا۔ پس قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی جگہ نہیں۔[۳]

(۲۸)

سبحان اللہ سرِ آغازِ فصل میں ایسے ثمرہائے بہشتی کا پہنچنا
نویدِ ہزار گونہ میمنت و شادمانی ہے۔ یہ ثمر رب النوعِ اثمار
ہے اس کی تعریف کیا کروں کلام اس باب میں کیا جا سکتا
منھ میں پانی بھر آیا اور ابھی اس کا آنکھ خیال۔ آیا مرودگا

سبحان اللہ! سرِ آغازِ فصل میں ایسے ثمر ہائے بیش رس کا پہنچنا نویدِ ہزار گونہ میمنت و شادمانی ہے۔ یہ ثمر رب النوع اثمار ہے۔ اس کی تعریف کیا کروں ہم کلام اس باب میں کیا چاہتا ہوں کہ میں یاد رہا۔ اور اہداء کا آپ کو خیال آیا۔ پروردگار آپ کو بایں ہمہ رواں پروری و کرم گستری و یاد آوری سلامت رکھے۔

جمعے کے دن ۸ جون کو دوپہر کے وقت کہار پہنچا اور اُسی وقت خط کا جواب لے کر اور آم کے دو ٹوکرے دے کر روانہ ہو گیا۔ یہاں سے اس کو حسب الحکم کچھ نہیں دلوایا گیا۔ خاطر عاطر جمع رہے۔

خوشنودی کا طالب۔ غالب

(۲۹)

غزل کے بھیجنے میں دیر لگی قصور معاف ہو، جو میرے عزیز بریلی میں وارد ہیں اور اُن سے آپ ملتے ہیں اُن کا نام آپ لکھیں تو کمال مہربانی ہو۔

غالب

(۳۰)

جناب مولوی صاحب کو فقیر اسد اللہ کا سلام

مرزا محمد رضا بیگ ماموں، مرزا جان کے پوتے اور مرزا حنیف بیگ کے بیٹے

اور میرے بھتیجے ہیں۔ مرزا وقار علی بیگ اکسٹرا اسسٹنٹ سے پوچھا چاہیے کہ مرزا علی جان بیگ مرحوم رئیسِ آگرہ اُن کے کون ہوتے تھے اور مرزا محمد علی بیگ جو لارڈ الن برا بہادر کے زمانے میں دلّی کے منصف ہوئے تھے، وہ مرزا وقار علی بیگ کے کون تھے؟ میں نے ان ماجان کو دیکھا نہیں، محمد علی بیگ کو دیکھا ہے۔ وہ ماموں مرزا علی جان بیگ مرحوم کے نواسے اور میرے بھانجے ہوتے تھے۔ پس اگر اکسٹرا اسسٹنٹ بہادر محمد علی بیگ کے بھائی ہیں تو وہ بھی میرے بھانجے ہیں۔

چہار شنبہ سی ویکم اکتوبر ۱۸۶۶ء　　　　غالب

محمد حبیب اللہ ذکا

(۱)

صاحب!

میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں۔ اپنا نورِ نظر و لختِ جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے کہ خود ضبطِ راز نہیں کر سکتا اور تم سے راز داری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں[۱]۔ قصیدہ و غزل میں صلہ و تحسین بہ اقتضائے بخت و قسمت ہے نہ بہ اندازۂ ارزشِ کلام[۲]۔ ممدوح سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا۔ اغنیا کو نہ مذاقِ شعر سے نسبت نہ مطالعۂ اشعار کی فرصت۔ متوسط نے بقدرِ وسع سلسلہ جنبانی کی لیکن مرجع نے نہ قدر دانی کی[۳]۔

مولوی غلام غوث خاں بے خبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مخلص خالص الاخلاص ہیں۔ ہرگز اُن کو مدعی سے تلمذ نہیں۔ البتہ اس کو خوش گو جانتے ہیں اور یہ کبھی نہ ہوگا کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور "قاطع برہان" کا جواب لکھیں۔ باطل است آنچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامی جیسا مفتی

کہاں سے لاؤں جو نیاؤ کرے اور کاذب کو سزا دے۔ شکر ہے خدا کا کہ تم سخنور اور سخنداں ہو اور یقین ہے کہ قلمروِ ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے کہ میرے اور مدعی کے رُتبے کو ممیز ہو سکیں گے۔

عیدست بادہ شد فلک وساغر آفتاب

خالصاً للہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے۔ اس کو کون مسلّم رکھے گا۔ اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے۔ یعنی مشبّہ اور مشبّہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے۔ آفتاب و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک میں وجہ تشبیہ کہاں؟

میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمھارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدردانی کیوں کر کہوں قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ اُستادانہ۔ جو خیال میں آئے گا کہا جائے گا۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذِ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے۔ ما کتب فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجموعۂ کلام سابق اگر نہ بھیج دو گے۔ میں بہ کمال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دوں گا۔ استجازت کیا ضرور؟

صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر ۱۲۸۰ھ ۳۰ جون ۱۸۶۳ء نجات کا طالب۔ غالب

(۲)

حضرت مولوی صاحب!

بیس برس دن سے بیمار اور تین مہینے سے صاحبِ فراش ہوں۔ اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار۔ پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضا پر دس جگہ پھائے لگتے ہیں۔ ضعف و ناتوانی علاوہ، سوزِ غم ہائے نہانی علاوہ۔

صنعتِ سہلِ ممتنع میں لیں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدر دانی نہ فرمائی
ردِّ فرقۂ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی، وہ محی الدولہ کو بھیجی رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا
ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگردِ قتیل وہاں کوسِ انا ولاغیری بجا رہے ہیں اور سخن
ناشناسوں کو اپنا زورِ طبع دکھا رہے ہیں۔ ایک کم ستر برس کی میری عمر ہوئی سوائے شہرتِ
خشک کے فنِ شعر کا کچھ پھل نہ پایا۔ فرماندہانِ عصر معتقد ہوئے مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ احسنت و
مرحبا کا شور سامعہ فرسا ہوا۔ خیر ستایش کا حق ستایش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے یہ بھی
نہ کیا۔ نہ مدح کی داد دی نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا سمجھے۔
محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے۔"

کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں۔ مصرع:

دیدیم گل و لالہ چہا رنگ بر آورد

فقیر کے نزدیک "دیدیم" زاید۔ اگر یوں ہو تو بہتر ہے۔ ہر یک زگل و لالہ ... الخ

باشد شفقے کاں بلب لعل تو ماند
گر چرخ بکام دلِ ما رنگ بر آورد

باشد مخلِ معنی ہے۔ اگر اس کی جگہ "آرد" ہو تو بہتر ہے۔ مگر آرد صیغہ مستقبل کا اور
"آورد" ماضی کا اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ۔ ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے مگر
فارسی گویانِ ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے۔

حاشا کہ شفق مثلِ لبِ لعل تو باشد
کے چرخ بکام دلِ ما رنگ بر آورد

ع خون شد دلِ غمدیدہ الخ

یہ شعر ہموار ہے نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج۔ ۴۔ اور ۵۔ یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے:

ع اے اہلِ ورع الخ

یہ بھی ہموار ہے نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح۔

گوئی کہ زباں در دہنم برگِ حنا بود

تا بوسہ زدم آن کفِ پا رنگ برآورد

مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں۔ زبان چاٹنے کا آلہ ہے نہ چومنے کا۔ زبان برگِ حنا بن گئی تو بوسے سے کفِ پا کیوں حنائی ہو جائے۔

گوئی دہنم لب ز رگِ برگِ حنا داشت

تا بوسہ زدم آن کفِ پا رنگ برآورد

مقطع اور اس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ اب آپ اس خط کی رسید لکھیے اور اس میں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھیے کہ ان کی وہاں کیا صورت ہے۔ ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ مختار الملک نے منہ نہ لگایا مگر محی الدولہ نے چار سو روپیہ مہینا سرکار جنابِ عالی سے مقرر کروا دیا ہے۔

روز چہار شنبہ۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ

مطابق ۲۶ اگست ۱۸۶۳ء

(۳)

مولانا!

ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں یہاں سے خط جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا، اس میں میں نے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خطِ جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمت آزادانہ، نہ فطرت گدایانہ اس تحریر کے آنے پر مصروف رکھی تھی۔ بارے وہ کل نظر فروز اور طبیعت اس کے مشاہدے سے طرب اندوز ہوئی۔ اب در رنگ ورزی کی تقصیر معاف کیجیے اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجیے۔

صاحب تاریخِ انطباعِ کلیات خوب لکھی ہے۔ مگر ہزار حیف کہ بعد از تمامِ انطباع

پہنچی، اور کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرور! تم چراغِ دودمانِ مہر و وفا اور منجملہ اخوان الصفا ہو۔ مجھ سے تمہیں محبت رُوحانی ہے۔ گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے طالب ہو۔ اس شیوے میں شریکِ غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول ہو، تاکہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ واقعۂ حال دل نشیں کرتا ہوں۔ جناب مولوی موید الدین خاں صاحب کے بزرگوں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت و صفوت مرعی تھی کہ وہ مقتضی اس کی ہوئی کہ ہم میں اور ان میں برادرانہ ارتباط و اختلاط باہم ہے اور ہمیشہ یوں ہی بلکہ روز افزوں رہے گا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانبِ حکام سے ممنوع ہے اگر یوں نہ ہوتا تو میں ان کے نام کا خط تمہارے خط میں ملفوف کر کے بھیجتا۔ ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور ان کو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں، اور میری طرف سے بعد سلام میرے کلیات کی پارسل کا اُن کے پاس اور اُن کے ذریعۂ عنایت سے اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار الملک بہادر کی نظر سے گزرنا اور جو کچھ اُس کے گزرنے کے بعد واقع ہو دریافت کر کے مجھ کو مطلع فرمائیں۔

غالب

جمعہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ

۲۵ ستمبر ۱۸۶۳ء

(۴)

بندہ پرور!

آج تمہارا عنایت نامہ آیا، اور آج ہی میں نے اس کا جواب ڈاک میں بھجوایا اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارھویں دن خط اور مہینا بیس دن میں پارسل پہنچے گا۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھیے گا۔ آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا اور

کب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل مؤیدالدین خاں کو دے دیجیے گا۔ پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولوی مؤیدالدین خاں صاحب سے ملیے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے، انھیں دکھایئے اور ان سے پارسل کا حال دریافت فرمایئے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصور کروں کہ اردو عبارت سے استنباطِ مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہ ہر حال اب مدعا سمجھ لیجیے اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمایئے اور پارسل کا حال معلوم کر کے لکھیے۔

۵ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۰ھ و نوزدہم اکتوبر سنہ ۱۸۶۳ء
روز ورودِ نامی نامہ

داد کا طالب غالب

(۵)

صاحب!

پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے۔ وہ فردیں خوب آ گیا ہے۔ مطلعِ ثانی بہ سبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ "ورنہ" کا قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بند ہو گیا۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا۔ جو شعر بے تصرف بہ دستور رہا، اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔

ساقی ابھی پہ چھنی ...... الخ

"چھنی" لفظ غریب ہے، نہ اہل دہلی کی زبان زد، نہ گوش زد۔ "غربال" کو "چھلنی" کہتے ہیں جس کی فارسی "پرویزن" ہے اور جس کپڑے میں سایلات کو چھانیں، فارسی اس کی "لاے پالا" اور اردو صافی ہے۔ بہ یاے معروف "برابر نہ ہوا تھا" یہ قافیہ دو طرح سے درست ہوا ہے۔ جس طرح سے چاہو رہنے دو۔ مرنے کا میرے وقت مقرر نہ ہوا تھا۔ تقررِ وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے مگر ہاں تقرر کا وقت ازل کو قرار دیا جائے۔ مقطع میری

پسند نہیں ہے۔ میرے سر کی قسم اس کو نہ رکھو اور مقطع لکھ لو۔"[۲]

شنبہ ۱۴ نومبر ۱۸۶۳ء غالب

(۶)

بندہ پرور![۳]

پرسوں مولوی صاحب کا خط آیا۔ ما کتب فیہ بسبیل نقل یہ .... (یہ جگہ چھوڑ دی ہے) آج مسودہ عرضداشت کا جو آپ نے مجھ کو بھیجا تھا، پیش گاہِ آقائے نامدار گزرانا اور اپنے نام کے خط کا بھی پیش کرنا مناسب جانا۔ بعد ملاحظے کے یوں ارشاد ہوا کہ "قصیدہ[۲] اور عرضداشت کی تفتیش اور تلاش کی جاوے جو دارالانشا میں ملے تو جواب لکھا جائے" یقین ہے کہ بعد گرد آوری کاغذات کے اگر عرضداشت مل گئی یا قصیدہ نکل گیا تو جواب ملے گا۔

اب میں بقول صائبؔ

درماندۂ کارِ خودم، حیرانِ اطوارِ خودم

ہر لحظہ دارد نیستی چو قرعۂ رمال ہا

یوں سمجھا ہوا تھا کہ نو لفافے جو علی التواتر یکے بعد دیگرے ارسال ہوئے ہیں، متواتر دارالانشا میں پہنچے اور منشی نے چاک کر کے پھینک دیے ہوں۔ مانا کہ یوں ہی ہوا۔ بشرطِ التفات مولانا میرا مطلب اس صورت میں بھی فوت نہیں ہوتا، یعنی مولوی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جو نذر اس کی میری معرفت گزری ہے، اس کے قبول ہونے کی عز اطلاع میں وہی لکھا جائے جو قصیدہ و عرضداشت کے گزارنے کے بعد لکھا جاتا۔ مولوی مؤید الدین صاحب جو حضرت کے مقرب اور اس حضرت میں میرے مقرب ہیں، یہ کلمہ موجز کہہ سکتے ہیں مگر میں اُن سے نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ نو کاغذ دفتر سے نکل کر

پیش ہوئے یا نہیں۔

آگے اس سے جس دن دیوان کا پارسل اور خط مولانا کو بھیجا ہے اُس کے دوسرے دن ایک پارسل اور ایک خط آپ کو میں نے بھیجا ہے۔ آج تک اس پارسل کی رسید میں نے نہیں پائی۔ سخت مشوش ہوں۔ اگر وہ پارسل پہنچ گیا ہے تو اس کی رسید لکھیے اور اگر نہیں پہنچا تو وہاں کے ڈاک گھر میں دریافت کیجیے اور میرے اس خط کا جواب لکھیے۔

نجات کا طالب غالب

ہاں خوب یاد آیا وہ قصیدہ بھی اس کلیات میں مطبوع ہو گیا ہے صفحہ ۲۴۶ سطر ۱۲۔ دفتر سے قصیدے کا کاغذ نکلنے کی صورت میں بھی قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزر سکتا ہے۔

صبح شنبہ ۱۶ جمادی الثانی، سالِ غفر والسلام مع الاکرام

۲۸ نومبر ۱۸۶۳ء

(۷)

بندہ پرور!

تمھارے دونوں خط پہنچے۔ غالبِ گسستہ دم، کوتہ قلم نہ لکھے تو یہ اور بات ہے۔ دونوں خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خاں کا بہ تقدیم و تاخیر دوسرے روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائے گا۔ خاں صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراقِ اصلاح بھیجے جائیں گے۔ اہاہاہا" محرق قاطع" کا تمھارے پاس پہنچنا ہے:

کامے کہ خواستم ز خدا شد میسرم

میں اس خرافات کا جواب کیا لکھتا؟ مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آگیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت میں اس کے عیوب ظاہر کیے۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے جُدا جُدا لکھے۔ دانا ہو اور منصف ہو۔ "محرق" کو دیکھ کر جانو گے کہ مؤلف اس کا احمق ہے اور جب

وہ احمق "دافعِ ہذیان" وسوالاتِ عبدالکریم اور "لطائفِ غیبی" کو پڑھ کر متنبہ نہ ہوا اور "محرق" کو ڈھونڈ ڈالا تو معلوم ہوا کہ بے حیا بھی ہے۔ "دافعِ ہذیان" "سوالاتِ ع" "لطائفِ غیبی" تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ بہ تقدیم وتاخیر یک دو روز نظرِ انور سے گزریں۔ فی الحال اس پارسل کی رسید بہ فور ورود لکھیے گا۔ جب آپ کا بھیجا ہوا نسخۂ مسترزہ پہنچے تو اس کی رسید رقم کی جائے گی۔ چار نسخے پارسل میں ہیں دو آپ لیجیے اور دو محمد نجیب خاں کو دیجیے۔

دوشنبہ ۲۸ نومبر ۱۸۶۶ء

غالب

(۸)

لے عنایت بہ عنایت ہم شکل۔ آپ کا خط حاوی حلِ شبہات جس دن پہنچا، اُس کے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے۔ دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمھاری رائے مسلّم رہی۔ باوجود فقدانِ حافظہ واستیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے۔ چہ غرّہ غرّہ پیشانیِ سمندِ عمر

بدل مصرع :— چہ غرّہ غرّہ پیشانی تکاورِ عمر

دوسرا تبدل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ "شب گرد گراں رکاب" کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے، بے واوِ عاطفہ کچھ تقدم وتاخر ہو گیا ہے!

صبح شنبہ ۳ ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ ۲

غالب

مطابق ۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء

(۹)

میرے مشفق، میرے شفیق!

مجھ سے ہیچ وپوچ کے ماننے والے، مجھ سے بُرے کو اچھا جاننے والے، میرے

محب، میرے محبوب، تم کو میری تیز بھی ہے؟ آگے ناتواں تھا، اب نیم جاں ہوں۔ آگے بہرا تھا، اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رام پور کے سفر کا رہ آورد ہے، رعشہ وضعفِ بصر۔ جہاں چار سطریں لکھیں، انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں، حرف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا، بہت جیا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں مہینوں اور دنوں کی ہے۔

پہلا خط تمہارا پہنچا۔ اُس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہوا۔ متواتر دوسرا خط مع غزل آیا۔ غزل کو دیکھا۔ سب شعر اچھے اور لطیف۔ حافظے کا یہ حال ہے کہ غزل کی زمین یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا۔ غرض کہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیجی گئی اور لکھا گیا کہ نویدِ حصولِ صحت جلد بھیجو۔ —— کل ایک خط رجسٹری دار آیا۔ گویا ستارۂ دُنبالے دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے؟ بارے کھولا اور دیکھا۔ خط نویدِ رفعِ مرض وحصولِ صحت سے خالی اور شکوہ ہائے بیجا سے لبریز۔ صاحب! میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو، وہیں رہ جائے تو رہ جائے، ورنہ دلّی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر کیا مجال ہے جو مجھ تک نہ پہنچے۔ وہاں کے ڈاک کے کار پردازوں کو اختیار ہے، مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں۔ آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ اُس کا یہ حال ہے کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہو گیا۔ اب ایک مجلّد اس کا کہیں نظر نہیں آتا۔

بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلد لکھو۔

صبح جمعہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ
۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

جوابِ خط کا طالب غالب

(۱۰)

دوست روحانی و برادرِ ایمانی، مولوی حبیب اللہ خاں میر منشی کو فقیر غالب کا سلام۔

تم نے یوسف علی خاں کو کہاں سے ڈھونڈ نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے

معلوم کیا؟ بغیر نشان محلّہ کے اُن کو خط کیوں کر بھیجا اور وہ خط ان کو کیوں کر پہنچا۔

حیرت اندر حیرت است اے یارِ من

پہلے یہ تو کہو کہ "درفشِ کاویانی" اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں؟ اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی؟

مولوی احمد علی احمدؔ تخلص نسخہ در خصوصِ گفتگوے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے تو رسید لکھو، اور دیباچۂ ثانی جدید کی داد دو اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو تا کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔

زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تہتروال برس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ، دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی۔ قریب شام، کبھی کبھی تین تلے ہوئے کباب، چھ گھڑی رات گئے۔ پانچ روپیہ بھر شرابِ خانہ ساز اور اسی قدر عرقِ شیر۔ اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اُٹھ نہیں سکتا اور اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چار پایہ بن کر اُٹھتا ہوں تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔ بعہدا دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے اُٹھا اور پیشاب کیا اور پڑ رہا۔ اسبابِ حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا۔ بعد اراقۂ بول بے توقف نیند آجاتی ہے۔ ایک سو باسٹھ روپے آٹھ آنے کی آمد۔ تین سو کا خرچ۔ ہر مہینے میں ایک سو چالیس کا گھاٹا، کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں؟ مردن ناگوار بدیہی ہے۔ مرنا کیوں کر گوارا ہو گا۔ جوابِ خط کا طالب غالبؔ۔

سہ شنبہ از روے جنتری ۲۶ اور از روے رویت ۲۵ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

بھائی یہ خط از راہِ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

(۱۱)

جانانِ بلکہ جان، مولوی منشی حبیب اللہ خاں کو غالبِ خستہ دل کا سلام اور نورِ دیدہ!

سرورِ سینہ، منشی محمد میراں کو دعا اور مجھ کو فرزندِ ارجمند کے ظہور کی نوید۔ جو نگارش صاحبزادے کی طرف سے تھی۔ رسم الخط بعینہٖ تمھاری تھی۔ اب تم بتاؤ کہ رقعہ اسی کی طرف سے تم نے لکھا ہے یا خود اُس نے تحریر کیا ہے؟ لڑکا تمھارا تمھارے ساتھ حیدر آباد نہیں آیا۔ ظاہرا اب تم نے وطن سے بلایا ہے۔ مفصل لکھو کہ نخلِ مراد کا ثمر یہی ہے یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے۔ یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے؟ ہاں صاحب، محمد میراں یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں۔ منشاء افراطِ پرسش و فورِ محبت ہے، نہ فضولی۔

یوسف علی خاں شریف عالی خاندان ہیں۔ بادشاہِ دہلی کی سرکار سے تیس روپے مہینا پاتے تھے جہاں سلطنت گئی وہاں تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں، ریختہ کہتے ہیں۔ ہوس پیشہ ہیں مضطر ہیں۔ ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا باپ میرا دوست تھا۔ میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ بہ قدر اپنی دستگاہ کے کچھ مہینا مقرر کر دیا ہے، مگر بہ سبب کثرتِ عیال وہ ان کو مکتفی نہیں۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے تو کیا کرو گے؟

صاحب! میں بہ عینِ عنایتِ الٰہی کثیر الاحباب ہوں۔ ایک دوست نے کلکتے سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے نام اس کا "موید برہان" ہے۔ اس رسالے میں دفع کیے ہیں تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کیے ہیں اور تیری تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کیے ہیں اور اہلِ مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں۔ بس بھائی میں نے اتنے علم پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا اور کئی ورق اس دوست کو اور چار جلدیں "درفشِ کاویانی" علاوہ اوراقِ مذکور بھیج دیے۔ اسی زمانے میں تین چار ورق خوب یاد ہے کہ "درفش" کی جلد میں رکھ کر تم کو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے یا تم نے "درفش" کو کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع "درفش" زینتِ طاقِ نسیاں ہیں۔ دو ورق اس لفافے میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں۔ تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانتے

فی الحال نظم فارسی یہی ہے اور بس۔

ہاں صاحب! "اودھ اخبار" میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا۔ "مکاں تنگ ست" "جہاں تنگ ست" مدحِ مختار الملک میں متضمن استدعائے مسکنِ وسیع۔ پھر مہینا بھر بعد اسی "اودھ اخبار" میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا مگر تیس روپے مہینا بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے اور اُن کے شاگرد و شفیع تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس روداد کی تفصیل اور جوابِ اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں بسبیلِ استعجال۔

دوشنبہ ۱۶ شعبان ۱۲۸۳ھ

۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

(۱۲)

بھائی!

میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے؟ ظاہرا معاملہ عالمِ ارواح ہے۔ اسبابِ ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب مع اوراقِ مسودہ روانہ ہو چکا ہے، وقت پر پہنچے گا۔ ستّرا بہتّرا اردو میں ترجمۂ پیر خرف ہے۔ میری تہتّر برس کی عمر ہے۔ پس میں "اخرف" ہوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظے کی مانند معدوم ہو گیا۔ اب مہینا بھر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہیں رسمی پرسشِ مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے، وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرہ بادامِ مقشر، دوپہر کو گوشت کا پانی، سرِ شام تلے ہوئے چار کباب، سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب اور اُسی قدر گلاب۔ خرف ہوں، پوچ ہوں، عاصی ہوں، فاسق ہوں، روسیاہ ہوں۔ یہ شعر میر تقی میر کا

میرے حسبِ حال ہے:

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اس وقت کچھ افاقت تھی۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا، بکس کھولا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے۔

ناچار اب کتابت جداگانہ میں لکھتا ہوں تاکہ خلعت کا حال اور میرے اور حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی، صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا۔ ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تھا، وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبد اللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدر آباد جا کر نواب نظام علی خاں کا نوکر ہوا۔ تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا۔ کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا، راؤ راجا بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبے دار تھا اس نے مجھے پالا۔ ۱۸۰۳ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہوا صوبے داری کمشنری ہو گئی۔ اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا حکم دیا۔ چار سو سواروں کا برگیڈیر ہوا ایک ہزار سات سو روپے درماہہ ذات کا اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی۔ کہ بہ مرگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی مقرر ہو گئی، وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا۔ ۱۸۳۰ء میں کلکتے گیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا میری ریاست

کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ سرپیچ، مالاے مروارید۔ یہ تین رقم خلعت ملا! زاں بعد جب دلی میں دربار ہوا، مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر، بہ جرم مصاحبتِ بہادر شاہ دربار و خلعت دونوں بند ہو گئے۔ میری بریت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوتی رہی۔ تین برس کے بعد پنڈ چھٹا۔ اب خلعتِ معمولی ملا۔ غرض کہ یہ خلعت ریاست کا ہے۔ عوضِ خدمت نہیں، انعامی نہیں۔

معوج الذہن نہیں ہوں، غلط فہم نہیں ہوں، بدگمان نہیں ہوں، جو جس کو سمجھ لیا اس میں فرق نہیں آتا۔ دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب نے حیدر آباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بُری طرح کیا تھا۔ کھولتے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والے کی غرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہٖ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ تم ہاتھ دستخط کو پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے کہ تمہاری ترقی منصب اور افزونیِ مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ[۲]

۱۵ فروری ۱۸۶۷ء

(۱۴)

جانِ غالب!

تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے اور آمد رفت ڈاک کی مدت گزر گئی۔ اُس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھنا تھا۔ "موید برہان" میرے پاس بھی آ گئی ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بہ قیدِ شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں۔ وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ بشرطِ مودت، بہ شرط آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی

ہو یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب لکھو۔ میرے بھیجے ہوئے اقوال جہاں جہاں
مناسب جانو درج کر دو۔ میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی۔ بہتر
برس کی عمر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ میاں محمد میران کو دعا۔

۲۴ مارچ ۱۸۶۷ء جواب کا طالب غالب

(۱۴)

بندہ پرور!

آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔ جو آپ کی عبارت سے سمجھ لیا ہوں اس کا جواب لیجیے اور جو نہیں وہ مطابق میرے التماس کے مجھے سمجھا دیجیے۔ عماد عمایدِ شعرائے قدیم میں سے ہے۔ اسی کی بیان سات بیت کی ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے :۔

پائے سرتا نشود راہ تو رَفتن نتواں
جز بہ جاروبِ مژہ کوے تو رُفتن نتواں

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے میں استاد دو مصرعوں میں حرکتِ ماقبل روی مختلف لایا۔ اگر میں نے بیجا اس شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا؟ آیا معترض صاحب استناد بہ مثل و نظیر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے۔ یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔

بندہ نواز میں نے لکھا کہ "مویدِ برہان" میرے پاس آ گئی ہے اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشانِ صفحہ و سطر ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد اتمام نگارش تمہارے پاس اس مراد سے بھیجوں گا کہ تم از راہِ عنایت "موید" کا جواب لکھو۔

میری نگارش جو پسند آئے اس کو بھی جا بجا درج کردو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں نا کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے اور ضرور لکھیے۔ میاں محمد میراں کو دعا۔

۱۸ مارچ ۱۸۶۷ء

(۱۵)

منشی صاحب، الطاف نشان، سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خاں کو غالبِ سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمھارا خط پہنچا، پڑھ کر دل خوش ہوا۔ تم میری بات پوچھتے ہو مگر میں کیا لکھوں؟ ہاتھ میں رعشہ، انگلیاں کہنے میں نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زایل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے تو اس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے مرتے کی رُوح کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں سونگھ لیتا ہوں غذا کو، پہلے مقدار غذا کی تولوں پر منحصر تھی اب ماشوں پر ہے۔ زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے۔ بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ بالکل میرا یہی حال ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔

دوم شوال ۱۲۸۴ھ
۲۷ جنوری ۱۸۶۸ء ۲

اپنی مرگ کا طالب غالبؔ

(۱۶)

بندہ پرور!

کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا، آج میں پاسخ طراز ہوا جس کاغذ پر میں یہ نقوش کھینچ رہا ہوں آپ کے خط کا دوسرا ورق ہے۔ پہچان لیجے اور معلوم کیجے کہ آپ کا

مجموعۂ کلام معجز نظام اور اس کے بعد بہم دو خط پہنچے۔ "میں صحیفۂ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں، بلکہ اسی خط میں محمد نجیب خاں کو سلام اور ارمغاں کا شکر اور اوراقِ اشعارِ اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے۔ پارسل کے سرنامے سے میرا نام مٹا نہیں، پارسل تلف ہوا نہیں۔ آٹھ دس روز ہوئے ہوں گے کہ وہ مجلد اُسی پارسل میں کہ اُس کو روگرداں کر لیا ہے، بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ۔ پاس پہنچ گیا ہوگا۔

ہاں صاحب، خط دریوزہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام کا مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب پاس پہنچاؤں، میں نے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں۔ صرف اتحادِ معنوی کے اقتضا سے انھوں نے "دافعِ ہذیان" لکھ کر فنِ سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک اُن کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں۔ اُن کو وہ خط بجنسہٖ بھیج دیا۔ یقین ہے کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھجوا دیں گے۔ انھی کے اظہار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالے میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بہ قدرِ حال ایک ایک قدرداں پایا۔ غالبِ سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی:

کسم بہ خود نہ پذیرفت و دہر بازم بُرد
چو نامۂ کہ بود نانوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے۔ ولی عہد خسرو دہلی مرزا فتح الملک بہادر مغفور کے قصیدے کا اور دیکھو ایک رباعی میری:-

دستم بہ کلیدِ مخزنے مے بایست
ور بود تہی بہ دامنے مے بایست
یا ہیچگہم بہ کس نیفتادے کار
یا خود بہ زمانہ یہ چوں منے مے بایست

اِنّا للہِ واِنّا الیہِ راجعون

منشی سیل چند

(۱)

منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب میر منشی سلمہ اللہ تعالیٰ۔
بعد دعائے دوامِ حیات و ترقیِ درجات معلوم فرمائیں۔ اگرچہ از روئے خطوطِ حضور[۱] صحت و عافیتِ حضور معلوم ہوئی ہے لیکن یہ کہیں سے نہیں سنا کہ غسلِ صحت کیا، یا کس دن کریں گے۔ آپ سے یہ فقیر کا سوال ہے کہ مجھ کو لکھیے کہ حضرت غسل کس دن فرمائیں گے اور اگر موافق میری آرزو کے نہا چکے ہوں تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجیے۔

۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء — خیر و عافیت کا طالب۔ غالب

(۲)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب میر منشی کو خدا سلامت رکھے۔
مادۂ تاریخِ غسلِ صحت کو تم نے غور نہیں کیا۔ ۱۸۶۶ عدد ہوتے ہیں۔ پھر کیا حضور

سالِ آئندہ غسلِ صحت فرمائیں گے، یہ تو جنوری سال ۱۸۶۵ء میں۔ اس تاریخ کا قطعہ کیوں کر لکھوں[1]۔

یہ جو میں نے قصیدۂ تہنیت لکھ کر بھیجا ہے منشا اس کا یہ ہے کہ شاہ کبیر الدین[2] صاحب رام پور سے آئے اور انھوں نے کہا کہ نواب صاحب جمعے کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب تمھاری تحریر سے معلوم ہوا کہ ماہِ آئندہ یعنی رمضان[3] میں نہائیں گے خیر وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے گزرے گا۔ اگر موقع پاؤ تو حضور سے یہ ماجرا عرض کر دینا کہ میں نے بموجب روایت شاہ کبیر الدین کے اس کے ارسال میں جلدی کی ہے۔

۱۹ جنوری ۱۸۶۵ء غالب

(۳)

منشی صاحب!

عجیب اتفاق ہے کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاجِ مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے اور میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ خدا کے واسطے تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہے اور صورت کیا ہے۔ دربار بہ دستور ہوتا ہے یا نہیں۔ سوار ہوتے ہیں یا نہیں؟

زین العابدین خاں نے جے پور سے اپنے اشعار اصلاح کے واسطے میرے پاس بھیجے۔ میں نے اصلاح دینے سے انکار کیا اور اشعار مسترد کر دیے۔ ان کا خط اور اس کی پشت پر اس کے جواب کا مسودہ اس خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لو بلکہ اگر موقع اور محل پاؤ تو حضور کو بھی پڑھوا دو۔ والدعا

۱۴ مارچ ۱۸۶۵ء اسد اللہ خاں غالب

(۴)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشاں منشی سیل چند صاحب میر منشی کو فقیر غالب کی

دعا پہنچے۔ یہ خط میں نے ایک شبانہ روز کی فکر میں حضور کو لکھا ہے، مگر مسودہ جو ہر بار کچھ کا کچھ ہوتا رہا، اس سبب سے میرے پاس نہیں رہا اور خدا کی قسم! کہ میں اب بہت ناتواں ہو گیا ہوں۔ یہ خط لیٹے لیٹے صاف کیا ہے اور اس تحریر کو مجموعۂ نثر میں رکھا چاہتا ہوں۔ آپ اس کی نقل کر کے مقرر مجھ کو بھیج دیجیے گا۔ بڑا احسان مجھ پر ہو گا۔

مارچ یا اپریل ۱۸۶۵ء

اسداللہ

(۵)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند! طال عمرہٗ

تین صاحبوں نے اطراف و جوانب سے تین قصیدے میرے پاس بھیجے ہیں۔ حیران ہوں کہ کیا کروں؟ اگر حضور میں نہ گزرانوں اور اُن کو لکھوں کہ میں نے گزران دیے تو جھوٹ بولنا ہوتا ہے اور میں جھوٹ سے بیزار ہوں۔ گزرانتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، ادب رخصت نہیں دیتا۔ ناچار وہ تینوں قصیدے تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ یہی اُن صاحبوں کو لکھوں گا کہ میں نے میر منشی کے حوالے کر دیے

سید فرزند احمد بلگرامی صفیرؔ تخلص۔ یہ سید نور الحسن خاں بلگرامی کا پوتا اور صاحب عالم پیرزادۂ مارہرہ کا نواسا ہے۔

حالیؔ تخلص، مولوی الطاف حسین، سُن پت کے رئیس۔ عالم، شاعر، نواب مصطفےٰ خاں کے رفیق۔ قصیدہ عربی۔

تیسرے قصیدے کے خاتمے پر شاعر کا نام و نشان مرقوم۔

۱۵ یا ۱۶ دسمبر ۱۸۶۵ء

(۶)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز تر از جان منشی سیل چند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ کیوں صاحب؟ ہم تو تم کو اپنا فرزند سمجھیں اور تمھارا یہ حال کہ مراسم فرزندی

بجا نہیں لاتے۔ خط لکھنا تم نے یک قلم موقوف کر دیا اور بھائی بے تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے۔ نہ طاقت باقی ہے، نہ حواس درست ہیں۔ آج کے نواب صاحب کے خط میں دو جگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں، لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ آج بچا کل مرا، کل بچا پرسوں مرا۔ اس خط کا جواب مجھ کو جلد لکھو اور اس میں یہ لکھو کہ احسان حسین خاں اور ان کے بھائی مظفر حسین خاں جو لکھنؤ سے آئے ہیں۔ نواب صاحب کی سرکار سے ان کا کیا درماہا مقرر ہوا ہے اور تعظیم و توقیر کا کیا رنگ ہے؟ دربار میں جو آتے ہیں تو بیٹھتے کہاں ہیں؟

۱۱ جون ۱۸۶۶ء اس خط کے جواب کا طالب غالب

(۷)

برخوردار نور چشم منشی بیل چند میر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو کہ اگلے مہینے یعنی اگست ۱۸۶۶ء کی تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی اس کا روپیہ اب تک نہیں پٹا ہے تو جس دن ہنڈوی آتی ہے، اسی دن یا دوسرے دن اپنے مختار کار کے ہاتھ، کہ وہ بھی مہاجن ہے۔ بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اس مختار کار کو جس کے ہاں ہنڈوی آئی ہے، روپیہ اس نے اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہنڈوی بیچ کر روپیہ میں نے لیا تھا اور آج اٹھارہ ہے۔ مختار کار کو روپیہ اس نے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہنڈوی لکھوائی ہے اس کو تم تاکید کرو کہ یہاں کے مہاجن کو روپیہ دینے کی تاکید لکھے تاکہ مختار کار کا روپیہ پٹ جاوے۔

۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء مہر غالب

۱۲۷۸ھ

خلیفہ احمد علی احمدؔ رام پوری

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہ ہے کہ فقیر شب کو آپ کا منتظر رہا، آپ تشریف نہ لائے۔ ناچار تقریر کو تحریر کا پیرایہ دے کر آپ کی جناب میں بھیجتا ہوں۔ بتین فارسیہ کا حال بہ سبیلِ اجمال ایک دو ورقے پر مندرج ہے۔ بہ نظرِ اصلاح مشاہدہ ہو۔

بعد اُس کے میری یہ عرض ہے کہ ہر چند "سحر" اور "صبح" مرادف بالمعنی ہیں اور وہ انجامِ لیل اور آغازِ نہار ہے مگر بہ خلافِ صبح "سحر" بہ طریقِ مجاز بعد نصفِ شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ طعامِ آخرِ شب کو "سحری" اور "سحر گہی" کہتے ہیں اور مرغانِ خوش آواز، کہ بلبل بھی اُن میں ہے، اکثر پہر سوا پہر رات سے بولتے ہیں۔ نصفِ شب کو مرغِ سحر خواں کا ہم آواز ہونا محلِ اعتراض نہیں ہے۔

"گوش" کا استعمال "انداختن" کے ساتھ اگر شعرائے ہند کے کلام میں آیا ہوتا تو ہم اُس کی سند اہلِ زبان کے کلام سے ڈھونڈھتے۔ جب وہ خود عرفی نے لکھا ہے تو ہم سند اور کہاں سے لائیں ؟ قواعدِ زبانِ فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے۔ جب ہم انھیں کے قول پر اعتراض کریں گے، تو اُس اعتراض کے واسطے قاعدہ کہاں سے لائیں گے ؟

ن سب باتوں کو جانے دیجیے، اس کو ملاحظہ کیجیے کہ عرفیؔ اکبر شاہ کے عہد میں تھا اور
س عہد میں قطعِ نظر اور اہلِ کمال سے ابوالفضل اور فیضیؔ یہ دونوں شخص کیسے فاضل تھے اور پھر
رفی کا ممدوح حکیم ابوالفتح اُس کا وہ پایہ علم میں تھا کہ فیضیؔ اور ابوالفضل کو بھی خیال میں نہ لاتا
تھا۔ اگر یہ دونوں شعر عرفیؔ کے غلط ہوتے تو یہ تینوں آدمی اُس کی دھجیاں اُڑا ڈالتے۔
حال آنکہ فیضیؔ و ابوالفضل اُس کے دشمن تھے۔ بس جب اُن دونوں نے باوجود عداوت اعتراض
کیا تو اب عرفیؔ پر کون اعتراض کر سکتا ہے؟ عرفیؔ کی زبان سے جو نکل جائے وہ سند ہے۔ ہمارے
واسطے وہ ایک قاعدۂ محکم ہے۔ وہ مطاع ہے اور ہم اس کے مقلد اور مطیع ہیں۔

غالبؔ

سید محمد عبّاس علی خاں بیتاب

(۱)

قبلہ!

جس شعر پر صاد ہے وہ بہت خوب ہے۔ اور جس کو کاٹ دیا، وہ معیوب ہے اور جس پر صاد نہیں، وہ بے عیب اور ہموار؛ اور جس کے معنی میں مجھے تامّل ہے، اُس پر نظر، علامت اُس کی نظ۔ باقی جا بجا منشاے اصلاح اور حقیقتِ الفاظ لکھ دی ہے۔ تین جزو جس میں سات ورق سادے ہیں، پہنچتے ہیں اور اجزا بھیج دیجے۔

مرے دل کی ذرا سی پھانس ——— اُس کے اُکھاڑا ایک ہی حملے میں ہو در جس نے خیبر کا تھا

ہوا دینِ نبی اصحابِ رسول اللہ سے شائع
کر نکلے چوک میں سے جس طرح سے بازار چوسر کا

ہُوا دینِ نبی اصحاب سے دنیا میں یوں شائع

میں تو اس کے بیہودہ بکنے پہ سر دھنتا رہا
ناصحِ ناداں یہ سمجھے کچھ پشیماں ہو گیا

اُف رے گرمیِ تپِ عشق کہ جل کر نکلا
رگ سے جب سوختہ جاں کے ترے خنجر نکلا
دل

یہ بخت کی امداد ہے، یا یاد کی تاثیر؟ بھولے سے بھی واں ذکر ہمارا نہیں ہوتا
تمہارا

پھر مجھ کو کچھ خبر نہیں، آگاہ ہے خدا پی لی تھی ایک بار جو ہاں جان کر شراب
تو

نہیں آتا ہے شرارت کا گماں بھی اُن پر دیکھنے میں تو ہے اس طرح کی بھولی صورت
طور

~~شکر کی جا ہے نہ اک خلق کو مار ڈالو~~ کیا قیامت ہوئی، اگر ہو گئی اچھی صورت
خلق کے قتل سے کیا فائدہ؟ بس شکر کرو

~~اللہ صبح تک خمِ گردوں اُلٹ گیا~~ ساقی نے کس قدر سے گلگوں پلائی رات
باقی رہی نہ بوند صبوحی کے واسطے

~~بیخود میں~~ اور وہ محوِ خیالِ رقیب تھے تھی وصل میں بھی وہ ہی جدائی تمام رات
میں بیخود

~~قاتل بنا ہے تیری ہی تلوار کے لیے~~ ~~تھی ورنہ عاشقوں کو نہ کچھ سر کی احتیاج~~
قاتل لگا رکھا ہے تری تیغ (مقطع) بیتاب کو اگرچہ نہ تھی

کیا رحم کھا کے میری سفارش کچھ اس نے کی برہم جو ہے رقیب سے بھی یار کا مزاج
درماں نے تیرے گور میں پہنچا دیا مجھے اب چارہ گر بتا میں کروں کیا ترا علاج
کہ

عادل ہے تو تو، شک نہیں کچھ اس میں اے خدا ڈالی ہے کس مراد پہ تو نے بنائے چرخ
لیکن

آپ چل کر کہو احوالِ دل ~~اُسے~~ بیتاب ~~کس کی دوات، قلم کیسی، کہاں کا کاغذ~~
اُس سے۔ کیا قلم کیسی دوات اور کہاں کا کاغذ

ہوئی ہے جو خلق پرلیس اب یہیں ہو جائے گی
فتنۂ محشر ہوا قرباں تری رفتار پر
صدقے

دشمنوں کا اور فلک کا بھی میں اب مشکور ہوں
خوش اگر ہوتا ہے وہ ظالم مرے آزار پر
ممنون

آتشِ فرقت سے اک شعلہ ہے وہ دل ہی نہیں
ہاتھ رکھتا اب مرے سینے پہ دلبر دیکھ کر
کا

لکھ دیا لکھتے تو، لیکن پھر جو کچھ رحم آگیا
رو دیا اللہ نے میرا مقدر دیکھ کر
آپ سے پہلے میری سرنوشت پر بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ غالبؔ

طبع رسا نے اپنی دو بالا کیا اُسے
پہنچا تھا مرتبے کو نہ اپنے سخن ہنوز
میری

بیتاب کو کسی نے جو پوچھا تو بولے وہ
ہاں خاک پر پڑا تو ہے اک خستہ تن ہنوز
پوچھا

سخت جانی، تجھے اللہ کی مار! او ظالم
پھر گیا، زندہ مجھے دیکھ کے دلبر مایوس
پھوٹ

خدا کرے! ترے پیکانِ تیر کو تو صنم
پسند آئے دلِ بیقرار کی آغوش
ظالم

ہے مرے دوست کا بھی دشمنِ جاں وہ ظالم
میں نے اس واسطے دشمن سے نکالا اخلاص
دوست، یعنی معشوق، دشمن یعنی رقیب۔ رقیب معشوق کا عاشق ہوتا ہے۔ دشمنِ جاں نہیں ہوتا۔ مانا کہ وہ رقیب معشوق کا درپردہ دشمن ہے پھر اس عاشق نے اپنے معشوق کے عدو سے اخلاص کیوں نکالا؛ خدا جانے اس شعر کی فکر کے وقت حضرت کا خیال کدھر تھا۔ غالبؔ

دوستی اپنی خدا کے لیے کہہ کر رکھیے — نہیں بھاتا ہے مجھے ناصحو، اتنا اخلاص

ہے

~~قاصد کی تاب کیا ہے، کبوتر کی کیا مجال — پہنچا دے یار تک تو ہی پروردگار، خط~~

یہ گستاخی بے مزہ ہے

دے دادِ دل وگرنہ یہ دونوں ہیں بد بلا — کرتے ہیں آہ و نالہ ترا، اے خدا لحاظ

ہاں اس میں نمک ہے

دیوانہ ہے وہ کون، جو دن کو جلائے شمع — خورشید رو کے سامنے کیا کوئی لائے شمع

اُس مہروش

~~پروانہ ساں نہ کہیے، مجھے شرم آتی ہے~~ — میں مبتلا ہوں آپ کا، وہ مبتلائے شمع

پروانہ مجھ کو کہتے ہو تم کو حیا نہیں!

دیکھو یہ چھیڑ، ہم سے وہ غیروں کے سامنے — انجان بن کے پوچھتے ہیں ماجرا اے داغ

کہ

درماں کرے گا دیکھ تو کس کس کا چارہ گر — ہیں ~~زخم آبلے~~ بھی تو دل پر سوا اے داغ

ہے زخم اور آبلہ

~~وہ بھی تو~~ بھاگ نکلے، یقیں ہے مجھے اگر — دوڑے مرا گلا تری شمشیر کی طرف

اُٹھی وہ

اب پوچھتے ہیں آپ کہ ہے ~~تجھ پہ~~ کیا قلق؟ — جب قابلِ بیان نہ اپنا رہا قلق

تجھ کو

اتنا کسی سے وصل میں ہوگا نہ عیش بھی — جتنا کہ تیرے ہجر میں ہم نے سہا قلق

کو

دل کو، جگر کو پھونکے ہی دیتا ہے ہائے عشق! — اک آگ، کاش سینے میں جلتی، بجائے عشق

ہوتی

کیا سختیوں سے جان دی بیتاب نے مگر — نکلا نہ شکوہ منہ سے کبھی جز ثنائے عشق

دی جان کس عذاب سے بیتاب نے مگر

ناچیز اُس کو جان کے یہ نالۂ سحر — اُلٹا پھرا کہ جا نہ سکا آسماں تلک

ادھر نہ گیا

پھوڑا ہوا جو پکنے تو وہ ہنس کے کہتے ہیں — ہاں اب ذرا ستانے کے قابل ہوا ہے دل

پک کے

کیا ہے کی تو ہی بتادے محتسب — ڈھونڈتے پھرتے ہیں میخانے کو ہم

ہے کدھر

قیس و فرہاد کا گو عشق میں کچھ نام ہوا — لیک بیتاب کی مانند تو مشہور نہیں

وہ

جھنجلا کے بولے جان بھی نہیں اب تمھیں عزیز — کہہ بیٹھے اُن کو جان جو اک روز پیار میں

جان نہیں کیا

بیتاب کا بھی زندو، معلوم ہے پتا کچھ؟ — اُس کو بھی دیکھتے تھے اکثر اس انجمن میں

ہم اُس کو

شکوہ ہے کیا، قبول گر اپنی دعا نہیں! — اس درد کی خدا کے یہاں بھی دوا نہیں

بھی گھر میں

کیا بزم رفتگاں میں خموشی کا رسم ہے — ہیں جمع کس قدر پہ کسی کی صدا نہیں

کی

پھر بیٹھے بیٹھے چھیڑ لگائی، خدا سے ڈر — ظالم ابھی تو آنکھ کا آنسو تھما نہیں

نکالی

لکھے نامے میں اب کیوں یہ شوق حسرت وصل — ہم اپنے سر کو تو ہر دم قلم سمجھتے ہیں

کیوں شوق سجدۂ درِ دوست

انھیں تو وصل کا اک ~~دم ہے ہزار برس~~ — ہزار سال کو ہم ایک دم سمجھتے ہیں
ہے ایک دم ہزار برس

~~الماس تک~~ نہیں تیرے مرہم میں چارہ گر — پھر کیوں میں زخم دل کو عبث بے مزہ کروں
ہرگز نمک

ہوا شق ~~جلوۂ جاناں سے وہ بھی~~ — کیا گر ماہ نے ٹکڑے کتاں کو
وہ بھی انگشت نبی سے

مسیحائی نہ دیکھی ہو ~~تو میرے~~ — ~~جنازے پر لے~~ آؤ دل رُبا کو
گر اُس کی — مری تربت پہ لاؤ

بھاگیا اپنے زبس قتل کا ایما ہم کو — بعد مُردن بھی ~~تھی~~ مرنے کی تمنا ہم کو
ہے

عشق نے دم ہی پہ 'بیتاب' بنادی آخر — کسی صورت سے ~~بھی کافر~~ نے نہ چھوڑا ہم کو
ستم گر

ننگِ عریانی ہو کیوں قطع نظر سودے سے — جبکہ اللہ نے پیدا کیا عریاں مجھ کو
وحشت

~~مقتضائے بشری صبر بھی تھا اے اللہ~~ — یہ بھی دینا تھا، بنایا تھا جو انساں مجھ کو
مقتضیاتِ بشر میں سے نہ تھا صبر مگر؛

دیکھا جس بت کو لگے پڑھنے اسی کا کلمہ — ~~واہ اللہ دیا خوب~~ ہی ایماں مجھ کو
میرے خالق نے دیا ہے عجب

ہزار صبر کرو، لاکھ بے قرار نہ ہو — مگر وہ چیز ہے ~~اُلفت~~ کہ آشکار نہ ہو
نہیں محبت

بڑے ادب سے جسے قیس نے کیا سجدہ — ~~کسی سے پوچھو تو~~ اپنا ہی وہ مزار نہ ہو
کہیں یہ حضرتِ بیتاب کا

بہلتے ہیں تو دو دریا بہائیں چشم تر دونو — فغاں و نالہ ہیں تو ہوں مگر ہیں بے اثر دونو

دونوں میں نون ضرور ہونا چاہیے۔ اس غزل کو نون کی ردیف میں لکھ دو۔

کیوں کہ منہ رکھے وہ میرے سینۂ پُر داغ پر — بوے گل سے خاطرِ نازک پہ جس کی بار ہو
بھی

حق تو یہ ہے خوب ہی دی غیر کو رونق، مگر — یا وفا کیونکر بناتے اُس کو تم لاچار ہو

لاچار غلطِ محض ہے۔ ناچار بہ نون صحیح ہے۔

نکلی دل و جگر کو مگر آہ توڑ کے — سینہ سے شب جُدا جو ہوا خوں میں بھر کے ہاتھ
سینے

آواز اُس کا سُن کے شبِ وصل مر گئے — گویا ہماری مُوت تھی مرغِ سحر کے ساتھ
کی

خانۂ آئینہ میں ہوتی ہے کیسی چاندنی — دیکھ رکھ دیتا ہے جب وہ مہ شمائل آئینہ
کر رکھتا

بوسہ ملا؛ تو اب یہ ہوس ہے کہ عمر بھر — یونہیں ملائے رکھیے دہن کو دہن کے ساتھ
یونہی

مجموعے کا ساعطر ہے اُس کا شبینہ ہار — بوے بدن ملی ہے جو بوے بدن کے ساتھ
کے گلے کا

جاں کنی ہی ہمنے ابتک اس تو ٹوٹی نہیں — حشر میں ہووے گی اُس سے اک محبت اور بھی
پھر

گریہ وزاری کو جور و کا، تو سودا ہو گیا — ہو گئے ہم ضبط کرنے سے فضیحت اور بھی

میں نے اس شعر کو ناحق کا ٹا۔ "جوروکا" یہ لفظ مکروہ تھا۔ "جو" کی جگہ "جب" لکھ دیجے۔ شعر صاف اور بے عیب ہو جائے گا۔ غالب

گریہ و زاری کو جب روکا تو سودا ہوگیا　　ہوگئے ہم ضبط کرنے سے فضیحت اور بھی

قتل میں اپنے خدا، اب کونسی تاخیر ہے؟ (کس لیے)　　خم یہاں گردن، علم وہاں ہاتھ میں شمشیر ہے

ہے غزلخواں مثل بلبل کہتے ہیں وہ برگِ گُل　　پر ہمارے سامنے تو غنچۂ تصویر ہے

باغ میں ہے فصلِ گل، زنداں میں ہے یہ گل کھلا　　ہے گریباں ہاتھ میں اور پاؤں میں زنجیر ہے

اک ذرا سی اور بھی تاخیر کرنا، اے اجل　　سنتے ہیں کچھ وہاں ~~اپنے~~ (ہمارے) قتل کی تدبیر ہے

قتل کرتے ہیں گمانِ دادخواہی پر ہمیں　　~~دیکھ تو~~ (ہمنشیں) تقصیر سے پہلے یہاں تعزیر ہے

~~گزری اپنی عمر تو~~ کس چین سے، شکرِ خدا (گزری اب تک عمر اپنی)　　دیکھیے، بیتاب، اب کیا خواہشِ تقدیر ہے

(۲)

قبلہ قصائد و غزلیات و رباعیات کو بہ قدر اپنی فہم و فراست کے درست کر کے خدمت میں گزرانتا ہوں۔ چوں کہ جانتا ہوں کہ آپ اکبرآباد نہیں گئے، اس لفافے کو آپ کے پاس رام پور کے پتے سے بھیجتا ہوں۔ توقع یہ کہ مجھ کو اپنا خادم سمجھیے اور جو خدمت میرے لائق ہو بے تکلف ارشاد کیجیے.... راقم اسد اللہ خاں..... مرقومہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء

فرماتے ہیں بالیں پہ وہ بیمار کی اپنے (آ کر)　　کیا درد ہے؟ ہم کیوں اس کا مداوا نہیں کرتے

ہمیں کرنا تھا جو وہ کر بیٹھے
~~اور تم سر اُٹھاؤ~~ گھر بیٹھے
آپ باتیں بنائیں

اپنے ہاتھوں سے کر کے کام تمام
~~نوحے~~ کرنے کو چارہ گر بیٹھے
نوحہ

حال بیتاب کا نہ ~~پوچھو~~ کچھ
پوچھو
ہم تو اب ~~اُس سے~~ صبر کر بیٹھے
اُس سے

وفادار ناصح، مبارک ہوں ~~تم کو~~
تمھیں
ہمیں تو وہی بے وفا چاہیے

~~مقابل میں تیرے تو، اے پند فرما~~
گو
تجھی سا کوئی بے وفا چاہیے

خدا نے دیا ہے عجب دل ~~یہ ہم کو~~
ہمیں
اب ایسا ہی اِک دل رُبا چاہیے

تصور تری زلف کا کیوں نہ ہو ~~ے~~
شبِ غم نزولِ بلا چاہیے

~~بجا ہیں تمھارے سب ارشاد لیکن~~
پر
ذرا اور کی بھی سنا چاہیے

زباں پہ نام اُس کا دم بدم ناصح لواتا ہے
سے
خدا کے واسطے چپ رہ، کلیجہ منہ کو آتا ہے

نیاز و ناز میں ہے ربط، گر ضد ہے تو ظاہر میں
~~میں پڑھتا ہوں درود اُس پر، وہ صلوتیں سناتا ہے~~
درود اُس پر پڑھوں میں، اور

~~خموشی سے مری اللہ! کیا مسرور ہے دل میں!~~
~~کہے جا، ناصحِ ناداں، مجھے یہ ذکر بھاتا ہے~~
مشفق

(مطلع) غنیمت ہے کہ نام اُس کا زباں پر تیری آتا ہے
کہے جا، ناصحِ مشفق، مجھے یہ ذکر بھاتا ہے

کشادہ زُلف کا دستِ عدو سے وہم آفت ہے
بکھرنا
غش آیا، جب ہوا سے نکہتِ مُشکِ تتار آئی

تسلّی بخش ہو گی سادگی حوروں کی اے واعظ
کیا ہو
ہمیں جب یاد یہ آرائشِ روئے نگار آئی

مل گئے خاک میں، لڑتے ہی ترے
ہم ملے
بن گئی جی پہ، بگڑتے ہی ترے

خدا کو تو پاتے ہیں عشقِ بتاں سے
میں وصلِ صنم مانگتا ہوں خدا سے
یہ میں ہوں کہ بُت

اگر چشمِ بد ہے تو کچھ زلف کم ہے
کیا
یہ سچ ہے. بچائے خدا ہر بلا سے

پاس رکھنے کا. تو، بیتاب وہ وعدہ کرلے
کریں وہ وعدہ
صحبتِ غیر بھی واللہ گوارا ہو جائے
ناچار

کیا کہے جاتے ہو کچھ وصل کی تدبیر بتاؤ
کچھ تم عقبیٰ میں تو ناصح، رہے کام آنے سے
آپ

کروں کیا جاں سے تنگ آکر دعا کی
کریں مرگ کی آخر
مجھ تو، منّت ہی کروائی خدا کی

ڈرانا تھا کہ اُس کا دل دُکھانا!
غدنگِ آہ نے، ہے ہے! خطا کی

گئے وہ تو ہُوا ہم کو بتا کے
تو
خوشامد ہے یہاں کیا کیا صبا کی
کر

عیادت سے بڑھی خواہش مرض کی
مرض کا ہو گیا شوق
ہمارے درد کی اب بھی نہ۔ کی

~~نہ ہنسیے قیس کی دیوانگی پر — خبر لیجے اپنے مبتلا کی~~

نہ دو لیلےٰ کو تم مجنوں کا طعنہ — جو دیکھو صورت اپنے مبتلا کی

~~زلف بکھری جو رخِ یار پہ یہاں دل بکھرا — خود پریشاں ہوئے ہم اس کو پریشاں کر کے~~

زلف خود بخود بکھرتی ہے۔ ہم نے کب پریشاں کیا' جواب کہیں

اضطرابِ دلِ بیتاب' بُرا ہو تیرا — بد دماغ اُس کو کیا نالہ و افغاں کر کے

بے

آہ جس طرح موئے سب عاشق — وہی اپنی بھی حقیقت ہو گی

جس طرح آہ۔ طرح اور ہے اور طرَح اور ہے فقیر طرَح "بہ حرکت کے معنی میں بہ سکون نہیں لکھتا۔

دیکھ ایمان سے کہہ دے واعظ — ایسی ہی حوروں کی صورت ہو گی

(اس غزل میں مقطع سے پہلے یہ شعر اضافہ کیا ہے)

بوسہ لیتے ہی بگڑ آ جائے گی — جان کیا بوسے کی قیمت ہو گی

بیقراری سے تو لاہے کوئی اللہ سے — مانگ لائے ایک ذرا سا صبر اپنے نام سے

حضرتِ ایوب گر جیتے ہوں تو اے ہمدمو

تو — میرے

حشر میں اللہ کے آگے یونہی لے جاؤں گا — کام لینا ہے مجھے اپنے دلِ ناکام سے

مجھ سے یہ مصرع پڑھا نہیں گیا۔

تو دیے جا گالیاں دے لیں گے ہم بھی کچھ جواب — ہوش میں آئے کبھی گر لذتِ دشنام سے

آ جائیں گے جب

تھا نہ بس شوقِ طپیدن پہ ادب مانع ہوا — بچ گئے ہم ذبح کے بھی وقت اس الزام سے

بہت

دیر دیکھا، میکدہ دیکھا، حرم بھی دیکھ لیں — آج آ نکلے ہیں یہاں بھی گردشِ ایام سے

ہم

ذکر اُسی کا ہے کچھ بھی فرمائیے — کاش، ناصح ہی دل کو بہلائیے

ہو

~~پھر بلا میں پھنسا دیا~~ کس نے؟ — دی صدا نعش پر کہ وہ آئیے

خوابِ خوش سے جگا دیا

جوابِ اُن کا ہوا گِلہ اُلٹا — کر کے شکوہ بھی اُن سے ~~پچھتائیے~~

پچھتا

اور

مارے خدا کہ چھوڑے یہ ایمان کی تو یہ ہے — ~~اُلفت بُتوں سے اپنے تئیں لا کلام ہے~~

"کو" کی جگہ "تئیں" نہ لکھا کرو

~~جبروت یہ نہیں ہے، نہ لاہوت زاہدا~~ — یہ عشق ہے کچھ اور ہی اس کا مقام ہے

لاہوت ہے نہ یہ جبروت، اے خدا پرست

جبروت بہ حرکت موحدہ اور ملکوت بہ حرکت لام صحیح ہے۔

پا کر نجات نزع سے ~~آرام کرتے ہیں~~ — ہم رہروِ فنا ہیں یہ غربت کی شام ہے

سوتے ہیں بے خبر

معمور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ — ساقی اگر نہیں تو نہ ہو، مے سے کام ہے

بیتاب پی، خدا نے دیے ہیں تجھے بھی ہاتھ — یہ خُم ہے، یہ سبو ہے، یہ شیشہ، یہ جام ہے

(ان دونوں شعروں کے ہر مصرع پر صاد بنا کے دائیں گوشے میں لکھا ہے)

واللہ! کیا ذوق انگیز قطعہ ہے۔ غالبؔ (پھر بائیں گوشے میں لکھتے ہیں)

خُم سے بھر سُبو ہیں، سبو سے شیشے ہیں، شیشے سے جام ہیں۔ اس تقدیم و

تاخیر کا مزہ میں ہی جانتا ہوں۔ غالب

ہر روز اگر وہ ستم ایجاد کریں گے — ~~آزار تو دینے کو~~ کبھی یاد کریں گے

ہر روز کئی بار مجھے

پرواز کی ہے گرچہ ہوس دل میں، مگر ہم / آزردہ نہ خاطر تیری صیاد کریں گے

طاقت ابھی موجود ہے، لیکن

ہم خاطر

آسانی سے کیوں قتل کیا؟ حشر کو یہ تو / اللہ سے ہاں، شکوۂ جلاد کریں گے

ہم

اس طرح مریں گے کہ ہو ہر ایک کو عبرت / معدوم ہم الفت ہی کی بنیاد کریں گے

دکھ سے

ستم کی حشر میں بھی باز پرس کیا ہو گی؟ / کسے مجالِ سخن اُس سے اے خدا ہو گی؟

اُس سے

خدا کے آگے ہمیں پوچھے جائیں گے پہلے / میری وفورِ ضلالت ہی رہنما ہو گی۔

"پوچھنا" اور ہے۔ پُرسیدن کا ترجمہ پوچھنا بے نون ہے۔ یہ آگہی کے واسطے لکھا ہے۔ شعر غلطیِ املا کے واسطے نہیں کٹا، بلکہ ناقص تھا

فلک بھلائے گا آنکھوں کی راہ اُس کو بھی / جو خونِ دل ترے غم میں میری غذا ہو گی

خون مذکر۔ غذا البتہ مونث ہے۔ مگر ذرا غور کیجیے، خون غذا ہو گا یا خون غذا ہو گی۔

نہیں ٹھہرا ہے اب تک عرشِ اعظم / دعا کی تھی یہ کس نے بلبلا کے

ہے

بن اُس کے خونِ جگر ہم پئیں یہ مے، ساقی / خدا کرے، تیرے ساغر میں بھی لہو ہو جائے

کہ جام

(اس شعر پر صاد بنا کے حاشیے پر لکھا ہے) شعر اچھا، مگر بھی کا لفظ بے موقع اور بے محل ہے۔

ہوئے ہیں گرچہ تائب، بر ہوائے ابر و باراں میں / رہے مے ساقیا، میخانے میں تیار تھوڑی سی

ی

ہیں سب سمجھے ہوئے ہوں بات کا جو ڈھب تمہارا ہے نہ چاہوں ناصحا میں اس کو یہ مطلب تمہارا ہے
ناصحو

کہاں ہیں قیس اور فرہاد اب یہ عہد ہے اپنا کہاں ہیں لیلیٰ و شیریں زمانہ اب تمہارا ہے
دور

مژگاں کا تیری صید نہ کس طرح سے ہو دل اس تیر کے لیے یہی نخچیر چاہیے
ہو کس طرح سے

نیکوں کے بھی جھکے رہیں سر کچھ تو دیر کی مسجد کی چوب و خشت سے تعمیر چاہیے
یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا (عرشی)

بلائیں آپ پڑتا ہے تو ناصح ترے اوپر تو کچھ آفت نہیں ہے
تو

خدا کیوں کر ملائے دلربا سے نہ کہیے دو کہ یہ قدرت نہیں ہے
معاذ اللہ مگر

یہی کہہ کہ کے ٹالو حق شناسو! کرے جو چاہے پر عادت نہیں ہے
بہلاتا ہوں دل کو

ذرا بیتاب کو باہر تو دیکھو تمہارے آگے گو غیرت نہیں ہے
عزت

آج پیغامبر نہ کچھ کہنا ہیں بہت ہم پہ وہ خفا بیٹھے

"وہ ہم پہ بہت" جہاں پورا لفظ آسکے، یعنی پر، وہاں ادھورا لفظ کیوں لکھیے البتہ جہاں گنجایش نہ ہو، وہاں قاعدے کے موافق جائز ہے اور اس قاعدے کا نام تخفیف ہے۔

یہ بھی قدرت خدا کی ہے بیتاب تم بھی اب بن کے پارسا بیٹھے

تیغ کھینچے ہوئے جس وقت وہ قاتل آئے — کوئی ہے میرے سوا جو کہ مقابل آئے

کون

کیوں یک بیک زمانے کا نقشہ بدل گیا — یہ رنگ تو ہوا تھا نہ دنیا میں آشکار

ناگاہ کیوں

تنہا کچھ آج گل ہے وہ اس خاکدان کی — خلدِ بریں بھی روبرو ہے جس کے شرمسار

یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا (عرشی) — ہو

گل نے کیا ہے شاخ کے ہر جزو سے سر بدر — اب کون سی جگہ ہے کہ نکلے جہاں سے خار

جزو ظہور

بیٹھے ہیں مطمئن سبھی بزمِ نشاط میں — ہاں اک صبا تو پھرتی ہے گلشن میں بے قرار

نسیم

کثرت سے بسکہ جمع ہوئے شاہدانِ گل — کس کس مزے سے ہوئے آپس میں ہمکنار

ہوتے ہیں

دن عید ہے زمانے میں اور رات شبِ برات — ہر سمت راگ و رنگ ہے قانون اور ستار

شب

وہ دن ہے آج جس پہ کروں جان تک نثار — ہے جشنِ غسلِ صحتِ نوابِ نامدار

فدا - اگر یہ مطلع ہے تو چاہیے اس سے پہلے ایک شعر میں اطلاع دی جائے

بے شک طمانچۂ ملک الموت گرز ہے — ہے تیغ اس کی قہرِ خدا وقتِ کارزار

تپانچۂ

ممکن نہیں جو کر سکے ممدوح کی صفت — بیتاب اب دعا ہی یہ بہتر ہے اختصار

تنہا

عالم کے حق میں آیتِ رحمت بنا دیا — رکھے سلامت اس کو زمانے میں کردگار

آئیہ

بات یہ ہے وقت پر خوب سجاہی مجھے   فکرِ رسا کا بڑا مجھ پہ ہیا احسان ہوا
سجھائی   نطق

دھوم سے سرکار میں جشن کا سامان ہوا   عرش سے لے فرش تک عیش کا طنیاں ہوا
ہے   ہے آج

رنگ محل کا سماں ہو نہیں سکتا بیاں   جس کی نظر پڑ گئی ششدر و حیران ہوا
دار

کثرتِ تقدیس سے مثلِ جبینِ عروس   روئے زمیں پر عجب طرح کا افشاں ہوا
طرز

بزم منور ہوئی مقدمِ نواب سے   جب کہ وہ رونق فزا جوں مہ کنعاں ہوا
جب سے کہ   وہ

پچوں بہ معنی مثل و مانند اب متروک ہے، اور چوں لفظ فارسی الاصل تو آگے بھی متروک رہا ہے۔

دور میں اُس کے بہ جز ابر نہ رویا کوئی   اور جس کے سوا کوئی نہ نالاں ہوا
بہ جز رعد کے

مسندِ اقبال پر یوں وہ نمایاں ہوا   صفحۂ گردوں پہ جوں مہرِ درخشاں ہوا
(میرزا صاحب نے اسے قلم زد کر کے یہ مطلع لکھا تھا۔ عرشی)

دودۂ چنگیز میں جیسا کہ قاآں ہوا   ویسا ہی اس قوم میں کلب علی خاں ہوا
(اس پر بیتاب نے لکھ دیا ہے قصیدۂ ہذا در شانِ یوسف علی خان بہادر مرحوم بود ازیں سبب شعر ہذا نوشتنی نیست)

ہو رہی ہے عجب آراستگی کہنہ ہما   سب فرشتے اسی خدمت پہ ہوئے ہیں مامور
دنیا کی

نہ کھڑے کرتے ہیں سجادۂ طاعت جبریل
اک طرف ہاتھ پہ دھر رکھتے ہیں سرافیل بھی صور

قبضِ ارواح سے معذور ہوئے عزرائیل
موت کا غم ہی کسی کو نہیں سب ہیں مسرور
کی فکر

زیب و زینت کا اب اس دہر میں کیا کہنا ہے
کی
صانعِ گل کی جو تعلیم، ملائک کا شعور
تو

~~چاندنی رات کا تو ذکر ہی کیا صلِّ علیٰ~~
کیا ذکر ہے! اللہ، اللہ!
لیلۃ القدر پہ فائق ہے شبِ تار کا نور

کو بہ کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کہ دیں کس کو زکات
تھے جو محتاج جہاں میں وہی ہیں ذی مقدور
وہ ایسے ہوئے

کوئی دعوت سے مسافر بھی نہ محروم رہا
بادشاہوں کے یہاں بھی تو نہ تھا یہ دستور
بانِ جہاں کا بھی

اس قدر کھانے کی افراط ہے اور پانی کا قحط
دیکھو جس چاہ کو، شربت سے ہے منہ تک معمور
ہے قند سے

کس سلیقے سے ہے آراستگی ہر ہر شے کی
مہتمم بزم کے آج اپنا دکھاتے ہیں شعور

تھاپ طبلوں کی جو بجتی ہے فلک پر پیہم
لہر سارنگیوں کے حسن کے ملک ہیں مسرور
سے

حشر تک کان سے نکلے گی نہ نغمے کی صدا
یہ خیال آپ گا اک تان ہے شور نشور
ئے بس

تھاپ طبلوں پہ پڑی، ~~آئے پریوں کے جھمگٹ~~
پریوں کے آئے جھمگٹ
شادیانے کی صدا پہنچی فلک سے بھی دور

~~گھونگرو~~ کے وہ جھماکے، وہ صدا نغمے کی
گھونگروں
اہلِ محفل کو کیا عشوہ گروں نے مسحور

چلی اس طرح سواری کہ نہ دیکھی نہ سُنی   رشک کھانے لگے مرقد میں امیر طیمور

یہ لفظ "طوئے" سے نہیں، "تے" سے ہے اور پھر تیمور بہ وزنِ طنبور نہیں، دراصل
تمُر بہ وزنِ بسُ دُرے۔ لکھتے ہیں تیمور اور پڑھتے ہیں تمر اور تمر ترکی میں فولاد کو کہتے
ہیں۔

شتری و فیلی دمامے ہیں، نفیر و نوبت   دف و نَے، تاشہ، دہل، جھانج، ترم ہے طنبور

لنگئیں تاش تمامی کی ہیں باندھے سقّے   ہیں ہزارے چڑھے اور عطر سے مشکیں معمور

لنگیاں

کرد ایں فخرِ قصائد چو رقم خامۂ من   وجد کردند چہ خاقانی و عرفی در گور

خاتمۂ قصیدۂ ہندی بہ شعرِ فارسی، خصوصاً وقتے کہ لفظ گور قافیہ باشد
مناسب نیست۔

للہ الحمد کہ اب چرخ ہوا نیک خصال   ترک اس نے کیے وہ اپنے قدیمی افعال

اپنے وہ

راہ میں ٹھوکریں کھاتے ہیں پڑے لعل و گہر   خذف و سنگ سے بے قدر ہیں دینار و ریال

خذف بہ معنی ٹھیکری کے لغت فارسی اور املا اس کی ز سے ہے

ناچ گانے ہی کی ہر سمت سے آتی ہے صدا   مصطفےٰ باد ہی اب برج ہے گر کیجے خیال

ہر   بھی

ہے کسی جا پہ بھگت، ریس کہیں سانگ کہیں   کہیں کنچن، کہیں کتھک ہیں کہیں ہیں قوال

راس

کوئی باعث بھی تو ایسا ہی قوی ہے ورنہ   اس کی عادت سے تو یہ بات تھی از بس ہی محال

البتہ

اپنے اسرار سے واقف ہے تو ئی اے پرُ فن   بھید تیرے کوئی پہچانے یہ ہے کس کی مجال

آگاہ   یہ کس کی

بن پڑے صانع قدرت سے کی دو ایک نقشہ — کھینچتا اور بھی کچھ سکتیں گر ایسی اشکال
یہی نقشے — کچھ

دیکھ کر اس کی عبارت کو ظہوری ہے دنگ — لکھے ایسا؛ نہیں یاقوت رقم خاں کی مجال
بھی

اور شجاعت کا یہ عالم ہے کہ زہرہ ہو آب — دیکھ لیں ~~حضرت رستم~~ اگر اس کی تمثال
لے رستم دستاں

ہو یہ حیرت میں ~~نہیں~~ تھا کہ زمیں پر ~~اللہ~~ — عرش کی سیر کا راکب کو گر آجائے خیال
کہ میں یہاں یارب

~~وعدہ کے ساتھ وفا ایک جزلانیفک ہے~~ — ~~عہد کا نقض ہوا عہد میں اس کے بے محال~~

جز لانیفک غلط۔ جزولاینفک صحیح۔

بھوکے پیاسوں کے خور و نوش کے کیوں آتے نہ دن
یہ مسلّم ہے کہ بعد رمضاں ہے شوال

از

فلک پہ کوئی اڑ جائے، ~~پہ وہ~~ ہی — نصیبوں میں سوا دو گز زمیں ہے
پر آخر

یہ سچ تحسین کے قابل ہیں معشوق — مگر عشاق پہ بھی آفریں ہے
کو

جنابِ غالبِ دوراں کا بیتاب — خلوصِ طبع سے اب خوشہ چیں ہے

کلامِ حضرتِ غالبِ دوراں لفظ نامانوس ہے

اے دل تو اس کو دیکھ کے ایسا پھسل گیا — حیراں ہوں میں کہ پہلو سے کیوں کر نکل گیا
سینے

دل پر بنی ہوئی تھی اجل کے نہ آنے سے — اب جاں پہ آبنی تو ذرا دل سنبھل گیا
تو

کیسا مزا دکھاتے ہیں ہم بھی، ~~تو ٹھیر جا~~ — تقریریں کر کے روز یہ ناصح، تو ہل گیا
ٹھہر تو

پھاہا ہے وہ تیزاب کا کیوں ہوتے ہو برہم — ہم نے دل پر داغ پہ رکھا ~~ہے~~ جو مرہم
نہیں

وہ بات کرو ~~جیتے~~ نہ ہوں نالہ و افغاں — بے چین ادھر رہتے ہو تم اور ادھر ہم
جس سے

کہوں کیا ؟ ~~یوں بتانے~~ کی نہیں ہے — رقیبوں کے سنانے کی نہیں ہے
وہ بات ایسی چھپانے — پہ غیروں

تمہیں سچ ~~باور آنے کی نہیں ہے~~ — پر الفت بھی دکھانے کی نہیں ہے
نہ کہ مجھ سے کہ لے میری بلائیں — مری

وہاں رقیبوں سے گرم صحبت، یہاں امیدِ وفائے وعدہ
ہے ایک طرفہ ہی یہ تماشا، تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
یہ طرفہ تر

محبت تری اس کی نفرت بڑھی — یہ کیسا پڑا اب دل زار پیچ
لے

مسرور ہوں اغیار، خدا کی قدرت! — ان سے ہو تیرا پیار خدا کی قدرت
اور بیٹھے رہیں بزم میں تیری ~~ظالم~~ — ہم شکل گنہ گار، خدا کی قدرت
چپکے — مثل

غافل نہ کر اپنی زندگی کو تو خراب — دنیا کا یہ کارخانہ ہے مثل سراب
زندگانی

یا الٰہی یونہی وہ برسر بے داد رہے — مرچکے ہم تو نہ غیروں کی بھی بنیاد رہے
مٹ گئے

ضعف میں رگ تو کہاں ہاتھ نہیں ہاتھ آیا — کیوں نری فسد سے حیرت میں یہ فساد رہے
فصد — فصاد

اس کے مظلوموں پہ رحم آئے نہ کیوں کر بیتاب
مقتولوں
قتل کے بعد بھی خوش جسے نہ جلاد رہے
جس سے

نہیں تلوار کے آنے کی بھی اب کچھ حاجت — تیرے ابرو کے اشارہ نے مارا قاتل
رے ہی

دیکھنے کو جو ہم عشاق کی محفل آئے — سب پکار اٹھے کہ وہ مرشد کامل آئے
ہم جو کل دیکھنے، "جو ہم عشاق" تقطیع سے گر جاتا ہے۔

ہوں وہ مے کش جو کہیں ہوش ہوا عزم کروں — مے کدہ لینے کو میرے کئی منزل آئے
کبھی

بدنصیبوں کی ذرا وصل کی خوبی دیکھو — کہ وہ آئے بھی تو اغیار کے شامل آئے
شب

یا علی تیرے سوا کہتے وہ فریاد کرے — جب کہ بیتاب پہ مولا کوئی مشکل آئے
کس سے

نامعلوم

صاحب میں کل تمہارا مسہل سمجھے ہوئے تھا اس وقت میر غالب علی
سے معلوم ہوا کہ تم مسہل پیے ہوئے بیٹھے ہو خدا فضل
کرے بشرط بقائے حیات آخر روز میں بھی آؤنگا ۱۲
فرہنگ جہانگیری مسترد پہنچتی ہے ہفت پیکر و ہشت بہشت
اگر دونوں ہوں تو دونوں معًا اور اگر دونوں نہوں تو
جو ہو وہ نیاز علی حامل رقعہ کو حوالہ کرو غالب ۱۲

صاحب!

میں کل تمہارا مسہل سمجھے ہوئے تھا، اس وقت میر غالب علی سے معلوم ہوا کہ تم مسہل پیے ہوئے بیٹھے ہو۔ خدا فضل کرے۔ بہ شرطِ بقائے حیات آخر روز میں بھی آؤں گا![10]
"فرہنگِ جہانگیری" مسترد پہنچتی ہے۔ "ہفت پیکر" "و ہشت بہشت" اگر دونوں ہوں تو دونوں معًا اور اگر دونوں نہ ہوں تو جو ہو وہ نیاز علی حاملِ رقعہ کو حوالے کرو۔

غالب[13]

مظہر علی اور عبداللہ

اسداللہ بے گناہ جس کا تخلص غالب اور خود اہلِ ہند کا مغلوب ہے۔ مہتمان اخبار بلادِ ہند سے عموماً عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر کا استغاثہ از روئے ''اکمل الاخبار'' اپنے صحائف میں درج فرماکر ممنون فرمائیں :

استغاثۂ غالب :

کئی ہفتے پہلے ایک خط لکھنؤ سے بسبیل ڈاک انگریزی بصیغۂ بیرنگ میرے نام آیا۔ راقم عبداللہ رئیس و معافی دار کہاں کا' بہ ہر حال محصول دے کر میں نے خط لیا اور پڑھا تو اس میں لکھا تھا تو نماز کیوں نہیں پڑھا کرتا۔ خبردار ! نماز پڑھا کر اور نماز نہ پڑھے گا تو بعد مرنے کے بھوت بن جائے گا۔

کل پنجشنبے کے دن ایک اور خط بیرنگ آیا۔ سرنامے پر یہ عبارت مرقوم :
انشاء اللہ لفافہ ہذا در شہرِ دہلی رسیدہ بہ ملاحظہ اقدس جناب مستطاب نواب اسداللہ غالب مرسلہ یاد۔ مرسلۂ مظہر علی از مارہرہ ضلع ایٹہ۔ بیرنگ۔ تاریخ ۲ رجب ۱۲۸۵ھ روانہ شد۔ مضمون بعینہٖ یہی کہ نماز پڑھا کر ورنہ بعد مرنے کے بھوت ہو جاؤ گے۔ والسلام علیک۔ نام ندارد۔ فقط مرسلہ مظہر علی از مارہرہ ضلع ایٹہ بہ سرکارِ خورد تمام ہوا۔

اب فقیر مکتوب نگار ایسا کہتا ہے کہ پہلے خط میں، میں نے عبداللہ کو اسم فرضی سمجھ لیا تھا، مگر اب دوسرے خط میں اس توضیح سے کاتب کا اسم و مقام لکھا ہوا ہے تو کیوں کر شک، وشبہ باقی رہے۔ بس، اب میں قہر درویش بر جانِ درویش پر عمل کر کے چپ ہو رہتا ہوں مگر یہ حافظ کا شعر جواب میں لکھتا ہوں:

من اگر نیکم دگر بد تو برو خود را باش

ہر کسے آن درود عاقبت کار کہ کشت

یہ دوسرے شخص صاحب بے نام و مقام ہیں۔ اخبار میں دیکھ کر سمجھ لیں گے، شاید وہ پہلے صاحب بھی کسی اخبار میں مشاہدہ فرمالیں۔"

۲ اکتوبر ۱۸۶۴ء

منشی نول کشور

منشی صاحب، جمیل المناقب جناب منشی نول کشور صاحب کو دولت واقبال وجاہ وجلال روز افزوں نصیب ہو۔

چوں کہ احباب کامیابی وشادکامیِ احباب سے شاد ہوتے ہیں، اس واسطے مجھے ان دنوں میں یاوریِ اقبال سے ایک امر خوشی کا پیش آیا ہے تو آپ کی خوشی کے واسطے آپ کو لکھتا ہوں بلکہ بنظر ہم دگر کے اتحاد پر تم کو تہنیت دیتا ہوں۔

آپ کو مبارک ہو کہ آخر ماہِ گذشتہ کو جو حضرت فلک رفعت نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمروِ پنجاب دہلی میں تشریف لائے تو سہ شنبہ کے دن ۳ مارچ ۱۸۶۳ء حال کو اس گمنام گوشہ نشین کو یاد فرمایا اور از راہِ بندہ پروری کمال عنایت سے خلعت عطا کیا۔

سبحان اللہ، جو لوگ متعلق ہیں لفٹنٹ گورنر پنجاب سے، وہ قسمتوں کے کتنے اچھے ہیں جناب وزیر کے مکارمِ اخلاق وہ روح فزا کہ جس سے مُردہ زندہ ہو جائے۔ صاحبِ والا مناقب تامس ڈگلس فورسائتھ صاحب بہادر سکرتر کے کلماتِ شفقت آمیز وہ روح آسا کہ جس کو سن کر بیمار شفا پائے..... میں ... (کرم خوردہ) شادماں آیا، بلکہ بوڑھا گیا، جوان آیا۔ سچ ہے :

وزیرے چنیں شہر یارے چناں
جہاں چوں نہ گیرد قرارے چناں

...... (کرم خوردہ) ...... لفٹنٹ گورنر بہادر اور صاحب سکرتر بہادر کا کیا کہنا ہے۔ ..... (کرم خوردہ) ..... آفتاب و ماہتاب ہیں، مگر پنڈت من پھول سنگھ صاحب میر منشی بھی دیانت و امانت و کارپردازی و مظلوم نوازی میں انتخاب ہیں۔ یہ نہ مبالغہ ہے، نہ خوشامد ہے۔ بیانِ واقعی ہے۔ شاعرانہ سخن سازی کو میں نے دخل نہیں دیا ہے، وہ لکھا ہے، جو سچ اور واجبی ہے۔

دوامِ دولت سرکار انگریزی کا طالب

اوائل مارچ ۱۸۶۳ء [1] رنجور ناتواں اسد اللہ خاں غالب

(۲)

جنابِ صاحب مہتمم اودھ اخبار زاد مجدہم [2]

آپ کے اخبار ۱۷ ستمبر میں کالم ۱۲۱ پر خبر الور میں مندرج ہے کہ مہاراجا الور جنگل سے ایک شیر کو ٹھی میں قید کر کر کئی روز گرسنہ کر کے جب وہ شور و شر سے باز رہا، بہ پنجرۂ آہنی میں گرفتار کر لائے۔ اے صاحب! مہاراجا صاحب تو والیِ ملک اور صاحبِ اقبال ہیں، وہ تو شیروں کو اگر چاہیں تو گوسفند سے گرفتار کرا منگادیں۔ ان کے رعبِ عدل سے جب شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیئیں، پھر اُن کو شیر کیا حقیقت ہے۔ میں اس پر ایک ذکرِ تعجب خیز اور فسانۂ حیرت انگیز گرفتاری زندہ شیر کا بے سروسامانی میں ایک معزز شخص کا سناتا ہوں یعنی ۱۸۵۶ء میں محمد مردان علی خاں صاحب نے کہ اُس وقت تحصیل دارِ کوہ مری دار القرار گورنمنٹ پنجاب کے تھے اور اب ایک سرکارِ پنجاب میں اہل کار ہیں۔ خود ایک شیر ژیاں جنگل کوہ مری سے زندہ یوں گرفتار کیا تھا کہ پتھروں کا ایک چھوٹا سا صندوق کے طور کا فقط اسی قدر کوٹھا بنایا کہ شیر اُس میں سما سکے اور شکار لگا دیا تھا۔ ایک شیر مردم خوار اُس میں قضا کار آ لگا۔ کئی سو آدمی خاں صاحب کے ساتھ اُس علاقے کے جمع تھے۔ ایک کو یارا پاس جانے تک کا نہ ہوا اور ان شیر دل جری نے رستمانہ

اُس کے اوپر بیٹھ کر رسّے سے پھنسایا۔ اور پتھر اُس کے منھ سے ہٹا کر تو ایک چوبی صندوق
میں گرفتار کر کر قید کر لیا۔ اُس وقت شیر کا گرج اور شور و غوغا کوسوں تک آدمیوں کے
زہرے کو آب کرتا تھا اور لطف یہ کہ، جس دن شیر لگا، اُسی دن اس شجاعتِ خداداد
اور جرات سے اس کو گرفتار کیا اور وہ چار ماہ پالا۔ پھر قضا سے مر گیا۔ یہ بات طشت
از بام اظہر من الشمس ہے۔ وہ شیر پورے قد کا تھا۔ خان ممدوح سے صرف شیر کا
پکڑ لانا اس لیے کچھ بعید نہ تھا کہ اُن کی شجاعت کئی وقت پر ظہور میں آچکی ہے۔ یعنی
جب وہ اٹک کی حدود پر تحصیل دار وغیرہ رہے تو ملک باغی اور ملک آفریدی سے
صرف جریدہ جا جا کر بہت سے خونی اشتہاری مسلح بہادرانہ پکڑ پکڑ لائے اور ہزارہا
روپیہ سرکار انگریزی سے انعام پایا۔ غدر حال میں بھی بہ خیر خواہی سرکار وہ سینہ سپر رہے
کوہ مری کے بغاوت و فساد میں جب کہ وہ دوسری تحصیل میں تھے، کوہستان میں جا کر
دافعِ فساد رہے۔ غرض شجاعت اور جرات و دلیری بھی ایک بڑی نعمتِ خداداد
ہے اور جبلّی ہے۔ کچھ اختیاری نہیں اور امیر غریب پر بھی منحصر نہیں ہے۔ الغرض خان ممدوح
بھی اسم با مسمّیٰ ہیں۔ اور حق بجانب مردکی صفت ہی مردانگی ہے۔ فقط

راقم بندۂ اسد اللہ ستمبر ۱۸۶۴ء

میر ولایت علی کے نام

(۱)

شفیق مکرم میر ولایت علی صاحب کو خدائے جہاں آفرین ..... سلامت رکھے۔ از روئے اودھ اخبار لکھنؤ "بوستانِ خیال" کا ترجمہ مسمّی بہ "پرستانِ خیال" آپ کے مطبع میں آمادۂ انطباع بلکہ دو جلدوں کا منطبع ہو جانا اور دونوں نسخوں کا بہ قیمت عہ ۱۲ / (ایک روپیہ بارہ آنے) کے بشرطِ ارسال محصول ڈاک ہاتھ آنا معلوم۔ ٹکٹ ..... مالیت دو روپیے کے بھیجتا ہوں۔ پونے دو روپیے قیمت کے اور چار آنے از روئے قیاس محصول کے ..... (کذا) فقیر کو آج یہ حال معلوم ہوا۔ آج ہی خط مع محصول روانہ کیا۔ آپ سے مستدعی بلکہ متقاضی ہوں کہ اسی طرح آپ بھی عجلت کو کام فرمائیے اور جس دن میرا خط پہنچے، اس کے دوسرے دن پارسل روانہ کیجیے۔ صورتِ تعجیل میں شکر گزار اور صورتِ توقف میں گلہ سنج رہوں گا۔

۸ ذی قعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ
۴ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء

مہر
محمد اسد اللہ خاں
۱۲۳۸

(۲)

جناب میر ولایت علی صاحب!

واسطے اپنے جد کے۔ میری تقصیر معاف کیجیے اور حقیقت میں میرا گناہ نہیں:

پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند

ستر برس کی عمر، حافظہ معدوم، نسیان مستولی۔ کل آپ کو خط لکھا۔ لفافہ کرتے وقت ٹکٹ چپکانے بھول گیا۔ آج جو بکس کھولا تو ٹکٹ بکس میں پائے۔ ذلیل و خوار و خجل و شرمسار آج لفافہ جدید میں ملفوف کر کے بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائیں۔

غالب یک رنگ

4 ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ

5 اپریل ۱۸۶۵ء

حکیم غلام نجف خاں

(۱)

تو صاحب یہ پندرہ بیتیں ہیں تقسیم اس کی اسطرح رکھنا کہ پہلی ایک سیدھی سطر میں
صاحب اجنٹ کا نام مع اجزائے خطابی بخط نستعلیق لکھا جاوے اور پھر ترچھی
پانچ پانچ بیتیں تین بار لکھی جاویں اور آخر کو یہی سطر جو میں نے اپنے نام کی مع
خطاب و دستخط لکھدی ہے جلی قلم سے لکھی جاوے کاغذ البتہ بڑا
ہوگا اور تقسیم اچھی طرح کیا جاویگا اگر تم خوش ہو اور بندہ پرور تو تحفہ
بہت اچھا ہوگا یہ ایک طرز ہے مگر نمونہ اچھا ہے تم کسو شخص سے اسکی
نقل کرواؤ اور کاتب خوشنویس سے [illegible] لکھواؤ اب
آپ اسکو جلد تیار کر منگا لیجیے اور [illegible]

[illegible] ۲۰ مئی [illegible]

تو صاحب یہ پندرہ بیتیں ہیں تقسیم اس کی اسی طرح رکھنا کہ پہلے ایک سیدھی سطر
میں صاحب اجنٹ کا نام مع اجزاے خطابی بہ خطِ نستعلیق لکھا جاوے، اور پھر ترچھی پانچ
پانچ بیتیں تین بار لکھی جاویں، اور آخر کو یہی سطر جو میں نے اپنے نام کی مع خطاب و

تخلص لکھ دی ہے۔ جس طرح کہ ہے اسی طرح لکھی جاوے، کاغذ البتہ بڑا ہوگا، اور تقسیم اچھی طرح کیا جاوے گا۔ ان دو سطروں اور پندرہ شعر پر تو صورت بہت اچھی ہوگی۔ یہ ایک نمونہ ہے، مگر نمونہ اچھا ہے۔ تم کسو شخص سے اس کی نقل کرواؤ اور کاتب خوش نویس یعنی مرزا عباداللہ بیگ سے لکھواؤ۔ اب آپ اس کو جلد تیار کروائیے اور ...... (کرم خوردہ) آپ کو اب کی یا پانچ صہ ..... میں ملے گا۔ والسلام

(۲)

بھائی یہ نہ سمجھو سلطان بمعنی مصدر آتا ہے سلطنت۔ اگرچہ من حیث القیاس
صحیح ہے لیکن ٹکسال باہر ہے خلد اللہ ملکہ و سلطانہ لکھتے ہیں منشیان
ایران و روم و ہند سب یوں ہی لکھتے آئے ہیں ضمان بھی بمعنی ضامن اور
بھی بمعنی ضمانت سلطان ہے بمعنی بادشاہ اور ہے بمعنی سلطنت اسمیں
کچھ تامل نہ کرو کسکی مجال ہے جو اس پر معترض ہو سکے لیکن ملکہ و سلطانہ
ملک بھی مذکر ہے اگر ملکہا و سلطانہا بنجائے تو بہتر ہے ورنہ
خیر یوں ہی رہنے دو ہم سے کوئی پوچھیگا تو ہم کہہ سکتے ہیں [illegible] برعایت
شکوہ سلطنت بمعنی تانیث کے رعایت کی ہے اور یہ بھی تو یوں ہے اور اگر
کاتب سے [illegible] تو [illegible] کا نمونہ مشادکیا اور الف بنادینا
دشوار ہو [illegible] نہ ہو سکے تو بنوا دو اور سلطانہ کو مذکر [illegible]
بدلنا [illegible] کا قرار دیا بعد اس کے [illegible] یہ
عرض ہے ہر روز [illegible] کو عرضی لکھی ہوگی میرے پاس آ جائے گا
غالب

ٹھ بھائی یہ نہ سمجھو "سلطان" بہ معنی مصدر آتا ہے "سلطنت" اگرچہ من حیث القیاس صحیح ہے لیکن ٹکسال باہر ہے۔ "خلد اللہ ملکہ، و سلطانہ" لکھتے ہیں منشیانِ ایران و روم و

ہند سب یوں ہی لکھتے آئے ہیں "ضمان" بھی بہ معنی "ضامن" اور کبھی بہ معنی "ضمانت"۔ "سلطان" بھی بہ معنی بادشاہ اور کبھی بہ معنی سلطنت۔ اس میں کچھ تامل نہ کرو۔ کس کی مجال ہے جو اس پر ہنس سکے۔ لیکن "ملکہ" و "سلطانہ" علامتِ تذکیر ہے۔ اگر "ملکہا و سلطانہا" بن جائے تو بہتر ہے، ورنہ خیر یوں ہی رہنے دو۔ ہم سے کوئی پوچھے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ برعایتِ شکوہ "سلطنت" ہم نے تانیث کی رعایت نہ کی اور سچ تو یوں ہے کہ اگر کاتب سگھڑ ہو تو ہائے ہوز کا شوشہ مٹا دینا اور الف بنا دینا دشوار نہیں ہے۔ بن سکے تو بنوا دو اور "سلطانہ" کو خدا کے واسطے مت بدلنا۔ یہ بلغائے عرب و عجم کا قرار داد ہے۔ بعد اس سب تقریر کے یہ عرض ہے کہ پرسوں پنجشنبہ کو عرضی لکھی ہوئی میرے پاس آجائے۔"

غالب[۱۳]

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

(۱)

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔ مجھ کو حضرت برجیس فطرت جناب حضرت صاحب عالم صاحب سے نسبت اویسی ہے۔ غائبانِ حاضر کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے۔ آپ کی طرزِ نگارش نظماً و نثراً درخشندگی جوہرِ طبع سے خبر دیتی ہے۔ اگر آپ کی طرف سے استصلاح کا کلمہ درمیان نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا۔ باوجود خواہش خدمت کیوں نہ بجا لاؤں میں یہ چاہتا ہوں کہ میری معلومات آپ پر مجہول نہ رہیں۳۔ مجموعِ ایک ورق میں کیوں کر گنجائش پائیں۔ ناگزیر جو اس نظم و نثر میں ہے، اُس کو عرض کرتا ہوں۔

"بسر در آوردن"، مخلِ معنی "در آوردن" کافی۔ "شور در انگیختن"، "ٹکسال باہر" "از سر انگیختن" مناسب۔ "نہ برانگیزد" "و نہ برخیزد"، فارسی ہند "برنہ خیزد" و "برنینگیزد" فارسی عجم۔ "بر" لفظ زائد اور نون مفیدِ معنی نفی۔ لفظ زائد ما قبل کلمہ چاہیے۔ "نالہ ہا کہ از دل سر بر زدہ اند" یعنی "یہ"؛ غیرِ ذوی الروح بلکہ غیرِ ذوی العقول کی جمع کی خبر بہ صیغہ مفرد رسم ہے۔

"پریستان" اصل لغت، مخفف اس کا بہ حذف تحتانی "پرستان"۔ "پری استھان" توہم محض، مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم الشعرا رودکی سے فخر المتاخرین شیخ علی حزیں

تک کسی کے کلام میں "پریستان" یا "پرستان" دیکھا نہیں۔

حضرت صاحب قبلہ کی جناب میں میرا اسلام عرض کیجیے اور کہیے کہ آپ کا عطوفت نامہ اور ساتھ اس کے چودھری صاحب کا مودت نامہ پہنچا، دونوں نگارشیں جواب طلب نہ تھیں۔ کل پرسوں ایک چھاپے کی کتاب کا پارسل جس کا عنوان سید فرزند احمد صاحب کے نام کا ہے ارسال کیا ہے۔ آپ بھی بہ نظر اصلاح مشاہدہ کیجیے گا۔ ہاں پیر و مرشد! فارسی کے کلیات کو بھی کبھی آپ دیکھتے ہیں یا نہیں؟ بقول انشاءاللہ خاں :

یہ مری عمر بھر کی پونجی ہے

جناب سید فرزند احمد صاحب سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام و پیام پہنچا کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور ان کے اخوان کو اور حضرت مقبول عالم کو میرا سلام کہیے گا جناب چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہہ کر یہ فرمائیے گا کہ وہ اپنے عم نامدار اور استاد عالی مقدار کو میرا سلام کہیں۔ زحمتِ تبلیغ سلام و پیام، تقدیمِ خدمتِ اصلاح کا دست مزد ہے۔ والسلام

یوم الخمیس ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ و نجات کا طالب غالب
۱۲ مئی سال حال ۱۸۶۴ء

(۲)

مخدوم زادۂ مرتضوی دودمان، سعادت و اقبال توامان، مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ میں نے جو استصلاحِ اشعار میں امتثالِ امر کیا ہے تو اس واقعہ کو یوں سمجھ لیا ہے کہ میں جناب امیرالمومنین کا بوڑھا غلام ہوں۔ امیر نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ میرے سپرد کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ تو اس کلام کو دیکھ لیا کر۔ ورنہ میں کہاں اور یہ ریاضت کہاں۔

اپنے نانا صاحب کی خدمت میں میری بندگی عرض کیجیے گا۔ اگر چہ حضرت میرے ہم عمر ہیں مگر ان کے ابوالآباد کا غلام ہو کر سلام کیا لکھوں۔ مجھ کو ارادت میں ان سے نسبت اویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنوی نسبت میں چاہیے۔

جناب صاحبزادہ ہائے مرتضوی گہر حضرت سید عالم صاحب اور شاہ عالم صاحب اور مقبول عالم صاحب اور خورشید عالم صاحب کو دعا ہائے درویشانہ اور سلام ہائے مسنون۔ حضرت رفعات۔ درجات مولوی سید محمد امیر صاحب کی جناب میں بعد..... نیاز کے معروض ہے کہ خزف بہ زائے ہوز بے تنگ زباں دری میں سفال.... لغات عربی میں اس کا نشان پایا جاتا از روے تعریب پایا..... بلسانین ہوگا۔ ہر چند زبانِ عجم میں اشتراک نادر ہے مگر..... نہیں جیسا کہ بخت .... مشترک بین اللسانین ہے......

غالب

(۴۳)

نور نظرؒ، لخت جگر، زبدۂ اولاد پیغمبر، حضرتؒ مولوی سید فرزند احمدؒ زاد مجدہٗ اس درویش گوشہ نشین کی دعا قبول فرمائیں۔ "بوستان خیال" کے ترجمے کا عزم اور دو جلدوں کا منطبع ہو جانا مبارک۔

حضرت یہ آپ کا احسانِ عظیم ہے۔ مجھ پر خصوصاً اور جمیع[۱] بالغ نظرانِ ہند[۲] پر عموماً۔۔۔۔۔[۳]
(کذا) جناب میر ولایت علی صاحب سے بعد ارسال قیمت و محصول دو جلدیں مانگی ہیں۔ خدا کرے وہ پارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقعہ تمھارے پاس بعد۔۔۔

۸ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ[۵] (مہر غالب ۱۲۷۸ھ)
۴ اپریل ۱۸۶۵ء

(۴)

بہ علاقۂ مہر و محبت نورِ چشم و سرورِ دل اور بہ عایتِ سیادت مخدوم و مطاع مولوی سید فرزند احمد طال بقاؤہٗ و زاد علاؤہٗ اس مصرع سے میرا مکنونِ ضمیر دریافت فرمائیں۔

بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوانِ شما

یارب وہ کون بزرگ ہیں کہ سودائی کو معمائی سمجھتے ہیں۔ اصل فطرت میں میرا ذہن تاریخ و معما کے ملائم نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں از راہِ شوخیِ طبع گنتی کے تین[۱] عامیانہ معمّے لکھے۔ وہ مبادیِ کلیاتِ فارسی میں موجود ہیں۔ تاریخیں اگر ہیں تو مادے اوروں کے[۱۲] اور نظم فقیر کی ہے[۱۳]۔ یہ کلام نہ بطریقِ کسرِ نفس ہے، نہ بہ سبیلِ اغراق۔ سچ کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں۔۔۔[۱۴]
۔۔۔۔ (کذا) اس نامۂ مہر افزا کو دیکھ کر مبادیِ ''پرستانِ خیال'' کی عبارت یاد آئی[۱۵]۔ افسوس ہے کہ اس ہیچ میرز کے اجزائے خطابی اس مسودے کی تسوید کے وقت تک آپ نے نہیں سنے تھے، ورنہ اس کے کیا معنی کہ خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں اندراج نہ پائیں۔ محمد رضا برق کا خطاب معلوم تھا تو آپ نے لکھا ہے، حکایت ہے شکایت نہیں۔۔۔۔۔ (کذا) پہلی جلد، جس کا نام ''افق الخیال'' ہے، اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ جناب میر ولایت علی صاحب کو تاکید رہے کہ جب اس کا چھاپا تمام ہو، بے طلب بھیج دیں اور معاً قیمت لکھ بھیجیں۔۔۔۔۔ اشعارِ گہربار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ سب اچھے ہیں مگر جو میرے

دل میں اُتر گئے ہیں، وہ تم کو لکھتا ہوں :

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا
ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

کیوں حضرت "ابھی کچھ" کی تحتانی کا دبنا کیا غیر فصیح نہیں ؟

کچھ ابھی بات کر نہیں آتی

کیا اس کا نعم البدل نہیں[۲]۔

ورق ہیں جوشش مضمونِ گریہ سے بادل
بسانِ ژالہ ہے ہر نقطۂ کتاب میں آب
کبھی ہوں گرم کبھی سرد حسب موقعِ وقت
صغیر آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

درزفائل

عارفانہ و موحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ۔

تم سلامت رہو قیامت تک
صحت ولطفِ طبع روز افزوں

نجات کا طالب غالب[۳]

شنبہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ[۳]

۲۲ اپریل ۱۸۶۵ء

(۵)

نورالابصار، ممتازِ روزگار، زکی دارشد مولوی سید فرزند احمد طال بقاؤہ وزاد علاؤہ اس پیرِ ہفتاد سالہ کی دعا پہنچے ..... (کذا) آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا۔ یہ سترواں برس مجھے جاتا ہے۔ ہائے :

سنینِ عمر کے ستّر ہوئے شمار برس
بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس

نامۂ محبت افزا کو دیکھ کر آنکھوں میں نور، دل میں سرور آیا اور قصّہ "سروش سخن" اس کے دوسرے دن پہنچا..... ! ابھی کچھ بات کر نہیں آتی " کا جواب باصواب پایا۔

تم سلامت رہو قیامت تک
صحت و زورِ طبع روز افزوں

مگر ایسی باتوں سے بچنا مناسب ہے۔ گو مجھی سے ہو۔ شاعر پابندِ قواعد ہیں۔ کچھ قواعد حسبِ خواہش شاعر نہیں..... (کذا) مضمون بندی کا کام ہے مگر.....؟ مگر قواعد شاعر نہیں کہلاتا۔ الحمدللہ تم وقوف سے خالی نہیں..... (کذا)

قصہ دیکھا۔ آپ کے جوہرِ طبع کی لمعانی اور نیّرِ فکر کی درخشانی بہت جگہ پر پسند آئی۔ اگرچہ وہ قصہ تو بچوں کو سلانے کی کہانی ہے۔ مگر محنت کی گئی ہے۔ ہاں اگر "فسانۂ عجائب" کا مقابلہ کیا ہے تو کیا کہوں کہ کیا کہا ہے۔ ابھی دیکھتا ہوں۔ آئندہ اس کی کیفیت سے اطلاع دی جائے گی — الفاظ کی غلطی بہت پائی جاتی ہے۔ جا بہ جا 'لاچار' لکھا ہے اور 'لاچار' غلط ہے، کس لیے کہ 'چار' لفظ فارسی ہے اور جیم فارسی اس کی دلیل ہے۔ اگرچہ 'لا' عربی کا حرفِ نفی ہے مگر فارسی کا حرفِ نفی ہوتے کہ حرف "نا" ہے۔ "لا" کا لگانا کاتب کی جہالت ہے۔ یہ قصہ آپ کے خط سے نہیں معلوم ہوتا۔ شاید کسی کاتب سے لکھوایا ہے۔ ہائے خدا کی مار کاتبانِ نا ہنجار پر۔ میرا دیوان اور "پنج آہنگ" اور "مہر نیم روز" ستیاناس کر کے چھوڑ دیا۔ غزلیات فارسی اصلاح ہو کر جاتی ہیں۔ لو بس، میں اب نواب ضیاء الدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمہارے خط کے جواب نے اتنی دیر ان کو چُپکا بٹھا رکھا اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں۔ اور منشی صاحب بہت بہت بندگی کہتے ہیں

(۶)

نورچشم و سرور دل، فرزانۂ مرتضوی گہر، مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہٗ۔ اس نسبت عام سے کہ ہم اور آپ مومن ہیں، سلام، اور اس نسبتِ خاص سے کہ آپ میرے دوستِ رُوحانی کے فرزند ہیں دعا، اور اس نسبتِ اخص سے کہ آپ میرے خداوندکی اولاد میں سے ہیں، بندگی۔

میں قائلِ خدا و نبی و امام ہوں
بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب بہ سبیلِ ایجاز لکھا جاتا ہے؛ دُہائی خدا کی مجھے ولایت کی اپیل کی تاب نہیں، نہ تم اپیلانٹ ہو، نہ مجھے رسپاڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ "صبحِ بہار" کی عبارت فارسی ہے یا اردو اور ماکتب فیہ اس کا کیا ہے؟

چہار شنبہ[3]، ہفتم ذی الحجہ ۱۲۸۱ ہجری
۳ مئی ۱۸۶۵ء

نجات کا طالب غالبؔ[2]

نواب زین العابدین خاں عرف کلّن میاں

بندہ پرور!

مہربانی نامہ پہنچا۔ میں تو سمجھا تھا' آپ مجھ کو بھول گئے۔ بارے یاد کیا۔ جناب نواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میری امیدگاہ ہیں۔ میں اگر رام پور نہ آؤں گا تو کہاں جاؤں گا۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ تجھ کو آنے میں تردد کیا ہے۔ تردد کچھ نہیں' توقف ہے۔ وجہ توقف کی یہ کہ میں نے اپنے[1] پنسن کے باب میں چیف کمشنر بہادر[2] کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کمشنر[3] شہر کے' وہ درخواست حوالے ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے صاحب کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پنسن کی ہے تو یہاں کی کلکٹری کا دفتر اگر نہیں رہا' نہ رہے۔ ریونیو بورڈ کے دفتر[4] اور لفٹنٹ[5] گورنری آگرہ اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنسن کی کیفیت سے خالی نہیں ہیں اور اگر میری کیفیت مطلوب ہے تو میرا بے جرم اور بری اور الگ ہونا فساد سے از روے دفترِ قلعہ و اظہارِ مخبرین ظاہر ہے۔ بہ ہر حال صاحب کمشنر شہر' کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کر کر' چیف کمشنر کے ساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھیے کب آویں اور بعد ملاحظۂ کیفیت کیا حکم دیں۔ مگر تا صدورِ حکم' میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں' بعد ملنے حکم کے' خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالفِ مدعا' دونوں صورت میں رام پور آؤں گا' مگر حیران

ہوں کہ جب تک یہاں رہوں، کھاؤں کیا اور جب چلنے کا قصد ہو تو رام پور کس طرح پہنچوں۔ کیا خوب ہو کہ تم یہ رقعہ اپنے نام کا حضور کو یعنی حضرت نواب صاحب کو پڑھوا کر اس مدعائے خاص کا جواب، جو وہ فرمائیں، مجھ کو لکھ بھیجو۔ لیکن تم سے یہ توقع کیوں کر پڑے۔ کس واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت کر کر کب لکھا ہے جو اس بات کا جواب لکھو گے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔

ضروری جواب طلب۔

نگاشتہ ورواں داشتۂ چہارشنبہ ۲۴ مارچ ۱۸۵۸ء

از غالب

(۲)

نواب صاحب والاقدر عظیم الشان سلمکم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون مشہودِ خاطرِ عاطر ہو۔ سابق آپ کا خط متضمن اردو کے استفتائے روزمرہ کا آیا تھا۔ اس کا جواب جو مجھے معلوم تھا لکھ بھیجا۔ اب جو دوسرا خط آیا۔ اس میں آپ نے اپنے اشعار بہ توقعِ اصلاح بھیجے ہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ میں خاص خدمتِ اصلاحِ اشعار پر جناب نواب صاحب قبلہ کا نوکر ہوں اور آپ حضور کے عزیزوں میں اور فرزندوں میں ہیں، پس میں بے حکم حضور کے آپ کی خدمت بجا نہیں لا سکتا۔ ناچار کاغذِ اشعار مسترد بھیجتا ہوں۔ یہ امر یقین ہے کہ موجبِ ملالِ خاطرِ اقدس نہ ہوگا۔ بندگی بے چارگی۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں کہ مدعائے ضروری الاظہار اسی قدر تھا۔ والسلام۔

۱۴ مارچ ۱۸۶۵ء

راقم اسد اللہ خاں غالب

محمد حسین خاں

(۱)

مشفقی و مکرمی جناب محمد حسین خاں صاحب کو فقیر غالبؔ کا سلام پہنچے۔

اسد اللہ، ہر ہفتے "دبدبۂ سکندری" کے معائنے سے سرور اٹھاتا ہے، رام پور کے حالات پڑھ کر نہایت خوش ہے۔ ایک رباعی آپ کو اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ "دبدبۂ سکندری" میں جہاں رام پور کا آپ لفظ لکھتے ہیں، پہلے یہ رباعی لکھ دیا کیجیے اور علی الدوام اس کا التزام رہے، یعنی ہر اخبار میں اس مقام پر یہ رباعی لکھی جایا کرے اور وہ رباعی یہ ہے:

آں کیست کہ جسم ملک را جاں باشد؟
آں کیست کہ ہمسر سلیماں باشد؟
آں کیست کہ انجمش بغرماں باشد؟
کس نیست مگر کلبِ علی خاں باشد؟

اور ایک قطع اس مراد سے لکھتا ہوں کہ جہاں رام پور کی نمایش گاہ کا ذکر لکھو، اس عبارت کے خاتمے پر یہ قطعہ لکھ دو اور اگر یہ قطعہ نمایش گاہ کے ذکر کے بعد پہنچے تو اس کی

اطلاع لکھ کر لکھ دینا۔ یہ قطعہ ایک ہی بار لکھا جائے گا۔

نمایش گہے درخورِ شانِ خویش
برآراست نوابِ عالی جناب
بہ شب زہرہ و مہ قنادیلِ سقف
بود پیشکارش بروز آفتاب
ز غالب چو پرسیدہ شد سالِ آں
چنیں گفت آں رندِ خانہ خراب
از آنجا کہ در بزمِ عیش و سرور
ز بخشش جہانی شدہ کامیاب
چو بینی نہایت ندارد طرب
بگو سال آں "بخششِ بے حساب"!

۱۲۸۳ھ

"بخششِ بے حساب" کے "۱۲۸۵" ہوتے ہیں۔ جب "طرب" کی "ب" کے عدد کو دور کر دیجیے تو "۱۲۸۳" ہوتے ہیں۔ فقط

مگر بھائی صاحب! نواب صاحب سے بغیر اجازت لیے اور کہیں ہرگز نہ چھاپنا۔

۱۱ اپریل ۱۸۶۷ء　　　　جواب کا طالب غالب

(۲)

خاں صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غالب کا سلام پہنچے۔

آگے میں نے ایک خط مع ایک قطعہ اور رباعی کے بھیجا ہے، یقین ہے کہ آپ نواب صاحب سے اجازت لے کر اس کو موافق میری خواہش کے چھاپ دیں گے۔

۲۵ اپریل ۱۸۶۷ء　　　　راقم اسد اللہ خاں

(۳)

شفیقِ مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر اسد اللہ خاں کا سلام۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مطالب دل نشیں ہوئے۔ چوہتّر کی عمر ہوئی۔ اگر سن تمیز چودہ برس رکھیے تو ساٹھ برس کا نیک و بد سیاہ و سفید کا تجربہ کار ہوں اور حقیقت ہر بات کی کماحقہ فوراً ذہن میں آجاتی ہے۔ واللہ باللہ ثم باللہ، تمھارا خط پڑھتے ہی مجھ کو یقین آگیا، آپ بھی اس کو یقین سمجھیے گا۔ اب جو تم کو دوست صادق الولا جانا تو حقیقت لکھتا ہوں!

۱۰ مئی ۱۸۶۷ء

۵ محرم ۱۲۸۴ھ

(۴)

مشفقی اور مکرمی محمد حسین خاں صاحب کو غالبِ آزردہ دل کا سلام پہنچے۔ آج بھی آپ کا ایک خط آیا۔ کئی اخبار آپ کے بھیجے۔ کئی خط آپ کے بھیجے۔ اور آپ اخبار بھیجے جاتے ہیں۔ الٰہی! آپ کا خط خط تھا یا کوئی جھوٹ کی پوٹ۔ بیشتر مجذوبوں کی سی بڑ۔ اور جو کچھ مجھ میں آیا وہ غلط اور دروغ اور جھوٹ۔ یہ غلطِ محض ہے کہ مطبع حضور کا ہے اور تم مہتمم ہو حضور کی طرف سے، اللہ! اللہ! دیجے سنگھ کی تعریف میں کہیں سارا ایک صفحہ، کہیں سارا ایک ورق سیاہ کرتے ہو اور اپنے والیِ ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین نواب کلب علی خاں بہادر کے نام کے آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ تعظیم کے لکھتے ہو، بس اور اس قباحت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف سے ہے تو گویا دیجے سنگھ جی کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہوگی۔ ہندوستانی عمل داری میں وہ ایک زمین دار اور مال گزار تھا۔ اب گورنمنٹ ہند نے اُس کو جاگیردار

مستقل کر دیا اور نواب محمد علی خاں رئیسِ ٹونک کا ہر اخبار میں ایک مرثیہ لکھتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تم طرح طرح سے اطراف و جوانب کے رئیسوں سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی! "یک در گیر و محکم گیر" اگر حضور کے نوکر بھی نہیں ہو تم تو آخر رعیت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے بادشاہ کا ذکر سب سے پیچھے لکھتے ہو۔ کبھی صفحے پر کبھی حاشیے پر۔ ہم نے ان باتوں سے بیزار ہو کر تمھارا اخبار موقوف کیا ہے۔ اور اب پھر تمھیں لکھتے ہیں کہ دوہائی خدا کی! میں یکم جنوری ۱۸۶۶ء سے "دبدبۂ سکندری" کا خریدار نہیں ہوں۔ نہ بھیجا کرو، واسطے خدا کے نہ بھیجا کرو۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔

۲۵ فروری ۱۸۶۶ء

مہرِ غالب ۱۲۷۰ھ

عبدالرحمٰن تحسین

(۱)

(عبدالرحمٰن تحسین کا شعر تھا:

کمال سوزش پروانہ آخر
ز شمع آموخت طرز سوختن را

غالب نے یہ شعر قلم زد کر کے لکھا ہے۔)

مصدر غزل بھر میں ایک جگہ قافیہ ہو۔ دو بار آئے تو ایطائے جلی ہے اور اس شعر میں ایک اور قباحت ہے کہ شمع کا جلنا مقدم ہے اور پروانے کا جلنا موخر۔ پس متاخر کیوں کر اُستاد ہو سکتا ہے متقدم کا۔

میں بہ ہر حال زندہ ہوں "می گزرد" ہر دم وردِ زباں ہے۔

زکریا خاں ہفتۂ گزشتہ میں آئے تھے اور اب آئیں گے تو تمھارا سلام کہ دوں گا۔

جب تمھارے روزگار کی صورت ہو جائے تو مجھ کو ضرور اطلاع دینا۔

۲۲ دسمبر ۱۸۶۱ء۲؎ غالب[۱]

(۲)

صاحب!

پہلے تم کو اصلاح دی جاتی ہے۔ اسٹامپ کے ٹکٹ بھیجنے کے باب میں میں ہرا ملا نہیں، صرف تمھیں سے راہ و رسم مراسلت نہیں۔ دو چار خط ہر روز اطراف و جوانب سے آتے ہیں اور اُن کے جواب ادھر سے جاتے ہیں۔ ٹکٹوں کا بھیجنا خلافِ دستور و منافیِ ادب تھا۔ اب اگر ایسی حرکت کرو گے تو ہم آزردہ ہوں گے اور کبھی کوئی خط تمھارا نہ لیں گے۔

گندم نمائے جو فروش" و "جو فروش گندم نُما" صحیح اور درست۔ سعدی لکھتا ہے:

زہے جو فروشانِ گندم نما"

اس میں کسی طرح کا کلام نہیں۔

توجیہات زائد اسم توصیفی سہی۔ صفت در صفت سہی' ایک صفت اور ایک حال سہی۔ کلام اس میں ہے کہ تمھارے شعر میں موقع اس کا صحیح نہیں۔ یہاں تحتانی توصیفی چاہیے یعنی "در بازارِ ما گندم نمائے و جو فروشے نیست، دکانداران این چار سو این ہر دو صفت ندارند۔"

بالِ مرغ بستن و رشتہ بر بالِ مرغ بستن و نامہ بر بالِ مرغ بستن و پر بستن بے تکلف صحیح اور جائز۔ اس کے واسطے نظیر ڈھونڈنا اور شعرِ غنی پر متمسک ہونا کیا ضرور:

تا دلِ خوں گشتہ بیزاں گردد از غربالِ ما

یہ غلطِ محض اور محض غلط ہے۔ تفصیل سنو۔ "بیختن" بہ بائے عربی بہ عقیدۂ بعضے بہ بائے پارسی بہ ہر حال خشک چیزوں کے چھاننے کو کہتے ہیں۔ جیسے آٹا اور کھانڈ۔ "پالودن" سیالات کے چھاننے کو کہتے ہیں۔ جیسے پانی اور لہو اور دودھ اور شراب دلِ خوں گشتہ کے واسطے نہ "بیختن" آوے نہ "پالودن"۔ ہاں، خونِ دل کے واسطے "پالودن" لکھیں گے۔

"چشم خوں پالا و مژہ خوں پالا" مسموع ہے نہ "خون بیز"۔

بچہار شنبہ ۸ جنوری ۱۸۶۲ء

غالب

(۳)

صاحب! یہ شخص جامعِ غیاث اللغات رام پور میں ایک ملّائے مکتب دار تھا، ناقل ناعاقل اور پھر منقول عنہ، قتیل کے خرافات۔ یہ جو بلید الطبع لوگ ہیں، موافق اپنے قیاس کے کچھ تیور وضع کرتے ہیں۔ سخت احمق ہیں جو اُن کے اوہام کو سند جانیں۔ عبدالواسع "قانونِ خیال" میں لکھتا ہے کہ "بے مراد" صحیح اور "نامراد" غلط۔ حال آنکہ نامراد عظمائے ایران کے کلام میں ہزار جا ہے۔ قتیل لکھتا ہے کہ "کدہ" کے ماقبل سوائے دو چار اسم کے اور اسم کا لانا جائز نہیں۔ اسم مفرد "پرہمہ" کا لفظ روا نہیں۔ حال آنکہ اساتذہ کا منطق خلاف اس کے ہے۔ "بساط" "فرش" مترادف المعنی ہیں جو "بساط" کے واسطے جائز وہ فرش کے واسطے روا۔

"پیوند" جیسا کہ تم سوچے ہو "پیوستن" کا صیغہ امر ہے۔ مانند سوز و گداز بہ معنی مصدری مستعمل اور یہ جو تو لیش اور اقربا کو پیوند لکھتے ہیں۔ یہ معنی لغوی "پیوند" بھی صحیح لیکن حق تحقیق یہ ہے کہ اس مقام میں "پے" ترجمۂ "عصب" اور "وند" بہ معنی "مانند" یعنی عصب کے مانند۔

میں زندہ ہوں اور تندرست ہوں اور بوڑھا ہوں اور ضعیف ہوں اور اپنی زندگی سے بیزار اور اپنی مغفرت سے مایوس ہوں۔

سہ شنبہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۷۹ھ
۱۶ جون سال حال ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالب

کودک

مردم

(۴)

وحشتی دارد دلم بندم بہ زلفِ پُرخمش
غیراز بند
کودک
چارہ جز زنجیر نبود آورده آور را

مردم آوارہ کہاں زنجیر کہاں۔ زنجیر مردم کے سزاوار ہے :

زندہ ام خواہی اگر از مقدش آئینہ گو

انتظارم بر نتاند مژدۂ یکبارہ را

مخاطب کون ہے۔ پھر مژدۂ یکبارہ" بہ معنیِ" مژدۂ ناگاہ" یکایک اور دفیعہ اس کا یہ "آہستہ کہ" گویا مژدہ یکبارہ بہ معنی آواز بلند ہے :

منکہ ہر دم سیرِ عالم از رہِ دیگر کنم

قیدِ ~~مشرب~~ مذہب چوں پسند افتد من آوارہ را

ہر چند از روے لغت" مذہب" اور" مشرب" کے معنی ایک ہیں، لیکن شعرا نے فرق نکال رکھا ہے۔ "مذہب" سے "تقید" مراد اور "مشرب" سے" اطلاق" مقصود ہے۔ منہذا پہلے مصرع میں "سیر" اور" راہ" کا ہونا مذہب کے ساتھ مناسب اور ملائم ہے۔

غالب

(۵)

صاحب!

پہلے تو بتاؤ کہ تم گڑگانویں ہی کیوں رہ گئے، نوح کیوں نہ گئے۔ دوسرے یہ بتاؤ کہ پانی پت جاتے وقت تین آنے کے چھٹے ٹکٹ مجھ کو کیوں نہ بھیج گئے تھے۔ جواب طلب

زخشکی رہِ صحرا بہ تشنگی مردیم ما

بموجِ ریگ مگر زغرق شد سفینہ ما

(مرزا نے "مگر" کی جگہ" رواں" بنا دیا ہے) ہاے ہوز دو قسم پر مستعمل ہیں۔ ایک بہ اعلان اور ایک

مختفی کہ اس کو ہائے انتہائے حرکت بھی کہتے ہیں۔ ہائے اصلی جیسے "زرہ" اور "گرہ" اور "سیہ" اور "سپہ" قس علیٰ ہذا۔ دوسری قسم "چشمہ" و "کرشمہ"، "وغمزہ" و "گوشہ" و "لرزہ" و "مژہ"، اور یہ قسم بے شمار ہے بلکہ الفاظ عربی میں بھی یہ مستعمل ہے۔ "محبوبہ"، "معشوقہ"، "موجہ" یہ قسم بھی بہت ہے۔ اصلی کے آگے جو تحتانی آئے یا شین یا میم آئے تو "زرہت"، "زرہش"، "زرہم"، "کلہت"، "کلہش"، "کلہم" لکھتے ہیں اور باقیوں کو بھی یوں سمجھو اور ہائے مختفی "چشمہ اش"، "کرشمہ اش" اور یہی حال تحتانی اور میم کے ساتھ ہے۔ "مژہت" محض غلط اور غلط محض۔ اس طرح نہ لکھے گا مگر عامی بلکہ اُمّی۔ "چشمہ" و "کرشمہ" و "غمزہ" و "مژہ" اگر مضاف واقع ہوں تو ہمزہ علامت کسرہ ہوا کرتا ہے اور اگر اس کے بعد یائے توحیدی یا توصیفی آئے تو بھی ہمزہ لکھتے ہیں :

ہر کجا چشمۂ بود شیریں

اور "گرہ" اور "سپہ" کو صورت اضافت میں یوں ہی چھوڑ دیں گے جس طرح اور الفاظ کو : اور در صورتِ توصیف و توحید "گرہے" اور "سپہے" لکھیں گے۔

غالب

(۶۱)

دُردی زجنوں تا بہ ایاغ دلِ ما ریخت
صد تودۂ مستی بہ دماغ و ما ریخت

پہلے مصرع کے ریخت کا فاعل کون "دُردی" تو دوسرے مصرع کے ریخت کا فاعل ہے، مگر ہاں! یہ کہو گے کہ پہلے مصرع میں ریخت لازمی ہے۔ یہ فاعل نہیں چاہتا اور دوسرے مصرع میں ریخت متعدی اور فاعل اُس کا دُرد۔ اُس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو بادی النظر میں متحیر کیوں رکھتے ہو "زے" کی جگہ "کاف" لکھو۔

درُدی کہ جنوں توے ایاغ دلِ ما ریخت

کونین کہ حیرت زدہ، شوکت آنے
گرد است نہ داماں فراغ دل ما ریخت

اگر "گردے" کی تحتانی توحیدی ہے تو "ریخت" برصیغہ مفعول چاہیے۔ یعنی "ریختہ" اور اگر توصیفی ہے تو "گردیست" کے آگے "کاف" کہاں۔ اِس شعر کو خود درست کرو۔

دل بر ونش از سرقۂ پُر فتنہ عیاں بود
گریاں شد و سیلی بسراغ دل ما ریخت

دل بر ونش از سرقۂ الخ میں اس کے معنی نہیں سمجھا اور شاید کوئی نہ سمجھے گا۔

نثر جو آخر میں لکھی ہے، کچھ نہ کھُلا کہ اس میں کیا استفادہ منظور ہے اور یہ کہاں کا دستور ہے کہ یائے معروف کے تلے دو نقطے دیے جائیں۔ معہذا یہ سوال ہے کہ "زہد ریائی" کی تحتانی کو مجہول کون کہتا ہے؟ توحید اور تنکیر اور توصیف کے لیے مجہول ہوتی ہے اور نسبتی اور مصدری "ے" معروف ہوتی ہے۔ خدا جانے تمھاری طبیعت تم کو کدھر لے گئی۔

یاد رہے کہ مجہول "یے" کی کوئی علامت نہیں، الف، بے، تے میں اُستاد پڑھاتا ہے کہ "ے" کے تلے دو نقطے۔ مرکبات میں اگر وسط میں "ے" آپڑے گی تو اس کے تلے بے شبہ دو نقطے نقطے دے دیں گے اور آخر لفظ میں اگر آئے گی تو چاہو نقطہ دو چاہے نہ دو۔ تم کیا سمجھے اور کس قواعد کے رسالے میں یہ قانون دیکھا ہے؟ سب سے بڑھ کر اس مصرع میں ؎

دائم از زہد ریائے دمِ آبی ساقی

"ریائے" کی "یے" کو مجہول کیوں کر کہتے ہو؟ یہ تو نسبتی ہے، معروف ہوا چاہیے۔ لیجے کو تحریر میں کیوں کر لاؤں اور معروف و مجہول کی حقیقت تم کو کیوں کر سمجھاؤں؟ ؎

مرا یارے است سنگین دل ستم گر سست پیمانے

"یارے" کے لیے مجہول "سنگین" کے لیے معروف "پیمانے" کے لیے مجہول۔ "دمِ آبی ساقی" و عتابی ساقی۔ یہ جو تمھاری غزل ہے، اس میں قوافی کی تحتانیاں سب مجہول ہیں اور ردیف

کی تحتانی معروف۔

۱۶ مئی ۱۸۶۱ء

نجات کا طالب۔ غالب

(۷)

حضرت! میرا حال کیا پوچھتے ہو ؎

چو ہفتاد آمد اعضا رفت از کار

اب کے رجب کی آٹھویں تاریخ سے ہفتادم شروع ہوا، جس طرح بڈھے جیتے ہیں، میں بھی جیتا ہوں۔ ظہوری کی غزل پر خوب غزل لکھی ہے۔ دوسری غزل کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا کہ طالب علمانہ ردلیف میں عاشقانہ مضامین اچھے درج کیے ہیں۔

غالب

(۸)

کونین کہ حیرت زدۂ شوکت آنی

گردے است کہ از بام فراغ دل ما ریخت

شعرِ غزلِ سابق اس کی درستی کے لیے ارشاد ہوا تھا، مقدور تک درست کر دیا۔

(۹)

حوادث بہ معنی مصائب عظیمہ جائز۔ نثر و نظم معاً یا فرداً فرداً جب چاہو، تب بھیج دیا کرو۔

غالب

نامعلوم

خان صاحب، جمیل المناقب، عمیم الاحسان، سعادت و اقبال توأمان سلمہ اللہ تعالیٰ!

بعد اہدائے ہدیۂ سلام مسنون و دعائے ترقّیِ دولت روز افزوں، غالب خونیں جگر کہتا ہے۔ اللہ اللہ! میرے آقائے نامدار صاحبِ دلدل و ذوالفقار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول حق ہے۔!

عَرَفْتُ رَبِّی بِفَسْخِ الْعَزَائِم

آپ کا قصد تھا کہ کانپور سے الہ آباد اور وہاں سے کلکتے جائیں، سو یہ واقعہ ہوا کہ کانپور سے آپ پھر لکھنؤ آئیں۔ ۱۲

واللہ! احسان حسین خاں بہادر کا حال سن کر بیتاب ہو گیا۔ اتنی طاقت کہاں ہے کہ یہاں سے علی گڑھ تک ڈاک اور وہاں سے آگرہ تک اور کانپور تک ریل اور پھر کانپور سے لکھنؤ تک ڈاک میں پہنچوں اور اون کو دیکھوں۔ ناچار دعا پر مدار ہے۔ خالصاً للہ جلد جناب کی صحت کی نوید بھیجو۔ ۱۲

یہ نہ جاننا کہ غالب نے اس خدمت محقر میں قصور کیا۔ کتاب فروشوں کو کہہ رکھا ہے۔ مولویوں سے سوال کر چکا۔ تفہیمات شیخ ولی اللہ کا کہیں پتا نہ لگا۔ یہ کتاب معرضِ انطباع میں نہیں آئی۔ قلمی کہیں موجود نہیں۔ ۱۲

ہائے ہائے! میرا دوست نوروز علی خاں خدا بخشے اوس کو، کیسا لطیف اور خلیق اور دانا آدمی تھا۔ میں کیوں افسوس کروں؟ کیا مجھ کو ہمیشہ یہاں رہنا ہے؟ بہ موجب قول شیخ علی حزیں ے

مست گزاردہ ایم چوں موج از فضائے ہم
در کاروان ما قدمے نیست استوار

آگے پیچھے سب اودھر کو چلے جاتے ہیں۔ کوئی دو دن رہ گیا، کوئی دن پیچھے چل نکلا۔[۲]

۱۴ فروری ۱۸۶۴ء نجات کا طالب۔ غالب

حکیم ظہیر الدّین دہلوی

میاں ظہیر الدین!
چنبیلی کے پھول کو فارسی میں کیا کہتے ہیں؟ میرے خیال میں گلِ یاسمین۔
اس کی تاثیر کیا ہے۔ مُلیّن یا قابض؟

غالب

متن کے مآخذ

۱۔ اردوئے معلیٰ، مطبع اکمل المطابع، دہلی، ۱۸۶۹ء (اردوئے معلیٰ)

۲۔ عودِ ہندی، مطبعِ مجتبائی، میرٹھ، ۱۸۶۸ء (عود اوّل)

۳۔ عودِ ہندی۔ مطبعِ مجتبائی میرٹھ، ۱۸۶۹ء (عود دوم)

۴۔ اردوئے معلیٰ، حصہ اوّل مع حصہ دوم، مطبعِ نامی، مجتبائی، دہلی، ۱۸۹۹ء، (اردوئے معلیٰ مجتبائی)

۵۔ خطوطِ غالب، پہلی جلد، مرتبہ مولوی مہیش پرشاد، ہندوستانی اکیڈیمی، الہ آباد، ۱۹۴۱ء (خطوطِ غالب)

۶۔ نقوش۔ لاہور، خطوط نمبر، جلد ۱

۷۔ تاریخِ صحافتِ اردو، جلد ۲، حصہ ۱، دہلی،

۸۔ غالب اور صفیر بلگرامی، مشفق خواجہ، کراچی، ۱۹۸۱ء

۹۔ تذکرہ جلوۂ خضر، سید فرزند احمد صفیر بلگرامی، آرہ، ۱۸۸۵ء

۱۰۔ کاغذات مولوی مہیش پرشاد، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلی۔

۱۱۔ اصل خطوط بہ بنام قاضی عبدالجمیل جنون، مولوی نجف علی، مولانا عباس رفعت، مولوی نعمان احمد۔

۱۲۔ مکاتیبِ غالب۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی۔ پہلا ایڈیشن، رام پور، ۱۹۳۷ء

۱۲ مکاتیبِ غالب، مولانا امتیاز علی خاں عرشی۔ چھٹا اڈیشن، رام پور، ۱۹۴۹ء

۱۳۔ غالب کی نادر تحریریں، خلیق انجم، دہلی، ۱۹۶۱ء

۱۴۔ نگار۔ ماہانہ، لکھنؤ، جون ۱۹۵۱ء

۱۵۔ اودھ اخبار، ہفت روزہ لکھنؤ، ۲۴ ستمبر ۱۸۶۲ء

۱۶۔ انشائے سید گل، مرتبہ سید محمد ہاشم، آرہ۔ (بحوالہ مشفق خواجہ)

۱۷۔ معارف، ماہانہ، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۲۰ء

۱۸۔ علی گڑھ میگزین، غالب نمبر، علی گڑھ ۴۹-۱۹۴۸ء

۱۹۔ آجکل۔ ماہانہ، دہلی، ستمبر ۱۹۵۱ء

۲۰۔ نگار۔ ماہانہ، لکھنؤ، اپریل ۱۹۵۹ء

۲۱۔ صحیفہ، سہ ماہی، لاہور، جولائی ۱۹۶۹ء

۲۲۔ نقوش، لاہور، مکاتیب نمبر، جلد ۱۔

۲۳۔ نامۂ غالب۔ دہلی، ۱۸۶۵ء

۲۴۔ مخزنِ شعرا، قاضی محمد نورالدین حسین، مرتبہ مولوی عبدالحق، اورنگ آباد ۱۹۳۳ء

۲۵۔ دیوانِ غالب، مطبوعہ مطبع احمدی، ۱۲۷۸ھ، دہلی، مخزونہ سینٹرل لائبریری، حیدر آباد۔ اس دیوان کے آخری صفحے پر غالب نے محمد حسین خاں کے نام خط لکھا ہے۔

میر غلام حسنین قدر بلگرامی

۱۔ بندہ پرور! آپ کے عنایت نامے کے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو حاصل ہوئی۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۷۷) ۲۳ فروری ۱۸۵۷ء

۲۔ حضرت! میں نے چاہا کہ حکم بجا لاؤں۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۷۸) قبل ۱۸۵۷ء

۳۔ مشفق میرے! میں بعد آپ کے جانے کے دلّی سے، رام پور آیا اور یہاں میں نے آپ کا دوسرا خط پایا

(خطوطِ غالب، ص ۱۸۸) جنوری۔ مارچ ۱۸۶۰ء

۴۔ سید صاحب! تمھارا مہربانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔

(خطوطِ غالب ص ۱۸۹) ۱۲ مارچ ۱۸۶۰ء

۵۔ سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۸۹) ۱۸۶۱ء

۶۔ بندہ پرور! آپ کا خط لکھنؤ سے آیا۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۹۰) ۱۸۶۱ء

۷۔ سیدصاحب! سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کو غالب کی دعا پہنچے۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۰) ۴ مئی ۱۸۶۲ء

۸۔ سیدصاحب! آپ کا خط ، جس میں قبلہ وکعبہ کا مہری و دستخطی توقیع ملفوف تھا پہنچا۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۱) ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء

۹۔ سیدصاحب! آپ نے خوب کیا، مفتی میر عباس صاحب کا ہدیہ غیر کو نہ دیا۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۲) اوائل جون ۱۸۶۲ء

۱۰۔ صاحب! تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۳) ۱۸۶۳ء

۱۱۔ میر صاحب! ماجرا یہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۴) مارچ ۱۸۶۳ء

۱۲۔ صاحب! میں برس دن سے بیمار تھا۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۴) ۲۲ اگست ۱۸۶۳ء

۱۳۔ سیدصاحب! تم نے جو خط میں برخوردار کامگار مرزا عباس بیگ خان بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۵) ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

۱۴۔ قرۃ العین میر غلام حسنین، سلمکم اللہ تعالےٰ۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۶) ۱۸۶۵ء

۱۵۔ (سوال:) یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
(خطوطِ غالب، ص ۱۸۰)

۱۶۔ قدر: کاٹ کر غیروں کے سر لائے جو میری نذر کو
(خطوطِ غالب ص ۱۸۱)

۱۷۔ "تنیں کا لفظ متروک اور مردود۔۔ قبیح، غیر فصیح۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۸۳)

۱۸۔ حضرت! آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر سیاہ
(خطوط غالب، ص ۱۸۶)

۱۹۔ حضرت! کیا فرماتے ہو، "ہوا بھی ہو"، "قضا بھی ہو"۔
(خطوطِ غالب ص ۱۸۷)

۲۰۔ صاحب! واللہ، سوائے اس خط کے تمھارا کوئی خط نہیں آیا۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۳)

۲۱۔ سیّد صاحب! تم قدر اور نورِ چشم مرزا عباس قدر دان۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۷)

۲۲۔ حضرت! فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے۔
(خطوطِ غالب، ص ۱۹۸)

منشی جواہر سنگھ جوہر

۱۔ برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعائے دوامِ عمر و دولت معلوم ہو۔
(اردوئے معلّٰی، ص ص ۵۶ - ۵۵) سنہ ۱۸۴۸ء

۲۔ تمھارے خطوں سے تمھارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدے کا پہنچنا اور ہیرا سنگھ کا ادھر روانہ ہونا معلوم ہوا۔
(اردوئے معلّٰی مجتبائی ص ص ۶۲ - ۶۰) ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۵۳ء

۳۔ برخوردار کامگار، سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڑھ کی تحصیل داری مبارک ہو۔
اردوئے معلّٰی ص ۵۶ ۲ فروری سنہ ۱۸۶۴ء

شاہ فرزند علی صوفی منیری

۱۔ زبدۂ اولادِ حضرت خیر الانام قبلہ و کعبہ مجموعِ اہل اسلام۔
(معارف اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۲۰ء ص ۳۹۲ علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء ص ص ۹۸-۹۷) سنہ ۱۸۶۶ء

عزیزالدین

۱۔ صاحب! کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ دلی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو، جیسے آگے تھی۔
(اردوئے معلیٰ ص ص ۱۷۔ ۲۱۶۔ عود اوّل و دوم ص ص ۷۰۔ ۱۶۹) ۱۸۵۹ء

ولایت علی خاں ولایت و عزیز صفی پوری

۱۔ خان صاحب عنایت مظہر، سلامت۔ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔
(غالب کی نادر تحریریں ۱۰۲۔ نقوش مکاتیب نمبر ص ۱۰۹)
۲۔ سخن شناس نہ دلبرا، خطا ایں جاست
(غالب کی نادر تحریریں، ص ۱۰۱۔ نقوش مکاتیب نمبر ص ۱۰۹)

مفتی محمد عباس

۱۔ قبلہ! حضرت کا نوازش نامہ آیا۔ میں نے اس کو حرز بازو بنایا۔
(اردوئے معلیٰ ص ص ۱۸۔ ۲۱۷۔ عود ہندی ۱۷۱۔ ۱۷۰۔ تجلیات، ص ص ۱۹۶۔ ۱۹۵
ص ص ۹۶۔ ۱۹۵۔ ماہ نو (کراچی) فروری ۱۹۶۷) ۱۶ اگست ۱۸۶۲ء

مرزا امیرالدین خاں المدعو بہ فرخ مرزا

۱۔ اے مردم چشم جہاں بینِ غالب! پہلے القاب کے معنی سمجھ لو۔
(اردوئے معلیٰ ص ۴۵۱)

مولوی نعمان احمد

۱۔ جاں بر سر مکتوب نواز ذوق فشاندن
(اصل خط) ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

۲- مولانا و بالفضل اولینا! فقیر میں جہاں اور عیب ہیں۔
(اصل خط) ۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۳- حضرت! آپ کو اپنے حال پر متوجہ پا کر اور مائلِ تحقیق جان کر.....
(اصل خط) ۱۹ اکتوبر ۱۸۶۶ء

۴- قبلا آج خیال آیا کہ نامۂ مرقومۂ اکتیس اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا۔
(اصل خط) ۱۷ دسمبر ۱۸۶۶ء

نامعلوم

۱- جنابِ عالی! نامۂ وداد پیامِ عز صدور لایا۔
(صحیفہ، لاہور، جولائی ۱۹۶۹۔ ص ص ۹۲) ۹ فروری ۱۸۶۰ء

مولوی عبد الغفور نساخ

۱- جناب مولوی صاحب قبلہ یہ درویش گوشہ نشین جو موسوم بہ اسد اللہ اور متخلص بہ غالب ہے۔
(اردوے معلیٰ، ص ۳۰۴، عود اول و عود دوم ص ۱۲۵) ۱۸۶۴ء

مولوی کرامت علی

۱- فقیر اسد اللہ جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے.......
(اردوے معلیٰ مجتبائی، ص ص ۶۰-۵۵ حصۂ دوم)

حکیم غلام رضا خاں

۱- نور دیدہ و سرورِ دل و راحتِ جان! اقبال نشان حکیم غلام رضا خاں کو غالبِ نیم جاں کی دعا پہنچے۔
(اردوے معلیٰ ص ص ۵۳-۴۵۲) ۱۲ اکتوبر۔ ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ء

قاضی محمد نورالدین حسین فائق

۱۔ مخدوم مکرم حضرت قاضی محمد نورالدین حسین خاں بہادر کی خدمت میں عرض ہے۔

(مخزنِ شعرا، ص ص ۱۲۰ - ۱۱۹) ۱۴ جولائی ۱۸۶۲ء

محمد حسین خاں

۱۔ جناب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔

(اصل خط)

مرزا رحیم بیگ

۱۔ بخدمتِ مشفقی مکرمی، مرزا رحیم بیگ صاحب، نور اللہ قلبہٗ بالاسرار و عینہٗ بالانوار سخنی چند گفتہ مے شود۔

(نامۂ غالب)

قاضی عبدالجمیل جنوںؔ بریلوی

۱۔ مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں بعد ابلاغ....

(اصل خط، خطوطِ غالبؔ، ص ص ۱۱۳۔ ۱۱۴)

۲۔ قبلہ! آپ کو خط پہنچنے میں تردد کیوں ہوتا ہے؟

(اصل خط، خطوطِ غالبؔ، ص ص ۱۱۵۔ ۱۱۴) ۲۰ نومبر ۱۸۵۵ء

۳۔ پیر و مرشد! فقیر ہمیشہ آپ کی خدمت گزاری میں حاضر اور غیر قاصر رہا ہے۔

(اصل خط، خطوطِ غالبؔ، ص ص ۱۱۶۔ ۱۱۵)

۴۔ حضرت! کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آگے اس سے جو آپ کے اشعار آئے تھے۔

(اصل خط، خطوطِ غالبؔ، ص ۱۱۶)

۵۔ صاحب! وہ خط جس میں اشعار سید مظلوم کے تھے مجھ کو پہنچا۔

(خطوطِ غالبؔ، ص ۱۱۷۔ عود اول و دوم، ۱۶۵)

۶۔ حضرت! بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا۔ سال گذشتہ ان دنوں میں میں رام پور تھا۔

(خطوطِ غالبؔ، ص ۱۱۷، اردوئے معلّٰی ص ۲۱۱۔ عود اول و دوم ص ۱۶۸) فروری، مارچ ۱۸۶۱ء

۷۔ جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔ عنایت نامے کے ورود نے شادماں کیا۔

(خطوطِ غالبؔ، ص ۱۱۹۔ اردوئے معلّٰی، ص ۲۱۱ عود اول و دوم، ص ۱۶۷) ۳۰ جون ۱۸۶۱ء

۸۔.... سلامت۔ یہ عہدہ آپ کو مبارک ہو۔

(خطوطِ غالبؔ، ص ۱۱۹)

۹۔ جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی۔ تفقد نامۂ مرقومہ ۲۱ ستمبر میں نے پایا

(اصل خط، خطوطِ غالبؔ ۱۲۰۔ ۱۱۹)

۱۰۔ از اسد بندگی برسد۔

(خطوطِ غالبؔ، ص ۱۲۰)

۱۱۔ اے مشفقِ من! "نامربوط اور قبیح" ٹکسال باہر...

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۰)

۱۲۔ آداب عرض کرتا ہوں اور چاروں غزلیں دیکھ کر جا بہ جا حک و اصلاح کر کر بھیجتا ہوں۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۰)

۱۳۔ خستہ کام" و" اندیشہ کام" دونوں لفظ ٹکسال باہر....

(اصل خط کا عکس، خطوطِ غالب، ۱۲۰)

۱۴۔ "تڑپھنا" ترجمہ "تپیدن" کا املا یوں ہے۔

(خطوطِ غالب ص ۱۲۰)

۱۵۔ "زبیرونِ خانہ" کا لفظ خلاف روزمرہ۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۱)

۱۶۔ جناب مولوی صاحب! آپ کے دونوں خط پہنچے۔

(اردوے معلیٰ ص ۲۱۰، عود اول و دوم ص ۱۶۷، خطوطِ غالب) — ۱۵ جون ۱۸۶۳ء

۱۷۔ جناب قاضی صاحب کو میری بندگی پہنچے۔

(اصل خط، خطوطِ غالب ص ۱۱۹) — ۳۰ نومبر ۱۸۶۳ء

۱۸۔ قبلہ! مجھے کیوں شرمندہ کیا۔ میں اس ثنا و دعا کے قابل نہیں۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۲۔ عود اول و دوم، ص ۱۶۸)

۱۹۔ جناب قاضی صاحب کو سلام اور قصیدے کی بندگی۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ۱۲۲۔ اردوے معلیٰ، ص ۲۰۹

عود اول و دوم، ص ۱۶۸) — ۷ جنوری ۱۸۶۴ء

۲۰۔ پیر و مرشد ماہ شوال کو.... (اصل خط) — ہفتم فروری ۱۸۶۴ء

دشمنی پر جب کہ ہم سے یار ہے (اصل خط) — ۱۵ مارچ ۱۸۶۴ء

۲۲۔ سہسوان کے صاحب اگر "قاطع برہان" کا جواب لکھتے ہیں۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۴) ۴ اپریل ۱۸۶۴ء

۲۳۔ حضرت سلامت! میاں قدرت اللہ کا تردّد بجا۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ص ۱۲۵ - ۱۲۴) ۸ مئی ۱۸۶۴ء

۲۴۔ قبلہ! ایک سو بیس آم پہنچے۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ۱۲۵) ۲۸ جون ۱۸۶۴ء

۲۵۔ جنابِ عالی! وہ غزل جو کہار لایا تھا وہاں پہنچی جہاں اب میں جانے والا ہوں۔

(اصل خط، خطوطِ غالب، ص ص ۱۲۶ - ۱۲۵) ۳۰ جون ۱۸۶۴ء

۲۶۔ کیا مخصوص بہرِ بود و باش یار جب اُس کو

(اصل خط) ۷ نومبر ۱۸۶۵ء

۲۷۔ آداب بجا لاتا ہوں۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۸۔ اردوئے معلّٰی ۲۱۳۔ عود اول و دوم، ص ۱۶۴)

۲۸۔ سبحان اللہ۔ سر آغاز فصل میں ایسے تحفے بیش اس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ میمنت و شادمانی ہے۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۸۔ عود اول و دوم، ص ۱۶۴)

۲۹۔ غزل کے بھیجنے میں دیر لگی۔ قصور معاف ہو۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۸)

۳۰۔ جناب مولوی صاحب کو فقیر اسد اللہ کا سلام۔

(خطوطِ غالب، ص ۱۲۸)

منشی حبیب اللہ ذکاؔ

۱۔ صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر۔ صاحب میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں۔

(اردوئے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ص ۴۵۔۴۴)

۳۰ جون ۱۸۶۳ء

۲۔ حضرت مولوی صاحب! میں برس دن سے بیمار اور تین مہینے سے صاحبِ فراش ہوں۔

(اردوئے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ص ۴۴۔۴۳)

۲۶ اگست ۱۸۶۳ء

۳۔ مولانا! ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔

(اردوئے معلیٰ مجتبائی، ص ص ۳۲۔۳۱)

۲۵ ستمبر ۱۸۶۳ء

۴۔ بندہ پرور! آج تمھارا عنایت نامہ آیا اور آج ہی میں اس کا جواب ڈاک میں...

(اردوئے معلیٰ مجتبائی، ص ۳۳)

۱۹ اکتوبر ۱۸۶۳ء

۵۔ صاحب! پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں، مضمون لطیف ہے۔

(اردوئے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ۴۶)

۱۴ نومبر ۱۸۶۳ء

۶۔ بندہ پرور! پرسوں مولوی صاحب کا خط آیا۔

(نگار، اپریل ۱۹۵۹ء ص ص ۱۰۔۹)

۲۸ نومبر ۱۹۶۳ء

۷۔ بندہ پرور! تمھارے دونوں خط پہنچے۔

(اردوئے معلیٰ مجتبائی، ص ص ۳۰۔۲۹)

۲۸ نومبر ۱۸۶۴ء

۸۔ اے عنایت بہ عنایت ہم شکل۔ آپ کا خط حاوی حلِ شبہات جس دن پہنچا۔

(اردوئے معلیٰ مجتبائی (حصہ ۲) ص ۴۳)

۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء

۹۔ میرے مشفق، میرے شفیق مجھ سے ہیچ و پوچ کو ماننے والے۔

(اردوئے معلیٰ مجتبائی، ص ص ۳۱۔۳۰)

۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

۱۰۔ دوست روحانی و برادر ایمانی مولوی حبیب اللہ خاں میر منشی کو فقیر غالب

کا سلام۔

(اردوے معلّٰی مجتبائی ص ص ۳۵-۳۴) ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

۱۱۔ جاناں بلکہ جانِ مولوی منشی حبیب اللہ خاں کو غالبِ خستہ دل کا سلام۔

(اردوے معلّٰی مجتبائی، ص ص ۳۶-۳۵) ۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء

۱۲۔ صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ، ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء۔ بھائی میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے آتی

(اردوے معلّٰی مجتبائی ص ص ۲۸-۲۷) ۱۵ فروری ۱۸۶۷ء

۱۳۔ جانِ غالب۔ تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔

(اردوے معلّٰی مجتبائی، ص ص ۳۳-۳۲) ۱۴ مارچ ۱۸۶۷ء

۱۴۔ بندہ پرور! آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمھاری اور صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔

(اردوے معلّٰی مجتبائی (حصّہ ۲) ص ص ۴۳-۴۲) ۱۸ مارچ ۱۸۶۷ء

۱۵۔ منشی صاحب، الطاف نشان سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خاں۔۔۔

(اردوے معلّٰی مجتبائی، ص ۳۲) ۲۷ جنوری ۱۸۶۸ء

۱۶۔ بندہ پرور! کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا۔ آج میں پاسخ طراز ہوا۔

(اردوے معلّٰی مجتبائی، ص ص ۳۴-۳۳)

منشی سیل چند

۱۔ منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب میر منشی، سلمہ اللہ تعالیٰ بعد دعاے دوام حیات و ترقّی درجات معلوم فرمائیں۔

(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۳-۱۱۲، مکاتیب غالب چھٹا اڈیشن ص ۱۱۰) ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء

۲۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، منشی سیل چند صاحب میر منشی کو سلامت خدا رکھے۔

(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۳۔۱۱۴

مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن ص ۱۱۰)

۱۹ جنوری ۱۸۶۵ء

۳۔ منشی صاحب! عجب اتفاق ہے کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاجِ مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے۔

(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن، ص ۱۱۴)

مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن) ص ص ۱۱۱۔۱۱۰)

۱۴ مارچ ۱۸۶۵ء

۴۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، منشی سیل چند صاحب میر منشی کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔

(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۵۔۱۱۴

مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن ص ۱۱۱)

مارچ یا اپریل ۱۸۶۵ء

۵۔ منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان منشی سیل چند صاحب، طال عمرہٗ! تین صاحبوں نے اطراف و جوانب سے تین قصیدے میرے پاس بھیجے ہیں۔

(مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن، ص ۱۱۱)

۱۵ یا ۱۶ دسمبر ۱۸۶۵ء

۶۔ منشی صاحب، سعادت و اقبال نشان، عزیز تر از جاں منشی سیل چند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ کیوں صاحب، ہم تو تم کو اپنا فرزند سمجھیں۔

(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۶۔۱۱۵

مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن) ص ۱۱۲)

۱۱ جون ۱۸۶۶ء

۷۔ برخوردار نورِ چشم منشی سیل چند میر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو۔

(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) ص ۱۱۶

مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن، ص ص ۱۱۳۔۱۱۲)

۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء

خلیفہ احمد علی صاحب احمد رام پوری

۱۔ جناب مولوی صاحبِ مخدوم احمد علی صاحب کی خدمت میں بعد سلام مسنون اسلام عرض یہ ہے۔

(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۹۔۱۱۷
مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن) ص ص ۱۱۶۔۱۱۴)

سیّد محمد عبّاس علی خاں بیتاب

۱۔ قبلہ! جس شعر پہ صاد ہے وہ بہت خوب ہے۔

(مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن) ص ص ۹۵۔۸۸)

۲۔ قبلہ! قصائد و غزلیات و رباعیات کو بقدر اپنی فہم و فراست کے درست کر کے خدمت میں گزرانتا ہوں۔

(مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن) ص ص ۱۰۸۔۹۵) ۱۵ نومبر ۱۸۶۶ء

نامعلوم

۱۔ صاحب! میں کل تمہارا مسہل سمجھے ہوئے تھا۔

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

مظہر علی اور عبداللہ

۱۔ اسد اللہ بے گناہ جس کا تخلص غالبؔ اور خود اہلِ ہند کا مغلوب ہے۔

(تاریخ صحافت اردو جلد ۲ حصہ ۱، ص ص ۲۳۲) اکتوبر ۱۸۶۸ء

منشی نول کشور

۱۔ منشی صاحب اجمیل المناقب جناب منشی نول کشور کو دولت و اقبال وجاہ وجلال....
(نگار لکھنؤ) جون ۱۹۵۱ء، ص ۳۸)

مارچ ۱۸۶۳ء

۲۔ جناب صاحب مہتمم اخبار، زاد مجدہم۔آپ کے اخبار ۷ ستمبر میں کالم ۶۲۱ پر خبر الور میں مندرج ہے۔
(اودھ اخبار، لکھنؤ ۲۴ ستمبر ۱۸۶۴ء، ص ص ۳۳-۳۲)

ستمبر ۱۸۶۴ء

میر ولایت علی خاں عزیز و ولایت صفی پوری

۱۔ شفیق مکرم میر ولایت علی صاحب کو خدائے جہاں آفریں....
(انشائے سید گل، ص ص ۱۵-۱۴)

۴ اپریل ۱۸۶۵ء

۲۔ جناب میر ولایت علی صاحب۔ واسطے اپنے جد کے میری تقصیر معاف کیجئے
(انشائے سید گل، ص ۱۵)

۵ اپریل ۱۸۶۵ء

حکیم غلام نجف خاں

۱۔ لو صاحب یہ پندرہ بیتیں ہیں تقسیم اس کی اس طرح رکھتا۔
(اصل خط)

۱۲۴۵ء ۱۸۵۳ء

۲۔ نہ بھائی یہ نہ سمجھو' سلطانی بہ معنی مصدر آتا ہے۔
(اصل خط)

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی

۱۔ مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔

(مرقعِ فیض، ص ۸۲ ۔ جلوۂ خضر جلد دوم، ص ۲۱۔۲۲۰ غالب اور صفیر بلگرامی،
(ص ص ۸۸ ۔ ۴۶) سے ان خطوط کا متن لیا گیا ہے۔ ۱۷ مئی ۱۸۶۶ء

۲۔ مخدوم زادۂ مرتضوی دودمان سعادت و اقبال توامان، مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔
(انشائے سبد گل ص ۱۳۔ مرقعِ فیض ص ص ۸۳۔۸۲ جلوۂ خضر جلد دوم، ص ۲۲۳)
ص ص ۸۸ ۔ ۴۶ سے ان خطوط کا متن لیا گیا۔ ۲۶ مئی ۔ ۲ جون ۱۸۶۴ء

۳۔ نورِ نظر، لختِ جگر، زبدۂ اولادِ پیغمبر، حضرت مولوی سید فرزند احمد زاد مجدہ۔
(مرقعِ فیض، ص ۸۳۔ جلوۂ خضر، جلد دوم ص ۲۲۳) ۴ اپریل ۱۸۶۵ء

۴۔ بہ علاقۂ مہر و محبت نورِ چشم و سرورِ دل اور بہ رعایتِ سیادت . . . .
انشائے سبد گل، ص ۱۸۔ مرقعِ فیض ص ص ۸۴۔۸۲۔ جلوۂ خضر جلد دوم ص ص ۲۲۴۔۲۱۴)
۲۲ اپریل ۱۸۶۵ء

۵۔ نور الابصار، ممتاز روزگار زکی و ارشد مولوی سید فرزند احمد . . . . .
(انشائے سبد گل ص ص ۲۱۔ ۲۰

۶۔ نورِ چشم و سرورِ دل، فرزانۂ مرتضوی گہر، مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہ۔
(مرقعِ فیض ص ۸۴۔ جلوۂ خضر (جلد دوم ص ص ۲۵ ۔ ۲۲۴) ۳ مئی ۱۸۶۵ء

نواب زین العابدین خاں بہادر عرف کلّن میاں

۱۔ بندہ پرور! مہربانی نامہ پہنچا۔ میں تو سمجھا تھا آپ مجھ کو بھول گئے۔
(مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۰۔ ۱۰۹۔
مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن) ص ۸۷ ۲۵ مارچ ۱۸۶۶ء

۲۔ نواب صاحب والا قدرِ عظیم الشان سلمکم اللہ تعالیٰ۔
بعد سلامِ مسنون مشہودِ خاطرِ عاطر ہو۔

(مکاتیبِ غالب، (پہلا اڈیشن) ص ص ۱۱۱ - ۱۱۰۔

مکاتیبِ غالب، (چھٹا اڈیشن) ص ۸۶ ۔ ۱۴ مارچ ۱۸۶۵ء

محمد حسین خاں

۱۔ مشفقی و مکرمی جناب محمد حسین خاں صاحب کو فقیر غالبؔ کا سلام پہنچے۔

آجکل، نئی دلی، ستمبر ۱۹۵۱ء ۱۱ اپریل ۱۸۶۷ء

۲۔ خاں صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غلام کا سلام پہنچے

آج کل، نئی دلی، ستمبر ۱۹۵۱ء ۲۵ اپریل ۱۸۶۷ء

۳۔ شفیقِ مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر اسداللہ خاں کا سلام

آج کل، نئی دلی، ستمبر ۱۹۵۱ء ۱۰ مئی ۱۸۶۷ء

۴۔ مشفقی اور مکرمی محمد حسین خاں صاحب کو غالبِ آزردہ کا سلام پہنچے۔

مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن) ۲۵ فروری ۱۸۶۸ء

قاضی عبدالرحمٰن تحسین

۱۔ کمالِ سوزشِ پروانہ آخر

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد) ۲۲ دسمبر ۱۸۶۱ء

۲۔ صاحب! پہلے تم کو اصلاح دی جاتی ہے۔ اسٹامپ کے ٹکٹ بھیجنے کے باب میں...

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد) ۸ جنوری ۱۸۶۲ء

۳۔ صاحب! یہ شخص جامع غیاث اللغات رام پور میں ایک ملّائے مکتب دار تھا۔

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد) ۱۶ جون ۱۸۶۳ء

۴۔ وحشتی دارد دلم بندم بہ زلفِ پُرخمش

(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۵۔ صاحب! پہلے تو بتاؤ کہ تم گڑگانویں کیوں رہ گئے۔
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۶۔ وردی زجنوں تا بہ ایاغ دلِ ما ریخت
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۷۔ حضرت میرا حال کیا پوچھتے ہو۔
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۸۔ کونین کہ حیرت زدۂ شوکت آنی
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

۹۔ حوادث بہ معنی مصائب
(کاغذات مولوی مہیش پرشاد)

نامعلوم

۱۔ خاں صاحب! جمیل المناقب عمیم الاحسان ..... اس خط کی نقل سید قدرت نقوی صاحب نے مجھے عنایت فرمائی تھی۔

حکیم ظہیر الدین دہلوی

۱۔ میاں ظہیر الدین! چنبیلی کے پھول کو فارسی میں کیا کہتے ہیں؟

ہماری زبان ۱۵ اپریل ۱۹۹۰ء

حواشی

ص ۱۴۱۵

۱۔ قدر بلگرامی کے نام خطوط کا متن مہیش پرشاد سے لیا گیا ہے۔ ان خطوط کے بارے میں مہیش پرشاد نے لکھا ہے: "قدر بلگرامی کے نام کے خط پہلے مولانا حسرت کے رسالے "اردوے معلی"، علی گڑھ (دسمبر، ۱۹۰۷ء) میں چھپے۔ پھر طبع کریمی لاہور کی "مکمل اردوے معلی" (۱۹۲۳ء) میں ضمیمے کے طور پر داخل کیے گئے۔ لیکن متن دونوں کا حرف بہ حرف ایک ہے۔ یہاں تک کہ جو غلطیاں علی گڑھ کے رسالے میں ہیں وہ لاہور کے نسخے میں بھی اسی طرح موجود ہیں۔ خوش قسمتی کہ ان میں سے بعض خطوط کی نقلیں ڈاکٹر صدیقی صاحب کے پاس تھیں۔ جنھیں انھوں نے رسالہ ہندوستانی الہ آباد (جلد ۳) میں شائع کیا۔ ان سے بعض خطوں کے متن کو درست کرنے میں مدد ملی۔" (ص ی)

ص ۱۴۱۸

۱۔ خطوطِ غالب" کے"

۲۔ خط پہ تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالب نے خط میں ہر روز قلعے جانے کا ذکر کیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ یہ خط ۱۸۵۰ء سے قبل لکھا گیا تھا۔

۳۔ خط پہ تاریخ تحریر نہیں ہے۔ خط میں غالب نے رام پور کے پہلے سفر کا ذکر کیا ہے۔ اس سفر کے لیے غالب ۱۹ جنوری ۱۸۶۰ء کو دہلی سے روانہ ہوئے تھے اور ۲۴ مارچ ۱۸۶۰ء کو دلی واپس آئے تھے۔ اس لیے یہ خط جنوری۔ مارچ ۱۸۶۰ء میں لکھا گیا۔

ص ۱۴۲۰

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ قدر کے نام غالب کے خط مورخہ ۴ مئی ۱۸۶۲ء سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدر بلگرامی کو مطبع اودھ اخبار میں ملازمت مل گئی ہے۔ اس لیے یہ خط ۱۸۶۱ء یا اوائل ۱۸۶۲ء کا ہوگا۔

۲۔ خطوطِ غالب مہیش "اشنا" ندارد۔

۳۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط کی تاریخ کا تعین خط ہذا کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ غالب اپنے فارسی کلیاتِ نظم کا ذکر کر رہے ہیں۔

۴۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل نے لکھا ہے کہ: "اودھ اخبار کے شمارہ مجریہ ۲۳ دسمبر ۱۸۶۳ء میں منشی جی (منشی نول کشور) کے سفرِ دہلی کا ذکر ہے اور ان لوگوں کے نام، جن سے نول کشور کی ملاقات ہوئی۔ چوں کہ اس سفر میں منشی جی فارسی کلیات طباعت کے لیے لائے ہیں..... یہ سفر نومبر کے اواخر اور دسمبر کے اوائل میں ہوا تھا۔" (اردوئے معلیٰ، ص ۱۰۸) فاضل صاحب کو سہو ہوا ہے۔ غالب کا کلیاتِ نظم مطبع نول کشور سے مئی یا جون ۱۸۶۳ء میں شائع بھی ہو چکا تھا، اس لیے نومبر اور دسمبر ۱۸۶۳ء کے سفر میں منشی نول کشور کا مسودہ اپنے ساتھ لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ص ۱۴۲۱

۱۔ تاریخ تحریر میں غالب نے ہجری اور عیسوی سنین نہیں لکھے۔ یہ ۱۲۷۸ھ اور ۱۸۶۲ء ہے۔ تقویم کی رو سے پنجم ذی القعدہ کو "یکشنبہ" ہے۔

ص ۱۴۲۳

۱۔ غالب نے تاریخِ تحریر میں سنہ نہیں لکھا۔ دن، تاریخ اور مہینہ لکھا ہے۔ تقویم کی رو سے ۱۲۷۹ھ اور ۱۸۶۳ء ہے۔

۲۔ خطوطِ غالب مہیش "گئی"۔

ص ۱۴۲۴

۱۔ خطوطِ غالب "صاحب" ندارد۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب کو رابرٹ منٹگمری لفٹننٹ گورنر نے ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو خلعت دیا تھا (ملاحظہ ہو: غالب کا یوسف علی خاں ناظم کے نام خط مورخہ ۱۶ مارچ ۱۸۶۳ء) اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ یہ خط مارچ ۱۸۶۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۲۵

۱۔ مرزا عباس بیگ کی سفارش پر قدر بلگرامی ہردوئی ہائی اسکول میں فارسی کے استاد مقرر ہو گئے تھے

ص ۱۴۲۶

۱۔ خطوطِ غالب "مزید علیہ اس پر" "اس پر" زائد۔

ص ۱۴۲۷

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ غالب نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، اُن میں "محرقِ قاطع" ۱۸۶۳ء میں "سوالات عبدالکریم" ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں اور مولوی نجف علی کی "دافع ہذیان" ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی تھی، اس لیے یہ خط ۱۸۶۵ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۳۰

۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں۔ مولوی مہیش اسے ۱۸۵۷ء سے پہلے کا تسلیم کرتے ہیں، لیکن انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ خط میں بھی کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر اسے ۱۸۵۷ء سے پہلے کا قرار دیا جا سکے۔

ص ۱۴۳۵

۱۔ خطوطِ غالب مہیش۔ "سے" توسین میں لکھا گیا ہے۔

۲۔ خطوطِ غالب مہیش۔ "باپی" مہیش نے حاشیے میں لکھا ہے کہ "یہ لفظ غالباً پاپی ہے۔"

۳۔ مولوی مہیش نے اس خط کو ۱۸۵۸ء کا بتایا ہے، لیکن بغیر کسی دلیل کے یہ سنہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ص ۱۴۳۶

۱۔ بہ قول مولوی مہیش "صاحب" سے مراد ولیم ہینڈ فورڈ، ڈائرکٹر، تعلیمات اودھ ہے۔

۲۔ بہ قول مولوی مہیش راجا سے مراد "مہاراجہ مان سنگھ" ہے۔

۳۔ مرزا محمد عباس سے مراد ہے۔

۴۔ مولوی مہیش کا خیال ہے کہ یہ خط ۱۸۶۰ء میں لکھا گیا، لیکن انھوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔

ص ۱۴۳۷

۱۔ خطوطِ غالب مہیش "دے"۔

۲۔ مولوی مہیش پرشاد نے اس خط کو ۱۸۶۱ء کا بتایا ہے اور کوئی دلیل نہیں پیش کی۔

ص ۱۴۳۸

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ "پنج آہنگ" میں جوہر کے نام غالب کا ایک خط ہے، جس میں غالب نے لنگی کی فرمائش کی ہے۔ اس پر تاریخ تحریر یکم دسمبر ۱۸۴۶ء ہے۔ زیرِ نظر خط میں بھی غالب نے لنگی کا تقاضا کیا ہے، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ خط دسمبر ۱۸۴۸ء یا ۱۸۴۹ء کے اوائل میں لکھا گیا۔

ص ۱۴۳۹

۱۔ اردوئے معلیٰ مجتبائی حصہ دوم "دونو"

ص ۱۴۴۳

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالب نے خط میں اپنی عمر اکہتر سال بتائی ہے۔ غالب رجب ۱۲۸۳ھ مطابق دسمبر ۱۸۶۶ء میں اکہتر سال کے ہوئے ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ یہ خط ۱۸۶۷ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۴۴

۱۔ عود اوّل "خان"

۲ اردوئے معلیٰ۔ عود اوّل "میں"

۳۔ عود دوم "لال کنوی" ۱۸۵۸ء "

۴۔ اردوئے معلیٰ "اس کے پاس اور لکھمی کی دکان پر اس اشتہار کو بھیجا" ندارد۔

۵۔ اردوئے معلیٰ "لکھیمی"

۶۔ اردوئے معلیٰ "جاتے"

۷۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں غالب نے دلی کی تباہی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۵۸ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۸۵

۱۔ عزیز صفی پوری کے نام غالب کے صرف دو خطوط ملتے ہیں۔ یہ دونوں خط پہلی بار عزیز کی تصنیف "پنج رقعہ عزیز اللہ خاں" میں شائع ہوئے تھے۔ بعد میں غالب کی نادر تحریریں" (ص ص ۱۰۹۔۱۰۸) میں شائع ہوئے۔

۲۔ غالب کا مطلع ہے:

سوزِ عشق تو پس از مرگ عیاں است مرا
رشتہ شمعِ مزار از رگِ جاں است مرا

ص ۱۴۸۷

۱۔ یہ خط پہلی بار اردوئے معلیٰ اور عود ہندی میں شائع ہوا تھا۔ پھر مفتی محمد عباس کے سوانح تجلیات مولفہ مرزا محمد ہادی عزیز میں نقل ہوا ہے۔ تجلیات کے اختلافات کی مرتضیٰ حسین فاضل نے عود ہندی (مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۵ء) کے اور تحسین سروری نے ماہِ نو کراچی فروری ۱۹۶۷ء میں نشان دہی کی ہے۔ یہاں ان دونوں ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲۔ تجلیات، "نہ سراسری دیکھنا چاہیے، پیشِ نظر دھرا ہے، وقتِ فرصت اکثر دیکھا جائے۔"
"بیاض" "نہ سرسری بلکہ سراسر دیکھا جائے، پیشِ نظر دھرا ہے، وقتِ فرصت اکثر دیکھی جائے۔"

۳۔ عود ہندی "بات کا پیچ"

۴۔ تجلیات، بیاض و دیباچے، "خاکے و متن"

۵۔ تجلیات "کلام کی" حذف۔

۶۔ بیاض، "جدا۔ ندارد۔

۷۔ تجلیات۔ مطابق اہلِ پارس کی منطق کے یہی فرہ ایزدی لایا ہوں۔

۸۔ عودِ ہندی میں مزہ ایدی "ہے" جو غلط ہے۔ تجلّیات اور بیاض دونوں میں "فرہ ایزدی "ہے۔
تجلّیات "منطق کے بھی فرہ ایزدی"

۹۔ بیاض "خدا داد ہے" عودِ ہندی اور تجلّیات "ہے" ندارد۔

۱۰۔ عودِ ہندی "سے" حذف تجلّیات اور بیاض دونوں میں "سے" موجود ہے۔ تجلّیات "اپنی
حسن و قبح"۔ "اپنی" زاید۔

۱۱۔ تجلّیات۔ تھا بجائے "ہے"۔

۱۲۔ تجلّیات، بیاض۔ "اور"

۱۳۔ بیاض "کی ایک غلط ہے "کی" زائد۔

ص ۱۴۳۸

۱۔ بیاض قطعہ ندارد۔

۲۔ تجلّیات کیوں کر نام نہ ہوگا۔

۳۔ بیاض "گا" ندارد۔

۴۔ اس قطعے کے بارے میں مرتضیٰ حسین فاضل نے "عودِ ہندی" (مطبوعہ مجلس ترقیِ ادب، ۱۸۶۵ء، ص ۵۰۰) میں لکھا ہے کہ نواب نور الدولہ، لیث الملک محمد احسن خاں بہادر محکم جنگ معروف نواب نادر مرزا نے کتاب کا قطعہ تاریخ لکھا:

چوں غالبِ شاعرِ مکرّم
استادِ سخن ورانِ عالم
آں غیرتِ صائب و نظیری
واں رشکِ عراقی و ظہوری
سحبانِ زماں در فصاحت
حسانِ عصر در بلاغت
در حضرتِ عالم محقق
آں فاضلِ کامل مدقق

کز جملہ بہ علم بیش باشد
علامۂ عصر خویش باشد
سید عباس، اسم پاکش
وز نور سرشتہ جسم پاکش
تصنیف لطیف ارمغاں کرد
تحقیق نمودش درو عیاں کرد
آمد بہ میاں چو ذکر تاریخ
رفتیم صفا بہ فکر تاریخ
از لہجہ فکر گوہرے ناب
شد تجزیہ "ارمغان نایاب"

۵۔ بیاض "کہنا ہے"، "ہے" زائد۔
۶۔ بیاض "یہ" ندارد۔
۷۔ نواب صاحب سے مراد نواب باقر علی خاں ہے (ماہ نو کراچی، فروری ۱۹۶۰ء)
۸۔ جس شعر کی نواب صاحب نے تعریف کی ہے، وہ یہ ہے:

از من بمن سلام و ہم از من بمن پیام
رنج دلی مباد، پیام و سلام ما

۹۔ عود ہندی "انصاف کا طالب، غالب" ندارد۔
۱۰۔ عود ہندی میں تاریخ تحریر نہیں ہے۔ "تجلیات" میں یہ سنہ ۱۲۸۹ھ ہے، جو یقیناً سہو کاتب ہے۔ بیاض میں ۱۲۷۹ھ ہے۔
۱۱۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

ص ۱۳۵۱

۱۔ مولوی نعمان احمد کے نام غالب کے چار خط ملتے ہیں۔ غالب کے اصل خطوط لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان خطوط کی دریافت کا سہرا پروفیسر احتشام حسین مرحوم کے

سر ہے۔ انھوں نے پہلی بار یہ خطوط "آج کل" (دہلی، فروری ۱۹۵۲ء) میں شائع کیے تھے۔ بعد میں "غالب کی نادر تحریریں" اور خطوط کے دوسرے مجموعوں اور رسالوں میں نقل ہوئے خطوط کے عکس بُری حالت میں ہیں۔ بہت سے لفظ اڑ گئے ہیں۔ میں نے انڈیا آفس لائبریری لندن میں خود یہ خطوط نقل کیے تھے۔

ص ۱۴۶۰

۱۔ اسرار الحق نے پہلی بار صحیفہ (لاہور، جولائی ۱۹۶۹ء ص ۹۲) میں یہ خط شائع کرایا تھا۔ اُن کا کہنا ہے کہ انھیں یہ خط ستمبر ۱۹۰۴ء کے ایک ناقص الطرفین رسالے میں ملا تھا۔ رسالے اور مکتوب الیہ کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔

۲۔ یعنی نواب یوسف علی خاں ناظم

ص ۱۴۶۱

۱۔ غالب نے سنہ نہیں لکھا، لیکن یہ ۱۸۶۰ء ہے، کیوں کہ خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب رام پور میں ہیں اور یہ غالب کا رام پور کا پہلا سفر ہے۔ اس لیے یہ سنہ ۱۸۶۰ء ہے۔ مکتوب الیہ کے بارے میں میرا ہلکا سا قیاس ہے کہ یہ خط مولانا الطاف حسین حالی کے نام ہے۔ میرے اس قیاس کی بنیاد اس خط کا آخری فقرہ ہے۔ میرا ایک اور قیاس ہے کہ اسرار الحق کو جو ناقص الطرفین رسالہ ملا تھا، وہ پانی پت سے شائع ہونے والا "حیاتِ نو" ہے۔ لیکن یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ "حیاتِ نو" کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: غالب کے خطوط (جلد دوم ص ص ۹۶۲ - ۶۴)۔

ص ۱۴۶۲

۱۔ دیوانِ ناظم میں یہ غزل چودہ شعر کی ہے۔ غالب نے گیارہ شعر نقل کیے ہیں۔

۲۔ دیوانِ ناظم میں یہ غزل دس اشعار کی ہے۔ غالب نے صرف ابتدائی تین شعر نقل کیے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ غالب نے پوری غزل لکھی ہو لیکن خط کا آخری صفحہ یا آخری حصہ ضائع ہو گیا ہو۔

ص ۱۴۶۳

۱۔ اردوے معلّیٰ "عطاے" ندارد

۲۔ اردوئے معلیٰ "گستاخ"

۳۔ عود دوم "راوشوں"۔

۴۔ عود اول و دوم "ابتدا"

۵۔ اردوئے معلیٰ "و"

ص ۱۴۶۴

۱۔ اردوئے معلیٰ "شرمسار"

۲۔ اردوئے معلیٰ "اسی"

۳۔ اردوئے معلیٰ "موافق" عود اول و دوم مطابق "سوال و جواب" "و" زائد۔

۴۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ اس خط میں غالب نے اپنی عمر ایک کم ستر برس بتائی ہے۔ اس حساب سے یہ خط ۱۸۶۴ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۶۵

۱۔ غالب نے کرامت علی کے نام اردو خط میں اپنے کچھ فارسی اشعار کی شرح لکھی تھی۔ کرپا رام مہجور نے اپنے تذکرے "غم نامۂ جانسوز" میں یہ شرح نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

معنی ایں غزل حضرت مصنف علیہ الرحمۃ بقلم خود نگاشتہ بمن دادہ بودند۔ ہو بہو بنگارش مے آید۔" (تحریر ص ۵۰)

(غم نامۂ جانسوز، حکیم چند نیّر، تحریر ۱۹ ص ص ۵۵۔ ۴۱)۔

ص ۱۴۷۱

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں غالب نے لکھا ہے کہ تمھیں خدا کو سونپ کر روانۂ رام پور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی، جاڑا ابھی چمکا نہ تھا، غالب کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رام پور کا دوسرا سفر ہے۔ اس سفر پر غالب ۷ اکتوبر ۱۸۶۵ء کو روانہ ہوئے تھے، اور ۱۲ اکتوبر کو غالب رام پور پہنچے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۲ اکتوبر اور ۲۸ دسمبر ۱۸۶۵ء کے درمیان لکھا گیا۔

ص ۱۴۷۲

۱۔ مخزنِ شعرا میں دن اور مہینہ تو ہے، تاریخ نہیں ہے۔

ص ۱۴۷۳

۱۔ غالب نے اپنے دیوان اردو کے تیسرے اڈیشن کے آخری صفحے کے حاشیے پر یہ خط اپنے قلم سے لکھا تھا۔ یہ دیوان سینٹرل لائبریری، حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ اس خط سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جس دیوان کے آخری صفحے پر یہ خط لکھا گیا ہے، غالب نے اُس کی تصحیح کی ہے، لیکن دل چسپ بات یہ ہے کہ غالب نے جس دیوان کی تصحیح کی تھی، وہ دیوان کوئی اور تھا، وہ نہیں ہے جس کے آخری صفحے پر یہ خط لکھا گیا ہے، کیونکہ اس دیوان کی تصحیح کی ہی نہیں گئی۔ غالب نے ایک مطبوعہ دیوان کے نسخے کی تصحیح کی اور سہواً خط دوسرے نسخے پر لکھ دیا۔

ص ۱۴۷۴

۱۔ غالب کی "قاطع برہان" کے جواب میں پہلی کتاب سید سعادت علی کی "محرقِ قاطعِ برہان" اور دوسری کتاب مرزا رحیم بیگ کی "ساطعِ برہان" ہے، جو ۱۲۸۳ھ میں مطبع ہاشمی، میرٹھ سے شائع ہوئی۔ غالب نے "ساطعِ برہان" کے جواب میں "نامۂ غالب" کے نام سے مرزا رحیم بیگ کے نام خط لکھا، جو ۱۶ صفحات کے کتابچے کی شکل میں محمد مرزا خاں کے مطبع محمدی دلی سے اگست ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔ یہاں اُسی نسخے سے یہ خط نقل کیا گیا ہے۔ قاضی عبدالودود مرحوم نے "قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ" میں یہ خط شامل کیا ہے۔ چوں کہ مرحوم نے اوقاف کا بہت اہتمام کیا ہے اس لیے میں نے رموزِ اوقاف میں عام طور سے قاضی صاحب ہی کی پیروی کی ہے۔

ص ۱۴۹۰

۱۔ اصل خط "نہ"

۲۔ خط پہ تاریخ تحریر درج نہیں ہے۔ مولوی مہیش کا قیاس ہے کہ یہ خط ۱۸۵۴ء میں لکھا گیا ہوگا۔ انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ خط میں قلعے کے مشاعروں کا ذکر ہے جس سے اتنا یقینی ہے کہ یہ خط ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب سے قبل لکھا گیا تھا۔

ص ۱۴۹۵

۱۔ غالب نے ہجری اور عیسوی سنین نہیں لکھے۔

ص ۱۴۹۶

۱۔ عود ہندی اوّل و دوم۔ یہ خط بہت ناقص حالت میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ اصل خط "طرہ"

۳۔ اصل خط میں یہاں عبارت غائب ہے۔

۴۔ خط کے عکس میں جو الفاظ نہیں ہیں، وہ مولوی مہیش کا اضافہ ہیں۔ رستم کے بعد "کے باپ کا نام اور وہ" اضافۂ مہیش۔

۵۔ "ملم ہے" اضافۂ مہیش

۶۔ "دوسرے" اضافۂ مہیش۔

۷۔ "فرومایہ" اضافۂ مہیش۔

۸۔ غالب نے تاریخ تحریر میں دن اور تاریخ تو لکھے، سنہ نہیں لکھا۔ جنون کے نام ۸ ستمبر ۱۸۵۹ء کے خط میں غالب نے لفظ "طرح" پر بحث کی ہے۔ اس خط میں بھی اس لفظ کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط بھی ۱۸۵۹ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۴۹۷

۱۔ عود اوّل "ما"

۲ عود دوم "بہ" ندارد۔

۳۔ عود اوّل "قریب"

۴۔ عود دوم "نافل"

۵۔ عود اوّل "وفات" ندارد۔

۶۔ تاریخ تحریر صرف "خطوطِ غالب" مرتبہ مولوی مہیش میں ہے۔

ص ۱۴۹۸

۱۔ "خطوطِ غالب" "ہول اور یہیں" ندارد۔

۲۔ عود دوم "لکھا تھا" "تھا" زائد۔

۳۔ اُردوے معلّٰی، عود اوّل و دوم "مولوی احمد حسن عرشی . . . . اور کب تھے" ندارد۔ یہ عبارت صرف "خطوطِ غالب" میں ہے۔

۴۔ اردوے معلّٰی، عود اوّل و دوم "حالی" ندارد۔

۵۔ اردوے معلّٰی میں یہ مصرع پورا ہے۔

۶۔ عود اوّل "شب"۔

۷۔ اردوے معلّٰی میں یہ الفاظ اور ہیں "اُس سے یہ غزل لکھواکر بھیج دوں گا۔" اس کے بعد خط ختم ہو جاتا ہے۔ عود اوّل و دوم میں بھی یہ خط یہیں ختم ہو گیا ہے۔ بعد کی عبارت مولوی مہیش کے "خطوطِ غالب" میں ہے۔

ص ۱۴۹۹

۱۔ عود اول و دوم اور اردوے معلّٰی میں اس خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ مولوی مہیش پرشاد نے ۲۲ فروری ۱۸۶۱ء درج کی ہے لیکن یہ تاریخ قوسین میں دی گئی ہے جس کا مطلب ہے کہ اصل خط میں تاریخ نہیں ہے۔ یہ مولوی صاحب کا اضافہ ہے۔ انھوں نے اس تاریخ کے تعین کے دلائل پیش نہیں کیے۔

خط میں غالب نے لکھا ہے کہ "سال گزشتہ ان دنوں میں میں رام پور تھا۔ مارچ ۱۸۶۰ء میں یہاں آگیا ہوں۔" غالب ۲۷ جنوری ۱۸۶۰ء کو رام پور پہنچے تھے اور ۲۴ مارچ ۱۸۶۰ء کو دلّی پہنچ گئے۔ غالباً فروری، مارچ ۱۸۶۱ء میں یہ خط لکھا گیا۔

۲۔ اردوے معلّٰی، عود اوّل "امور" ندارد۔

۳۔ اردوے معلّٰی، عود اول و دوم "و"

۴۔ عود اول و دوم "اب کے موسمی"

۵۔ تاریخ تحریر صرف "خطوطِ غالب" میں ہے۔

۶۔ یہ خط صرف "خطوطِ غالب" میں ہے۔

ص ۱۵۰۰

۱۔ بہ قول مولوی مہیش "اصل خط کا جو ورق ملا اس پر اسی قدر عبارت ہے۔"

ص ۱۵۰۱

۱۔ جنوں کا شعر تھا:

باعثِ ترکِ تکلف نہیں کھلتا مجھ کو
گالیاں دیتے ہو اے مشفقِ من خیر تو ہے

ص ۱۵۰۲

۱۔ اصل خط میں بہت سے الفاظ کاغذ کی بوسیدگی کی نذر ہو گئے ہیں۔ "خطوطِ غالب" میں یہ عبارت مکمل ہے۔ غالباً مولوی مہیش نے قیاسی تصحیح کی ہے۔

۲۔ اردوئے معلیٰ، عود اوّل و دوم "بیس" ندارد۔

ص ۱۵۰۳

۱۔ عود اوّل و دوم "محل"۔

۲۔ تاریخ تحریر صرف "خطوطِ غالب" میں ہے۔

ص ۱۵۰۴

۱۔ اصل خط میں یہ قرات "کیا" ہے۔ یہ سہوِ غالب معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اصل خط کے عکس میں یہ قرات نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ عکس بنانے کے عمل میں یہ لفظ رہ گیا ہو۔ یہاں لفظ "تو" بے موقع ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ پرتھوی چند، جنھوں نے عکس تیار کیا تھا، کی کارفرمائی ہے۔

ص ۱۵۰۵

۱۔ اصل خط "ہوا" ندارد۔

۲۔ اصل خط "و" ندارد۔

۳۔ تاریخ تحریر صرف "خطوطِ غالب" میں ہے۔ مولوی مہیش نے سنین قوسین میں دیے ہیں۔

ص ۱۵۰۸

۱۔ اس خط کے اصل کا عکس نقوش کے خطوط نمبر جلد ۱ میں شائع ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ غزل "جنون" کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ غالب نے اس کاغذ پر اصلاح کی ہے اور خط لکھا

ہے۔

۲۔ جنون کا اصل مصرع تھا: "وصل کیا بوسہ نہیں ملتا ہمیں" غالب نے پورا مصرع بدل دیا۔

ص ۱۵۱۰

۱۔ اصل خط "نے" ندارد۔ (۲) اصل خط میں یہ لفظ "دھرنے" ہے۔

ص ۱۵۱۱

۱۔ اصل خط "یہ" ندارد۔

۲۔ یہ خط پہلی بار مولوی مہیش نے "خطوطِ غالب" میں شائع کیا تھا۔ اس خط کے ساتھ اشعار شامل نہیں تھے۔ "مرقعِ غالب" میں اس خط کا عکس شائع ہوا۔ جو اس خط کے ساتھ چھاپا جا رہا ہے تو اس میں جنون کے یہ چار شعر بھی شامل ہیں۔

۳۔ اصل خط کا عکس "شکو"

۴۔ خط کا عکس نامکمل ہے۔ ۱۵۱۲ — ۱۔ خط کا عکس نامکمل ہے۔

ص ۱۵۱۳

۱ اردوے معلیٰ ہیں "وہ غزل جو کہار ..... ہو گئی" تک کی عبارت غالب کے اُس خط کے آخر میں ہیں، جس کا آغاز "قبلہ ایک سو بیس آم پہنچے" کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ "غالب کے خطوط" کے زیرِ نظر مجموعے میں اس خط کا نمبر ۴۴۲ ہے۔

ص ۱۵۱۴

۱۔ خطوطِ غالب میں اس کے بعد یہ عبارت اور ہے:

"کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

اس میں کوئی اشکال نہیں، جو لفظ ہیں وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا؟ مبہم کہتا ہے کہ کچھ کروں گا۔ خدا جانے شہر میں یا نواحِ شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو کر بیٹھ رہے یا دیس چھوڑ کر پردیس چلا جائے۔"

پوری کوشش کے بعد میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جب اصل خط کے عکس میں یہ عبارت نہیں

ہے تو پھر مولوی مہیش کو کہاں سے ملی۔ مولوی صاحب ذمہ دار آدمی ہیں اپنی طرف سے اضافہ نہیں کر سکتے۔ انھوں نے اس خط میں یہ ضرور کیا ہے کہ غالب نے اپنے اشعار کے شروع کے دو تین لفظ لکھے ہیں جبکہ مولوی مہیش نے ان الفاظ کو پورے شعر میں بدل دیا ہے، لیکن ایک پیراگراف کا اضافہ ہو جائے، یہ مولوی صاحب نہیں کر سکتے۔

ص ۱۵۱۶

۱۔ نقوش خطوط نمبر جلد ۱ میں یہ لفظ "جیبنے" ہے۔ حالانکہ اصل خط میں یہ لفظ صاف "چھتی" پڑھا جاتا ہے۔ میرے خیال سے یہ کوئی طوایف تھی۔

ص ۱۵۱۷

۱۔ اصل خط "مصراع"

۲۔ اردوئے معلّٰی "اغلاط و اسقام"

۳۔ اردوئے معلّٰی میں خط ۲۸ بھی اسی خط کا آخری حصہ ہے، جبکہ خطوط غالب، عود اول و دوم میں خط ۲۸ علاحدہ خط ہے۔

ص ۱۵۲۱

۱۔ غالب نے خط کے آغاز میں تاریخ تحریر صرف "صبح سہ شنبہ ۱۳ صفر سال غفر" لکھی ہے۔ خط میں قاطع برہان اور منشی غلام غوث خاں بے خبر کا ذکر ہے۔ غالب نے بے خبر کے نام (اکتوبر، نومبر ۱۸۶۴ء) خط میں جو کچھ لکھا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر خط ۱۸۶۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔ غالب نے "سہ شنبہ" لکھا ہے لیکن تقویم کی رو سے یہ "دوشنبہ" ہے۔

ص ۱۵۲۲

۱۔ شعر یہ ہے:

ہر یک ز گل و لالہ چہار رنگ برآورد
رخسار تو زیں ہر دو جدا رنگ برآورد

ص ۱۵۲۴

۱۔ اردوئے معلّٰی مجتبائی "بھجوایا" ندارد۔

ص ۱۵۲۵

۱۔ غالب نے ہجری اور عیسوی تاریخیں اور مہینے لکھے ہیں، سنین نہیں۔ یہ سنین ۱۲۸۰ھ اور ۱۸۶۳ء ہونے چاہئیں۔ ہاں، تقویم کی رو سے ۵ جمادی الاول کو "۱۸ اکتوبر" ہے "۱۹" نہیں۔

ص ۱۵۲۶

۱۔ ذکا کا شعر یہ تھا:

ساقی ابھی چھنی کو نچوڑیں تو نکل آئے
پانی جو سکندر کو میسّر نہ ہوا تھا

ذکا کا مطلع تھا:

غافل کبھی مجھ سے وہ ستمگر نہ ہوا تھا
یعنی مجھے اندیشۂ محشر نہ ہوا تھا

مطلع ثانی تھا:

لائے تجھے یاں تک مجھے باور نہ ہوا تھا
عاشق تری دلالہ پہ میں ور نہ ہوا تھا

ذکا کا شعر:

رکھ چھوڑا وہیں عالمِ بالا پہ قضا نے
طوبیٰ جو ترے قد کے برابر نہ ہوا تھا

ذکا کا شعر تھا:

اچھا کیا پچھلے سے جو رخصت کی سنا دی
مرنے کا مرے وقت مقرر نہ ہوا تھا

مقطع غالب کی تعریف میں:

قائل ہوں میں غالب کے ذکا طرزِ سخن کا
ایسا کوئی دلی میں سخنور نہ ہوا تھا

۲۔ دیوانِ صائب کا وہ قلمی نسخہ جو حبیب اللہ ذکا کی ملک رہ چکا ہے، حیدر آباد کی سنٹرل

لائبریری میں محفوظ ہے۔ مرزا حسین علی خاں مرحوم جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد کے شعبۂ انگریزی میں استاد تھے، انھوں نے یہ خط نگار (اپریل ۱۹۵۹ء، ص ص ۱۰-۹) میں شائع کرایا تھا۔ وہیں سے میں نے غالب کی "نادر تحریریں" میں اور سید مرتضیٰ حسین فاضل نے "اردوے معلّیٰ" جلد دوم میں نقل کیا تھا۔

۳- غالب نے نواب شمس الامرا مختار الملک میر تراب علی خاں کی مدح میں ایک قصیدہ بھیجا تھا۔ غالباً ترپسٹھ اشعار کا وہی قصیدہ ہے جو کلیاتِ غالب میں شامل ہے اور جس کا مطلع ہے۔

در مدح سخن چساں نگویم
شرطست کہ داستاں نگویم

ص ۱۵۲۷

۱- نگار (اپریل ۱۹۵۹ء) میں تاریخ تحریر نہیں دی گئی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے غالب اور ذکا (ص ۴۸) میں ہجری اور عیسوی تاریخیں درج کی ہیں۔

ص ۱۵۲۸

۱- تقویم کی رو سے ۲۸ نومبر کو شنبہ ہے

۲- اردوے معلّیٰ مجتبائی میں ۳ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال حال ہے۔ یہ سنین ۱۲۸۲ھ اور ۱۸۶۵ء ہیں اور عیسوی تاریخ یکم مئی نہیں ۲۹ اپریل ہے

ص ۱۵۳۲

۱- غالب نے تاریخِ تحریر صرف ہجری میں لکھی ہے۔

ص ۱۵۳۳

۱- اردوے معلّیٰ مجتبائی میں ۱۸۰۶ء ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔

ص ۱۵۳۴

۱- غالب کا یہ بیان درست نہیں۔ غالب نے کلکتے میں گورنر جنرل کے دربار میں شرکت ضرور کی تھی لیکن انھیں خلعت نہیں ملا تھا۔ اگرچہ ابھی تک کوئی ثبوت نہیں لیکن عین ممکن ہے کہ

غالبؔ نے خلعت کی درخواست کی ہو، اگر غالبؔ نے خلعت کے لیے درخواست کی تھی تو وہ منظور نہیں ہوئی۔

۲۔ اردوے معلیٰ مجتبائی میں تاریخ تحریر خط کے شروع میں ہے۔

ص ۱۵۳۵

۱۔ اردوے معلیٰ مجتبائی "لکھنو" ندارد۔

ص ۱۵۳۶

۱۔ اردوے معلیٰ مجتبائی "سونگ" بجائے "سونگھ"۔

۲۔ غالبؔ نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

ص ۱۵۳۸

۱۔ نواب یوسف علی خاں ناظم بقول مولانا عرشی "اس سال (۱۸۶۴ء) میں عارضۂ سرطان میں مبتلا ہو کر مسلسل چھ ماہ تک علیل رہے۔" غالبؔ کے خطوط میں اس بیماری کا پہلی بار ذکر نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام ایک خط مورخہ ۸ نومبر ۱۸۶۴ء میں آیا ہے۔

ص ۱۵۳۹

۱۔ منشی بیل چند نے غالبؔ کے خط مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴ء کے جواب میں جو خط لکھا تھا، اُس میں لکھا تھا: "ایک مادہ تاریخ کا فدوی نے نکالا ہے، سو عرض کرتا ہوں۔ امیدوار ہوں کہ اس کے دو شعر موزوں فرما کر عنایت نامۂ موسومہ فدوی کے ہیں عنایت فرمایئے:

کاٹ کر سر اعدا عرض کر تو اے منشی

بندگانِ عالی کا آج غسلِ صحت ہے

اس شعر کا مصرعِ ثانی مادۂ تاریخ ہے۔ چوں کہ اس کے اعداد ۱۸۶۶ء ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک عدد کا تخرجہ کیا گیا ہے۔ فقرہ "کاٹ کر سر اعدا" بتاتا ہے کہ اگر سر اعدا یعنی حرفِ الف کے عدد کو جو ایک ہے، مادۂ تاریخ میں سے کم کر دیا جائے تو اعدادِ مطلوبہ ۱۸۶۵ء حاصل ہو جائیں گے۔ چوں کہ یہ امر قاعدۂ تاریخ گوئی کے عین مطابق ہے، اس لیے مرزا صاحب نے اس پر جو اعتراض کیا ہے، وہ درست نہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں

عرشی، مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن) ص ۱۹۴

۲- شاہ کبیر الدین سہسرام کے ایک بزرگ تھے۔ بہ قول مولانا عرشی ان کے حالات کا علم نہ ہو سکا۔

۳- اگلا مہینا رجب کا نہیں رمضان کا تھا۔ غالب سے سہو ہوا ہے۔

ص ۱۵۴۰

۱- خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ غالب نے منشی جی سے اُس خط کی نقل مانگی ہے، جو نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام غالب نے ۲۲ مارچ ۱۸۶۵ء کو لکھا تھا۔ وہ خط فارسی میں ہے اور مکاتیبِ غالب میں شامل ہے۔ اس لیے یہ اردو خط مارچ یا اپریل ۱۸۶۵ء میں لکھا گیا ہوگا۔

۲- مولانا عرشی نے یہ تینوں قصیدے مکاتیبِ غالب (چھٹا اڈیشن ص ص ۲۰۲ - ۱۹۶) میں نقل کیے ہیں۔

ص ۱۵۴۱

۱- اصل "جواب" ندارد

۲- غالب نے تاریخ تحریر میں صرف ۱۱ جون لکھا ہے۔ احسان حسین خاں اور اُن کے بھائی مظفر حسین خاں ۱۸۶۷ء میں لکھنؤ سے رام پور آئے ہیں، اس لیے یہ خط ۱۸۶۷ء میں لکھا گیا۔

۳- اصل خط "کی" ندارد

۴- غالب نے خط پر تاریخ تحریر نہیں لکھی۔ مولانا عرشی نے خط کے متن سے تاریخ کا تعین کیا ہے۔

ص ۱۵۶۵

۱- اس خط کا عکس مجھے کاغذاتِ مہیش پرشاد میں ملا تھا۔ اکبر علی خاں صاحب نے بھی مجھے اس کا عکس بھیجا تھا۔ اُن کا کہنا ہے کہ انھیں دلی کے کباڑی بازار میں ایک بڑا سا لفافہ ملا تھا، جس پر مہیش پرشاد لکھا ہوا تھا۔ لفافے کے اندر اس خط کا عکس تھا۔ اکبر علی خاں صاحب

نے جو خط بھیجا تھا اس میں دو لفظ اڑے ہوئے تھے۔

ص ۱۵۶۷

۱۔ تاریخ صحافت "نگار" ندارد۔

۲۔ بہ قول مولانا امداد صابری "اکمل الاخبار" اکتوبر ۱۸۶۶ء کے شمارے میں یہ خط چھپا تھا۔

ص ۱۵۶۸

۱۔ منشی نول کشور کے نام غالب کا یہ خط اودھ اخبار (۲۴ ستمبر ۱۸۶۲ء) میں شائع ہوا تھا۔ اودھ اخبار کا یہ شمارہ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دلی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ خط مہتمم اودھ اخبار کے نام ہے۔ ظاہر ہے یہ حیثیت منشی نول کشور کی تھی۔

۲۔ اودھ اخبار" اور کے" "کے" زائد۔

ص ۱۵۶۹

۱۔ غالب کا یہ خط اودھ اخبار کے ۲۴ ستمبر ۱۸۶۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، اس لیے ستمبر ۱۸۶۲ء میں لکھا گیا ہوگا۔

۲۔ منشی نول کشور کے نام غالب کا یہ خط اودھ اخبار (۲۵ مارچ ۱۸۶۳ء) میں شائع ہوا تھا، جہاں سے سید مرتضیٰ حسین فاضل صاحب نے نگار (لکھنؤ، جون ۱۹۵۱ء ص ۳۸) میں اور ادو معلّٰی مرتبہ فاضل میں نقل کیا ہے۔ دونوں کے متن میں کم سے کم چھ اختلافات نسخ ہیں۔

ص ۱۵۷۰

۱۔ یہ خط اودھ اخبار کے ۲۵ مارچ ۱۸۶۳ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا، اس لیے اوائل مارچ ۱۸۶۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۵۷۱

۱۔ تاریخ تحریر میں غالب نے صرف "۸ ذی قعدہ" لکھا ہے۔ "پرستانِ خیال" کی طباعت ۱۲۸۱ھ میں ہوئی تھی۔ اس لیے یہ خط ۸ ذیقعدہ ۱۲۸۱ھ کو لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۵۷۲

۱۔ "انشائے سبدِ گل" میں تاریخ تحریر صرف ۹ ذی قعدہ ہے۔

ص ۱۵۷۳

۱۔ یہ خط مشفق خواجہ صاحب کی دریافت ہے۔

۲۔ صاحب ایجنٹ سے مراد" طامس تھیافلس مٹکاف ہے، جو دلّی کے ریذیڈنٹ تھے۔ غالب نے ان کی مدح میں پندرہ اشعار کا مدحیہ قصیدہ کہا تھا۔ قطعے کا پہلا شعر ہے:

امین ملک و ممالک معظم الدولہ
امیر نشان و کریم ابر نوال

قطعے کے آخری دو شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ مٹکاف کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے۔

ص ۱۵۷۴

۱۔ یہ خط انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالے اردو (اپریل ۱۹۴۲ء، ص ۱۵۲۔ ۱۵۱) میں شائع ہوا تھا۔ اسے عبدالحق کے نام بتایا گیا تھا، بعد کی تحقیق سے پتا چلا کہ یہ خط حکیم غلام نجف خاں کے نام ہے۔ غالب کے خطوط (جلد دوم) میں حکیم غلام نجف خاں کے نام غالب کے ۲۳ خطوط شامل کیے گئے ہیں۔ ان دونوں خطوط کو شامل کرکے کل تعداد ۲۵ ہو گئی۔

ص ۱۵۷۶

۱۔ صفیر بلگرامی کے نام غالب کے چھے خط ملتے ہیں۔ خط ۱ "مرقع فیض" اور جلوۂ خضر (جلد دوم) اور خط ۲ اور ۳ "انشاے سبد گل" "مرقع فیض" اور جلوۂ خضر (جلد دوم) خط ۵ "جلوۂ خضر" خط ۴ "انشاے سبد گل" "مرقع فیض" اور "جلوۂ خضر" میں اور خط ۶ "جلوۂ خضر (جلد دوم) میں شائع ہوئے تھے۔ ان تینوں کتابوں میں شائع ہونے والے متن کی بنیاد پر مشفق خواجہ صاحب نے ان خطوط کو مرتب کرکے "غالب اور صفیر بلگرامی میں شائع کیا ہے۔ "انشاے سبد گل" کا دنیا میں ایک ہی نسخہ ہے، جو مشفق خواجہ صاحب کے پیش نظر تھا اور دوسرے خواجہ صاحب نے یہ متن بہت محنت سے مرتب کیا ہے، اس سلسلے میں اُن کے شکریے کے ساتھ اُن کی اجازت سے خطوطِ غالب میں اُن کا مرتب کیا ہوا متن اور حواشی شامل کر رہا ہوں۔

٢- مرقعِ فیض "صاحب" ندارد۔

٣- مرقعِ فیض میں یہ خط یہیں تک نقل کیا گیا ہے۔

ص ١٥٧٧

١- جلوۂ خضر میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ یہ خط "دہم ذی الحجہ ١٢٨٠ھ ہجری یوم سہ شنبہ کو مارہرہ میں صغیر کو ملا۔ (تقویم کے مطابق عیسوی تاریخ ١٧ مئی ١٨٦٤ء گویا غالب نے یہ خط ١٢ مئی ١٨٦٤ء مطابق ٥ ذی الحجہ ١٢٨٠ھ کو لکھا۔ مولانا مہر نے خطوطِ غالب میں اس کی تاریخ ١٢ ذی الحجہ درج کی ہے، جو درست نہیں۔

غالب نے مذکورہ خط ارسال کرنے سے ایک روز قبل ایک مطبوعہ کتاب کا پارسل بھی صغیر کے نام بھیجا تھا۔ یہ مطبوعہ کتاب "مثنوی ابرِ گہر" تھی، جو صغیر کو غالب کے خط سے قبل ملی۔

٢- مرقعِ فیض، جلوۂ خضر "جناب" ندارد۔

٣- جلوۂ خضر جلد دوم اور "حکم دیا ہے" ندارد۔

٤- جلوۂ خضر جلد دوم "ریاضت کہاں" تک کی عبارت نقل کر کے "١٢" غالب کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

ص ١٥٧٨

١- مرقعِ فیض میں یہ خط یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر "نجات کا طالب غالب" لکھ کر "یوم الخمیس بہ پنجم ذی الحجہ ١٢٧٥ھ کے الفاظ درج کیے گئے۔ مشفق خواجہ صاحب نے اس تاریخ کے بارے میں بالکل درست لکھا ہے کہ سنہ اور تاریخ دونوں غلط ہیں۔

"انشائے سبدِ گل" اور "جلوۂ خضر" میں تاریخ نہیں لکھی گئی۔ مرقعِ فیض میں تاریخ اور سنہ دونوں صریحاً غلط ہیں۔ یہ خط مثنوی "صبح امید" کی اصلاح کے ساتھ آیا تھا۔ مثنوی ٨ ذی الحجہ ١٢٨٠ھ کو لکھی گئی تھی، اگر یہ دوسرے دن (٩ ذی الحجہ) ڈاک کے حوالے کی گئی ہو تو غالب کو چوتھے یا پانچویں روز (١٣ یا ١٤ ذی الحجہ) ملی ہو گی۔ تقویم کے مطابق ١٢٨٠ھ میں ١٩ یا ٢٦ ذی الحجہ کو جمعرات کا دن پڑتا ہے۔ اس لیے یہ خط انھیں دو تاریخوں میں سے کسی

ایک میں غالب نے لکھا ہوگا۔

۶۔ جلوۂ خضر، جلد دوم" نورچشم"

۷۔ مرقعِ فیض" حضرت" ندارد۔

۸۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "احمد" کے بعد" صاحب" کا اضافہ۔

ص ۱۵۷۹

۱۔ جلوۂ خضر اور مرقعِ فیض" جمیع" ندارد۔

۲۔ مرقعِ فیض میں خط یہیں ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) نقطے ندارد۔

۴۔ جلوۂ خضر (جلد دوم)" رقم" بجائے" رقعہ"

۵۔ تاریخ صرف ہجری سنہ میں دی گئی ہے۔

۶۔ اس خط کا ایک حصہ" نادر خطوطِ غالب" میں چھپا تھا۔ رسلانے یہ حصہ سید وصی احمد بلگرامی کے "س ش ص" سے نقل کیا تھا۔ بعد میں یہ خط مکمل صورت میں" مرقعِ فیض" سے اخذ کرکے" آج کل" دہلی کے اگست ۱۹۵۲ء کے شمارے میں قاضی عبدالودود نے چھپوایا تھا۔ مولانا مہر نے" نادر خطوطِ غالب سے" نامکمل خط" خطوطِ غالب" جلد دوم (ص ۵۹۶) میں شامل کیا اور ساتھ ہی آج کل" سے مکمل خط بھی شامل کر لیا (خطوطِ غالب دوم ص ۶۱۰) اور اس میں سے وہ عبارتیں نکال دیں جو" نادر خطوطِ غالب" میں آچکی تھیں۔ اس طرح خطوطِ غالب" میں اس ایک خط کے دو خط بن گئے۔

۷۔ مرقعِ فیض۔ یارب وہ کون ...... شکایت نہیں" ندارد۔

۸۔ جلوۂ خضر (جلد دوم)" ذہین"

۹۔ جلوۂ خضر (جلد دوم)" ملایم و مناسب"

۱۰۔ جلوۂ خضر (جلد دوم)" تین" ندارد۔

۱۱۔ جلوۂ خضر (جلد دوم)" لکھتے ہیں" "ہیں" زائد۔

۱۲۔ جلوۂ خضر (جلد دوم)" کے ہیں" "ہیں" زائد۔

۱۳۔ صفیرؔ بلگرامی نے "جلوۂ خضر" جلد دوم میں اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ "اصل حقیقت یہ ہے کہ بندۂ صفیرؔ نے حضرت غالبؔ کو لکھا تھا کہ پٹنہ کے لوگ آپ کے معمّا اور چیستان کے مشتاق ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کو معمائیں کامل سنا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت غالبؔ نے تحریر فرمائی" (ص ۲۲۳)

۱۴۔ یہاں صفیرؔ بلگرامی نے حاشیہ لکھا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ میں نے خط جو حضرت کو بھیجا تھا، اس کے القاب میں حضرت کا خطاب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ بھی لکھا تھا اور "پرستانِ خیال" ترجمہ "بوستانِ خیال" میں جو شعرا کی فہرست ہے، اس میں یہ خطاب نہیں لکھا اور محمد رضا برقؔ کا خطاب لکھا تھا۔ حضرت نے جب "پرستانِ خیال" کو دیکھا تو یہ شکایت مجھے لکھی۔ (جلوۂ خضر جلد دوم، ص ۲۲۴)

۱۵۔ "انشاے سبد گل" اور "جلوۂ خضر" (جلد دوم) میں یہاں نقطے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ کچھ عبارت ترک کر دی گئی ہے۔ "مرقعِ فیض" میں نقطے نہیں ہیں۔

ص ۱۵۸۰

۱۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "کیا" ندارد۔

۲۔ مرقعِ فیض "کیوں حضرت ..... نعم البدل نہیں" ندارد۔

۳۔ مرقعِ فیض اور جلوۂ خضر (جلد دوم) میں ہجری تاریخ ہے۔ ۲۵ ذی قعدہ کو تقویم کی رو سے جمعہ ہے شنبہ نہیں۔

۴۔ قاضی عبد الودود نے ثابت کیا ہے کہ صفیرؔ بلگرامی کے نام غالبؔ کا یہ خط جعلی ہے۔ آج کل ماہانہ، دہلی اگست ۱۹۵۲ء) مشفق خواجہ کو قاضی صاحب کی اس رائے سے اتفاق نہیں۔ انھوں نے جو دلائل دیے ہیں مجھے اُن سے اتفاق ہے۔

(غالبؔ کا یہ خط متنازع فیہ ہے) اس کی تفصیل یہ ہے کہ صفیرؔ کے پوتے سید وصی احمد بلگرامی مرحوم نے رسالہ "ندیم"، گیا، بہار نمبر ۱۹۳۵ء میں "س ش ص" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا، اس میں انھوں نے صفیرؔ کے خط کا ایک حصہ ("ملازمت؟ .... تا .... شباب" کے بدلے") نقل کیا اور غالبؔ کا ایک خط بھی درج کیا، لیکن اس کے بعض الفاظ

حذف کر کے متعلقہ مقامات پر نقطے لگا دیے۔ رسا ہمدانی نے غالب کا خط "نادر خطوطِ غالب" (ص ۵۸ - ۵۷) میں نقل کیا۔ انھوں نے یہ خط س شس ص سے اخذ کیا اور سید وصی احمد کے پیش کردہ متن سے نقطے حذف کر کے عبارت کو مسلسل کر دیا۔ نیز شروع میں مقام و تاریخ (دہلی، ۲۸ نومبر ۱۸۶۳ء) کا اور آخر میں "نجات کا طالب غالب" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا۔ تفصیلی دلائل کے لیے ملاحظہ ہو: مشفق خواجہ کی غالب اور صفیر بلگرامی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ص ۸۲ - ۸۸

ص ۱۵۸۲

۱۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "رسپانڈنٹ"

۲۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "نجات کا طالب غالب" ندارد۔

۳۔ جلوۂ خضر (جلد دوم) "چار"۔ تاریخ صرف ہجری سنہ میں دی گئی ہے۔

ص ۱۵۸۳

۱۔ مکاتیبِ غالب (پہلا اڈیشن) "اپنی"

۲۔ لارڈ لارنس سے مراد ہے۔

۳۔ چارلس سانڈرس سے مراد ہے۔

۴۔ اصل تلفظ "ریونیو بورڈ" ہے۔

ص ۱۵۸۴

۱۔ بہ قول مولانا عرشی "لفافے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے اسے لکھ تو ۲۴ تاریخ ہی کو لیا تھا، مگر ارادہ تھا کہ ۲۵ کو پوسٹ کرائیں گے۔ اس لیے ۲۵ مارچ تاریخ لکھ دی تھی۔ بعد ازاں از راہِ عجلت ۲۴ ہی کو ڈاک میں ڈلوا دیا"۔ اسی لیے متن میں تاریخ تحریر ۲۴ مارچ کر دی ہے۔

ص ۱۵۸۵

۱۔ محمد حسین خاں کے نام غالب کے تین خطوط دبدبۂ سکندری (رام پور) یکم جولائی ۱۸۶۹ء کے شمارے میں شائع ہوئے تھے جہاں سے اثر رام پوری نے آج کل (نئی دلی، ستمبر ۱۹۵۱ء)

میں شائع کیے۔ یہاں آج کل سے نقل کیے جا رہے ہیں۔

ص ۱۵۸۶

۱۔ غالب نے محمد حسین خاں کے نام خط میں پانچ شعر کا یہ قطعہ لکھا ہے اور تین دن بعد یعنی ۴ اپریل کو نواب کلب علی خاں کو جو خط لکھا اس میں بھی یہ قطعہ لکھا ہے لیکن صرف تین شعر لکھے ہیں اور دو شعروں کا متن بہت مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ پہلے غالب نے پانچ اشعار کا قطعہ کہا تھا، بعد میں دو شعر قلمزد کر دیے اور باقی تین شعروں میں سے دو شعروں میں کافی تبدیلی کر دی۔

۲۔ خط نامکمل معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ غالب نے کوئی ایسی بات لکھی ہو جسے چھاپنا مناسب نہ سمجھا گیا ہو۔

ص ۱۵۸۷

۱۔ یہ خط بھی نامکمل نقل ہوا ہے۔

۲۔ غالب نے صرف ہجری تاریخ لکھی ہے۔

۳۔ غالب کا یہ خط رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے مکاتیب غالب (چھٹا اڈیشن) میں نقل کیا ہے۔

۴۔ اصل مسودہ "کے" ندارد۔

ص ۱۵۸۹

۱۔ مولوی مہیش پرشاد نے غالب کے خطوط دو جلدوں میں مرتب کیے تھے۔ پہلی جلد شائع ہو گئی تھی۔ دوسری جلد مرتب تو ہو گئی تھی لیکن مولوی صاحب ابھی اس پر نظر ثانی کر رہے تھے کہ خدا کو پیارے ہو گئے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نے دوسری جلد کا مسودہ اور غالب سے متعلق مولوی صاحب کے تمام کاغذات حاصل کر لیے۔ افسوس ہے کہ دوسری جلد کا مسودہ تو انجمن سے غائب ہو گیا، کاغذات البتہ محفوظ ہیں لیکن بہت خستہ حالت میں۔ پانی میں بھیگنے کی وجہ سے کچھ کاغذات آپس میں چپک گئے ہیں۔ اور کچھ کی سیاہی اڑ گئی ہے۔

سہ ماہی "حیات نو" پانی پت میں قاضی عبدالرحمٰن تحسین پانی پتی کے کلام پر غالب کی اصلاحیں

قسط وار اکتوبر ۱۹۳۳ء جنوری ۱۹۳۴ء، اپریل ۱۹۳۴ء، جولائی ۱۹۳۴ء، اپریل ۱۹۳۵ء کے شماروں میں شائع ہوئی تھیں۔ ان اصلاحوں کے ساتھ خطوط کی وہ عبارتیں شائع ہوئیں جو غالب نے لکھی تھیں۔ مولوی مہیش پرشاد نے یہ سب اصلاحیں بصورتِ خطوط نقل کر لی ہیں۔ انہی کے کاغذات سے یہ خطوط نقل کیے گئے ہیں۔ میں نے "حیاتِ نو" کے فائل کی بہت تلاش کی۔ پانی پت اور ہریانہ کی بیشتر لائبریریاں کھنگال ڈالیں لیکن کہیں نہیں ملا۔ "حیاتِ نو" کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "غالب کے خطوط" جلد دوم ص ص ۹۶۳ - ۹۶۴۔ جس کاغذ پر مولوی صاحب نے یہ خط نقل کیا ہے، اس کی پیشانی پر لکھا ہے (دیکھو حیاتِ نو جولائی ۱۹۳۵ء) اس کا مطلب ہے کہ یہ اس شمارے کا حوالہ ہے جس میں یہ خط شائع ہوا تھا۔

۲- مہیش کاغذات میں یہ خط دوبار نقل ہوا ہے۔ ایک کاغذ پر خط کے آخر میں تاریخ تحریر "۲۲ دسمبر" ہے اور دوسرے کاغذ پر یہ تاریخ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۱ء ہے۔ یہاں ۱۸۶۱ء قوسین میں ہے۔

ص ۱۵۹۴

۱- مہیش کاغذات میں ایک کاغذ پر تحسین کی تیرہ اشعار پر مشتمل ایک فارسی غزل نقل کی گئی ہے۔ غزل پر غالب کی اصلاح ہے۔ اس کاغذ کے حاشیہ پر غالب کا خط نقل ہوا ہے اور کاغذ کی پیشانی پر قوسین میں "حیاتِ نو اپریل ۱۹۳۵ء" لکھا ہوا ہے۔

ص ۱۵۹۵

۱- مہیش کاغذات "نوٹ"

ص ۱۵۹۶

۱- یہ خط سید قدرت صاحب نقوی کی دریافت ہے۔ انھوں نے ہی یہ خط مجھے عنایت فرمایا ہے۔ خط میں نوروز علی خاں اور احسان خاں کا ذکر آیا ہے۔ غالب نے غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام (مورخہ ۱۴ فروری ۱۸۶۴ء) خط میں نوروز علی خاں کا اور منشی سیل چند کے نام (مورخہ ۱۱ جون ۱۸۶۷ء) خط میں احسان حسین خاں کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد کا غالب نامہ (نئی دلی جنوری ۱۹۹۱ء) میں اس خط پر عالمانہ مقالہ شائع ہوا۔ نذیر صاحب کو اس خط کے اصلی ہونے پر شبہ ہے۔ میرا بھی خیال ہے کہ جب تک کچھ اور شواہد نہ ملیں اسے اصل نہیں سمجھنا چاہیے۔

ص | ۱۵۹۸

۱۔ حکیم ظہیر الدین دہلوی کے نام یہ خط اکبر علی خاں عرشی زادہ نے ہماری زبان میں شائع کرایا تھا لیکن انھوں نے اپنے ماخذ کی نشان دہی نہیں کی۔

جہانِ غالب

فہرست

۱۔ آزادؔ، الگزنڈر ہیدرلی (Alexander Heatherly) یہ "الک" یا الکھ کے نام سے مشہور تھے۔ غالبؔ نے ان کا ذکر میر مہدی مجروحؔ اور یوسف مرزا کے نام کے خطوط میں کیا ہے۔ آزادؔ کے دادا جیمز ہیدرلی ۱۷۹۰ء میں بیوی بچوں کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ آزاد کے والد کا نام بھی جیمز ہیدرلی تھا۔ تیس سال تک برطانوی حکومت کے معمولی عہدوں پر فائز رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد جیمز ۱۸۳۳ء میں جھجر کے نواب فیض محمد خاں کے ڈیڑھ سو روپے مہینے پر ملازم ہوئے۔ ان کا کام انگریزی دستاویزوں اور خط و کتابت کا ترجمہ کرنا تھا۔ ۱۶ اپریل ۱۸۵۹ء کو ان کا میرٹھ میں انتقال ہوگیا۔ جیمز نے پہلی شادی ایک انگریز خاتون اور دوسری شادی ایک مسلم خاتون سے کی تھی جس کے بطن سے آزاد پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جیمز ہیدرلی نے مسلم تہذیب کو اپنا لیا تھا اور اسی ماحول میں آزاد کی پرورش ہوئی۔

آزاد ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی کے بہت کم حالات کا ہمیں علم ہے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ اُردو کے اچھے شاعر تھے اور نواب زین العابدین عارفؔ کے شاگرد تھے۔ ان کی عمر بتیس سال کی تھی کہ ۷ جولائی ۱۸۶۱ء کو کسی نے الور میں انھیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ وفات کے وقت مرحوم الور کی آرٹیلری میں کپتان کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ تقرر صرف ایک سال کے لیے ہوا تھا۔ ۱۸۶۳ء میں آزاد کے بڑے بھائی اور ایک دوست شوکت علی نے اُن کا دیوان مطبع احمدی آگرے سے شائع کرایا۔ یہ دیوان ۱۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

ملاحظہ ہو : European and Indo European Poets of Urdu and Persian, pp. 70-79

مزید مطالعے کے لیے : غالبؔ کا ایک فرنگی شاگرد مولانا عبدالماجد دریابادی، معارف اعظم گڑھ
اردو کا ایک ہند برطانوی شاعر از نثار احمد فاروقی مشمولہ دراسات مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۸ء

۱۹۲۲ء ۔خم خانۂ جاوید، جلد ا ص ۲۷۔ سخن شعرا، ص ۲۲ قطعہ منتخب ص ۷۔ الگزینڈر ہیڈرلی آزاد ناظر حسن، آجکل، دہلی، مئی ۱۹۵۶ء۔

۲۔ آزردہ، مفتی صدرالدین : ان کا ذکر مجروح، عبدالرزاق شاکر، مولوی عزیزالدین، سید احمد حسن مودودی، علائی اور کلب علی خاں کے نام کے خطوط میں آیا ہے۔ آزردہ لطف اللہ کشمیری کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم عقلی و نقلی کے ماہر تھے۔ عربی اور فارسی زبان و ادب پر بھی غیر معمولی قدرت تھی۔ شعر گوئی سے بھی دل چسپی تھی اور آزردہ تخلص کرتے تھے۔ ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء کو دلّی میں انتقال ہوا۔ پروفیسر مختار الدین احمد نے آزردہ کی چھے ایسی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے جو دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گئیں، اور پانچ ایسی تصنیفات کی تفصیل پیش کی ہے جو محفوظ رہ گئی ہیں۔ اُن سے ایک تذکرہ بھی منسوب ہے جسے پروفیسر مختار الدین احمد نے شائع کرا دیا ہے۔

ملاحظہ ہوں: مفتی صدرالدین آزردہ، عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی ــ مفتی صدرالدین آزردہ کی کچھ نایاب و کمیاب تحریریں، مختار الدین احمد، سہ ماہی غالب نامہ، (نئی دلّی) جولائی ۱۹۸۱ء، ص ص ۸۰۔ ۱۰۳۔ آزردہ کے اشعار، خلیق انجم، اردو نامہ، کراچی، اپریل و جون ۱۹۶۴ء۔

۳۔ آشوب، امداد علی : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ دہلی کے سادات میں سے تھے۔ میر روشن علی خاں فروغ کے صاحبزادے اور میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے۔ اجداد میں کسی بزرگ کو بادشاہِ وقت سے "خانی" کا خطاب ملا تھا۔

کہا جاتا ہے استاد کا رنگ ایسا اپنایا کہ اُن کے کلام پر استاد کے کلام کا شبہ ہوتا تھا۔ بہ قولِ شیفتہ ہر مجلسِ مشاعرہ میں شریک ہوتے، طرح میں غزل کہتے تھے۔

ملاحظہ ہوں: گلشنِ بے خار، ص ۱۲۔ تذکرہ بزمِ سخن و طورِ کلیم، ص ص ۲۲۔۲۳ ــ تذکرہ جلوۂ خضر، جلد ا، ص ۲۰۷ ــ گلستانِ سخن جلد ا، ص ۲۳۵ ــ تذکرہ خوش معرکۂ زیبا، ص ۱۷۱۔ سخن شعرا ص ۳۲ ــ گلشن ہمیشہ بہار، ص ص ۵۷۔۵۸ ــ طبقات الشعرائے ہند، ص ۴۴۸۔

۴۔ آغا جان منشی : غالب نے میر مہدی مجروح کے نام خط میں آغا جان اور سید بدر الدین المعروف بہ فقیر کے نام خط میں "منشی آغا جان" لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ایک ہی شخص ہوں اور اس کا بھی امکان ہے کہ دو الگ اشخاص ہوں۔ منشی آغا جان، مفتی صدرالدین آزردہ کے سالے تھے۔ یہ محکمۂ ایجنٹی میں مدتوں محرر رہے۔ بہت

مخیّر اور نیک دل آدمی تھے ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد دہلی سے فرار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں گرفتار ہوئے لیکن پھر رہا کر دیے گئے۔

ملاحظہ ہو: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ص ۱۷۷، ۱۸۰، غدر کا نتیجہ، ص ۵۵۔

۵۔ آغا سلطان : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ آغا سلطان، بخشی محمد علی خاں کے صاحبزادے تھے اور شاہ جلال الدین حیدر کے لڑکے راقم الدولہ ظہیر دہلوی کے بہنوئی تھے۔ یہ شاہی فوج میں بخشی تھے ۱۸۵۷ء میں دہلی سے فرار ہو کر مختلف مقامات پر ہوتے ہوئے رام پور پہنچے۔ یہاں طویل عرصے تک رہے۔ جب عام معافی ہو گئی تو یہ دہلی آ گئے۔ بہت تحسرت اور تنگ دستی کے عالم میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: داستان غدر، ص ۱۲، ص ۱۲۹۔

۶۔ آغا محمد حسین شیرازی : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین خاں علائی اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ آغا صاحب ایرانی النسل تھے، شعر گوئی کا ذوق تھا، ناخدا تخلص کرتے تھے۔ ایران کے سفیر کی حیثیت سے سات سال کلکتے میں رہے لیکن بعد میں تجارت شروع کر دی۔ "صبح گلشن" کی تالیف (۱۸۷۶ء) کے وقت یہ کلکتے میں تجارت کر رہے تھے۔ تجارت کے سلسلے میں چین، پنجاب اور سندھ بھی گئے انھوں نے پچاس ہزار شعر کہے تھے۔ دیوان مرتب ہو گیا تھا لیکن شائع نہ ہو سکا۔ انھوں نے غالب کے نام ایک خط میں غالب کی "قاطع برہان" کی تعریف کی تھی۔ غالب نے اس خط کا فارسی میں جو جواب دیا تھا وہ "پنج آہنگ" میں شامل ہے۔

ملاحظہ ہوں: صبح گلشن، ص ص ۸۹-۸۸۴، تکملہ مقالات الشعرا، ص ۵۹۴۔

۷۔ ابن سینا، ابو علی الحسین بن عبد اللہ : غالب نے ان کا ذکر ضیاء الدین ضیا دہلوی اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اگست ۹۸۰ء میں بخارا کے نواح میں افشنہ نام کے ایک قریے میں ولادت ہوئی۔ چھ برس کی عمر میں والد کے ساتھ بخارا آئے۔ یہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۲۱ جون ۱۰۳۷ء کو ہمدان میں انتقال ہوا، وہیں مدفون ہوئے۔

ابن سینا کا شمار دنیا کے مشہور ترین سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک عظیم فلسفی، طبیب، ریاضی داں اور علم فلکیات کے ماہر تھے۔ "القانون" فن طب میں ان کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو

چھے سو سال تک مشرق اور مغرب میں فن طب کی بنیادی درسی کتاب رہی ہے۔ ۱۴۷۶ء میں روم میں یہ چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

ملاحظہ ہو : دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱، ص ص ۵۶۰۔ ۵۷۶۔

۸۔ **ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت** : امام اعظمؒ کے لقب سے معروف ہیں۔ غالب نے ان کا ذکر علاء الدین خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ علوم اسلامی کے بہت بڑے ماہر اور ایک فقہی مکتب کے بانی ہیں جس کے پیروکاروں کی اکثریت سنٹرل ایشیا اور ہندوستان میں پائی جاتی ہے۔ ۶۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا کوفے میں کپڑا بنانے کا کارخانہ تھا۔ عباسی خلیفۂ وقت منصور کی خواہش تھی کہ امام اعظم عہدۂ قضا قبول کر لیں لیکن آپ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ منصور نے انھیں قید کر دیا۔ ۷۶۷ء میں قید خانے ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ امام اعظم کا سب سے بڑا کارنامہ بہ قولِ امام ابن مبارک یہ ہے کہ انھوں نے آثار و احادیث سے شرعی احکام اخذ کرنے کے لیے ایک عقلی پیمانہ دیا جسے اصولِ فقہ کی اصطلاح میں "قیاس" کہا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو : اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱، ص ص ۷۸۸۔ ۷۸۳۔

۹۔ **ایجرٹن، فلپ ہنری** (Philip Henry Egerton) : غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ ولیم ایجرٹن کے بیٹے تھے۔ ۹ اگست ۱۸۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۴۲ء میں ہندوستان پہنچے۔ ۱۸۵۵ء تک صوبہ شمال مغرب میں ملازم رہے۔ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۹ء تک دہلی میں مجسٹریٹ رہے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران چھٹی پر تھے۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں ملازمت پر واپس آئے۔ ۱۸۵۹ء میں امرتسر اور ۱۸۶۲ء میں راولپنڈی میں کمشنر ہوئے۔ ۱۸۷۲ء میں ریٹائر ہوئے اور ۱۷ جون ۱۸۹۳ء کو انتقال ہوا۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو انگریزوں کی فتح کی خوشی میں دلی میں چراغاں کا حکم ہوا تھا۔ اس موقع پر غالب نے پندرہ شعر کا ایک فارسی قطعہ کہہ کر کمشنر کو بھیجا تھا۔ اس قطعے کے ایک شعر میں ایجرٹن کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے :

شد از سعی ہنری ایجرٹن بہادر
رواں ہر طرف جوئبار چراغاں

ملاحظہ ہو : Dictionary of Indian Biography, P. 133

۱۰۔ احسن اللہ خاں۔ احترام الدولہ عمدۃ الحکما معتمد الملک حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں بہادر ثابت جنگ : غالب نے ان کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ دہلی کے مشہور حکیم محمد عزیز اللہ خاں کے صاحبزادے اور مومن خاں مومن کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ۱۲۱۲ھ مطابق ۹۸-۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ حکیم احسن اللہ خاں پہلے نواب احمد بخش خاں والیِ فیروز پور جھرکہ کے ملازم ہوئے، اُن کی وفات کے بعد نواب فیض محمد خاں والیِ جھجر سے وابستہ ہوگئے۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد اکبر شاہ ثانی کے طبیبِ خاص مقرر ہوئے۔ جب بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہوئے (۱۸۳۷ء) تو انھوں نے حکیم صاحب کی خدمات حاصل کرلیں۔ اکبر شاہ ثانی نے انھیں معتمد الملک حاذق الزماں کے خطابات سے نوازا تھا اور احترام الدولہ، عمدۃ الحکما، ثابت جنگ کے خطابات بہادر شاہ ظفر نے دیے۔ چونکہ حکیم صاحب بہت بڑے عالم اور کاروبارِ حکومت سے واقف تھے اس لیے بہادر شاہ ظفر نے انھیں اپنا مشیرِ خاص بھی بنا لیا۔ حکیم صاحب دہلی کے عوام و خواص میں بہت مقبول تھے لیکن ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں اُن کے رول نے انقلابیوں کو اور عوام کو اُن سے متنفر کردیا تھا۔ اُن کی ہمدردیاں انگریزوں کے ساتھ تھیں۔ انقلابیوں کو اس کا اندازہ ہوگیا تھا اس لیے ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو انقلابیوں نے اُن کی حویلی کو آگ لگا دی اور سارا ساز و سامان لُوٹ لیا۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ چاوڑی بازار میں انقلابیوں کے بارود کے ذخیرے کو حکیم احسن اللہ خاں کی سازش سے آگ لگادی گئی تھی۔ جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو وفاداری کے باوجود وہ انگریزوں کے عتاب سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ تمام جائداد ضبط کر کے ان کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی گئی۔ بعد میں جائداد تو واگذار کروی گئی لیکن نقل و حرکت پر بہ دستور پابندی رہی۔ پھر یہ پابندی بھی ہٹالی گئی۔ حکیم صاحب دہلی سے بڑودہ چلے گئے اور وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں نے حکیم صاحب کا سنہ ولادت اس مصرع سے نکالا: "سنِ مولدش بودہ لفظ غریب" اور سنِ وفات اس مصرع سے: "بود سال فوتش
۱۲۱۲ھ
"حکیم غریب"۔
۱۲۹۰ھ

حکیم صاحب ادب نواز اور صاحبِ علم تھے۔ انھوں نے مومن خاں مومن کا فارسی دیوان مرتب کر کے ۱۲۷۱ھ میں مطبع سلطانی، دہلی سے شائع کرایا تھا۔ اس دیوان کا دیباچہ حکیم صاحب نے خود لکھا تھا۔ میری ذاتی لائبریری میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ اسی طرح اُن کے اہتمام میں مومن خاں کے فارسی خطوط کا مجموعہ "انشائے مومن" کے نام سے مطبع سلطانی پریس سے ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوا۔ اس

کا دیباچہ بھی حکیم صاحب ہی نے لکھا۔ حکیم صاحب نے فرماں روایانِ ہند اور وزرائے ہند کے حالات پر "مرآۃ الاشباہ" کے نام سے فارسی میں ایک کتاب بھی لکھی تھی جو غالباً چھپی نہیں۔ اس کا مخطوطہ بہ قول ڈاکٹر عبداللہ چغتائی برٹش میوزیم، لندن میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کی اردو تلخیص "مراۃ الاشباہ" ۱۸۶۰ء میں مطبع مرتضوی، دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

حکیم صاحب غالب کے مربّی تھے اور غالب بھی حکیم صاحب کے بہت مداح تھے۔ اگرچہ غالب نے خود کبھی نہیں لکھا لیکن امکان یہی ہے کہ حکیم صاحب ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بہادر شاہ ظفر نے غالب کو خلعت اور خطابات سے نوازا اور خاندانِ تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر متعین کیا۔ حکیم صاحب اس تاریخ کا اردو مسودہ فراہم کرتے تھے اور غالب اُس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا کرتے تھے۔

ملاحظہ ہوں: تاریخ عروجِ سلطنتِ انگلشیہ ہند ص ص ۶۶۴ — بہادر شاہ کا روزنامچہ، ص ۱۳۲۔ حیاتِ جاوید، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، ص ۴۵۔ واقعاتِ دار الحکومت، جلد ۳، ص ص ۱۹۹۔۲۰۰۔ جلوۂ صحیفۂ زریں ص ۱۵۷۔ ہندوستانی اخبار نویسی ص ص ۲۔۸ اور ۲۸۸ — ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ص ۱۷۵۔۱۷۶۔ سخن شعرا، ص ۱۴۔ ۱۸۵۷ء کے اخبار اور دستاویزیں، ص ص ۳۹۳۔ ۳۹۵ اور ۴۲۵۔ مرآۃ الاشباہ اور حکیم احسن اللہ خاں، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، اردو، کراچی، جنوری، فروری، مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۱۹۱۔ ۲۰۵ Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan (اس کتاب کے حوالے عتیق صدیقی مرحوم نے دیے ہیں، میری نظر سے نہیں گزری)۔ اطبائے عہدِ مغلیہ، ص ص ۴۲۔ ۴۳۔ آثار الصنادید، باب چوتھا ص ص ۳۵۔۳۴

۱۱۔ احمد بخش خاں، نواب: غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، علاء الدین احمد خاں علائی، ضیاء الدین احمد خاں نیّر رخشاں، نواب کلب علی خاں، مرزا شہاب الدین خاں ثاقب، امین الدین احمد خاں، حکیم غلام مرتضیٰ خاں اور مرزا امیر الدین احمد خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ نواب احمد بخش خاں، مرزا عارف جان کے بیٹے اور غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خاں معروف کے بھائی تھے۔ ۱۷۶۵ء میں اٹک میں پیدا ہوئے۔ پہلے گوالیار میں ملازمت کی، پھر گھوڑوں کی تجارت شروع کر دی۔ کچھ عرصے بعد ریاست الور میں ملازم ہو گئے اور بہت جلد مہاراجہ الور کا اعتماد حاصل کر لیا۔ جب ۱۸۰۱ء میں انگریزوں نے بھرت پور پر فوج کشی کی تو یہ بھی انگریزوں کی طرف سے لڑے۔ تیس سال تک

لارڈ لیک کے ماتحت فوجی خدمات انجام دیں جس کے صلے میں انھیں فیروز پور جھرکہ، سانگرس، پونا ہانا، سونک سونسا، بچھور اور نگینہ جاگیر میں عطا ہوئے۔ فخر الدولہ، دلاور الملک، رستم جنگ کے خطابات سے سرفراز ہوئے۔ مہاراجا بختاور سنگھ نے پرگنہ لوہارو انعام میں دیا۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء میں انتقال ہوا۔ مہرولی میں احاطہ درگاہ قطب صاحب میں مدفون ہیں۔

ملاحظہ ہوں: اصہار الغالب ۔ تلامذہ غالب، ۲۸۳ ۔ ۲۸۴ ۔ خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ۱۳۶ ۔ علم و عمل، ص ص ۳۱۸ ۔ ۳۱۴ ۔

۱۲۔ احمد حسین خاں : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور انوار الدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ غیاث الدولہ عمدۃ الملک حکیم رضی الدین خاں ارسلان جنگ کے چھوٹے بھائی تھے۔ مغل نسل سے تھے۔ صاحبِ خدنگِ غدر اور غالب نے ان کا نام احمد حسین خاں، اور عبداللطیف نے محمد حسین خاں لکھا ہے۔ (۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ) عبداللطیف کو غالباً سہو ہوا۔ احمد حسین خاں اور ان کے بڑے بھائی حکیم رضی الدین خاں ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب میں انگریزوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

ملاحظہ ہوں: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۵۶، ص ص ۱۹۲ ۔ ۱۹۳ ۔ خدنگِ غدر، ص ۸۴ ۔

۱۳۔ احمد حسین، میر: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ میر روشن علی خاں فروغ کے صاحبزادے اور امداد علی آشوب کے بھائی تھے۔

۱۴۔ احمد علی، میر: غالب نے ان کا میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں اس طرح ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجروح کے دوستوں میں تھے اور مجروح کی وجہ سے غالب کے بھی ان سے دوستانہ مراسم تھے۔

۱۵۔ اڈمنسٹن جارج فریڈرک (Sir George Fredrick Edmonstone) : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، مرزا حاتم علی بیگ مہر، منشی شیونرائن آرام، نواب یوسف علی ناظم اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نیل بینجامن اڈمنسٹن کے لڑکے تھے۔ اپریل ۱۸۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۱ء میں صوبہ شمال مغربی میں تقرر ہوا۔ کچھ عرصے بعد ستلج کے کمشنر بنے۔ مختلف عہدوں پر

کام کر کے یکم مارچ ۱۸۵۳ء میں پنجاب کے فنانشل کمشنر ہوئے۔ ۱۸۵۵ء میں حکومتِ ہند کے امورِ خارجہ کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران یہ فارن سکریٹری تھے کچھ عرصے بعد صوبہ شمال مغربی کے لفٹنٹ گورنر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۶۴ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : Dictionary of Indian Biography, pp. 131-132

نیز نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی درج ذیل دستاویزیں :

Foreign Department 178-179 F.C. 14 June. 1850 Foreign Department 238-239 F.C. 19 May, 1854

۱۶۔ ارشاد حسین خاں : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ خیرآباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد فرید الدین احمد مہاراجا پٹیالہ کے مدار المہام تھے۔ ارشاد حسین خاں، ٹونک کے میر تفضل حسین خاں کے چھوٹے بھائی تھے۔ ریاست ٹونک میں ملازم تھے۔ میر تفضل حسین خاں کی وفات کے بعد یہ سفارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔

ملاحظہ ہو : ٹونک میں مرزا غالب کے احباب، سید منظور الحسن برکاتی، تحریک دلی اپریل ۱۹۶۴ء ص ۸۷۔

۱۷۔ اسفندیار بیگ : غالب نے میر مہدی مجروح کے نام خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ "پنج آہنگ" میں ان کے نام غالب کا خط شامل ہے۔ جس میں غالب نے الور کی دیوانی کے عہدے پر فائز ہونے پر انھیں مبارک باد دی ہے۔ یہ بریلی کے رہنے والے تھے۔ پہلے نواب شمس الدین خاں والیِ لوہارو کے مختارِ کار تھے۔ نواب شمس الدین خاں کے مقدمے میں وکیل بن کر کلکتے گئے مگر ناکام رہے۔ نواب صاحب کو پھانسی لگنے کے بعد یہ الور میں نائب دیوان ہو گئے۔ ۱۸۴۹ء میں یہ ریاست کے دیوان ہو گئے۔ الور کے دیوان نواب امین اللہ خاں عرف اموجان اور ان میں اختلافات ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسفندیار بیگ نے اموجان کو رشوت کے الزام میں گرفتار کرا دیا کئی لاکھ روپیہ دے کر رہائی ہوئی۔

آخری عمر میں اندھے ہو گئے تھے ۱۸۶۲ء میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : کارنامۂ راجپوتگان، ص ۳۵۳۔ کارنامۂ سروری، ص ۱۴۔

۱۸۔ اشرف علی حکیم میر : غالب نے میر مہدی مجروح، میر سرفراز حسین اور منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ دلّی کے رہنے والے اور میر اسد علی کے صاحبزادے تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں گرفتار ہوئے۔ یہ تو رہا ہو گئے لیکن جائداد ضبط ہو گئی۔ غالب نے مجروح کے نام خط میں بہت خوبصورت انداز میں اِن کا خاکہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں: "کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی سانولے سلونے، داڑھی منڈے، بڑی بڑی آنکھوں والے تشریف لائے، تمھارا خط دیا بصرف ملاقات کی تقریب میں تھا۔ بارے اُن سے اسم شریف پوچھا گیا، فرمایا اشرف علی، قومیت کا استفسار ہوا، معلوم ہوا سید ہیں۔ پیشہ پوچھا حکیم نکلے۔ یعنی حکیم میر اشرف علی۔ میں اُن سے مل کر بہت خوش ہوا۔ خوب آدمی ہیں اور کام کے آدمی ہیں۔" مجروح نے اُن کی وفات پر جو قطعہ تاریخ لکھا تھا، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۰ء) میں بنارس میں بیٹھے بیٹھے انتقال ہوا۔ قطعہ یہ ہے:

میر اشرف علی دہلی زاد — در بنارس ز ہفتہ جانہ گذاشت
چونکہ در غربت انتقال نمود — شد غریب الوطن سنینِ وفات
۱۳۰۸ھ

ملاحظہ ہوں: نادراتِ غالب حواشی ص ۱۳۹۔ مظہرِ معانی، ص ۲۲۴۔

۱۹۔ اشک، مولوی ہادی علی : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ شیخ حسین علی بجنوری کے صاحبزادے اور فتح الدولہ برق لکھنوی کے شاگرد تھے۔ بہ قول عبدالغفور نسّاخ عربی اور فارسی میں بھی شعر خوب کہتے تھے۔ سری رام اُن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "صنعتِ تاریخ گوئی میں اچھی مہارت تھی عربی کا خطِ نسخ نہایت عمدہ لکھتے تھے۔ منشی نول کشور کے مطبع میں اُن کے ہاتھ کا قرآن مجید چھپا تھا جو نہایت خوش خط اور صحیح مانا جاتا ہے۔ اکثر فارسی درسیہ کتابوں پر، جو اس مطبع میں چھپیں، حاشیہ اور شرح بھی آپ ہی لکھا کرتے تھے۔" اشک ہی نے "کلیاتِ نظمِ غالب" کے اُس اڈیشن کی پلیٹوں کی تصحیح کی تھی جو ۱۸۶۳ء میں مطبع نول کشور سے شائع ہوا تھا۔ ۱۸۸۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ قصبہ بجنور میں مولانا فخر الدین شہید کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ بہ قول سری رام اُن کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔

ملاحظہ ہو: خم خانۂ جاوید، جلد ۱، ص ۳۱۳۔ سخنِ شعرا، ص ۲۱۔ سراپا سخن، ص ۲۰

صبحِ گلشن، ص ۲۰۔

۲۰۔ الگزنڈر اسکنر (Alexander Skinner) غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ غالب، علائی اور ضیاء الدین احمد خاں نیّرؔ رخشاں کے دوستوں میں تھے۔ اور سکندر کے نام سے مشہور تھے۔ والد کا نام جیمز اسکنر تھا۔ سکندر ۲۱ جون ۱۸۲۷ء کو ہانسی میں پیدا ہوئے۔ ان کے بھائی تھامس اسکنر کی اولاد میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے جن میں سے بعض کی قبریں درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں ہیں۔

سکندر اردو میں شعر بھی کہتے تھے۔ ۶ جنوری ۱۸۸۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔ سکندر کے دادا لفٹنٹ کرنل ہرکولیس نے کشمیری گیٹ دہلی میں ایک گرجا گھر بنوایا تھا۔ یہ گرجا گھر آج بھی موجود ہے اسی گرجا گھر میں سکندر اور اُن کے خاندان کے کچھ افراد کی قبریں ہیں۔ خود سکندر، اُن کی بیوی اور صاحبزادی کی قبریں اسی گرجا گھر میں ہیں۔ سکندر کی بیوی کی لوحِ قبر پر فارسی کا یہ قطعہ درج ہے:

کدبانوے اسکنر الک زنڈر آنکہ
بگزیدہ طریقِ عیسوی بہرِ نجات
سردار بہو خطاب الیس ایفیے
صد حیف کہ از قضائے حق یافت وفات
در بست وسوم ز جنوری یکشنبہ
ہجدہ صد و ہشتاد و یکم از سنوات

یہ قطعہ تاریخ ضیاء الدین احمد خاں نیّرؔ رخشاں کا کہا ہوا ہے اور اُن کے دیوان "جلوہ صحیفہ زریں" میں موجود ہے۔

سکندر کی لوحِ قبر پر خود اُن کے یہ چار اردو اشعار درج ہیں۔

هُوَالعَزِیزُ الرَّحِیم
جس نے در کی ترے گدائی کی
اُس کو خواہش نہ پادشاہی کی
جس نے سینہ کیا نہ صاف اپنا
اس نے کیا خاک پارسائی کی

کارِ نیکی سے درگزر مت کر
اس میں جو ہو رضا الٰہی کی
اس سے بہتر ہے اسکندر تیرا
نکلے دم یاد میں الٰہی کی

ملاحظہ ہوں: واقعاتِ دار الحکومت، جلد ۱، ص ص ۲۸۴-۲۷۶ ۔ باغِ دو در، تعلیقات ص ۱۶۶ ۔ سبد چیں، ص ۱۵۵ ۔ جلوۂ صحیفہ زریں، ص ۱۶۵ ۔

European and Indo European Poets of Urdu and Persian, pp. 95-100

۲۱ ۔ الٰہی بخش مرزا ۔ ہدایت افزا انطاب اور مرزا الٰہی بخش نام تھا ۔ غالب نے اس کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، مجروح اور حسین مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے ۔ ہندوستان کے غداروں میں اس کا نام سرِ فہرست ہے ۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں ہندوستانیوں کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ شخص بھی تھا ۔ یہ بہادر شاہ ظفر کا سمدھی تھا، اس لیے ان سے بہت قرب حاصل تھا، ایک ایک منٹ کی خبر انگریزوں کو دیتا رہا ۔

مرزا فتح الملک بہادر غلام فخر الدین عرف مرزا فخرو دہلوی نے اس کی بیٹی حاتم زمانی سے شادی کی تھی ۔ اس رشتے کی وجہ سے اسے قلعے کے معاملات میں بہت دخل تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی کوششوں سے ہی انگریزوں نے مرزا فخرو کو ولی عہد تسلیم کیا تھا ۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد جنرل بخت خاں، بہادر شاہ ظفر اور کچھ شاہزادوں کو لے کر دلی سے لکھنؤ فرار ہو رہے تھے ۔ یہ ابھی قطب صاحب کے راستے ہی میں تھے کہ ہڈسن کی ہدایت پر الٰہی بخش انھیں ہمایوں کے مقبرے میں لے آیا، اور دوسرے دن گرفتار کرا دیا ۔ اس نے ہڈسن کو اطلاع دی تھی کہ مغل شاہزادے مرزا ابوبکر، مرزا خضر سلطان اور مرزا مغل ہمایوں کے مقبرے میں چھپے ہوئے ہیں ۔ ہڈسن انھیں گرفتار کر کے لایا اور دلی دروازے پر ان تینوں کو گولی مار دی ۔ انگریزوں نے غداری کے صلے کے طور پر الٰہی بخش کو بہت انعام و اکرام سے نوازا ۔ اسے کل خاندانِ گورگانی کا جاؤش مقرر کر دیا ۔ حکومتِ ہند کے سکریٹری سی بیڈن نے پنجاب گورنمنٹ کے سکریٹری آر ۔ ایچ ۔ ڈیویز کو ایک خط میں اس کے بارے میں لکھا تھا کہ: الٰہی بخش اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ رنگون ۔ ۔ ۔ دلی سے دور کسی اور مقام پر چلا جائے ۔ گورنر جنرل کا خیال ہے کہ اگر الٰہی بخش اس لیے رنگون جانا پسند نہ کرے کہ وہاں بہادر شاہ ظفر ہیں تو وہ کراچی یا پیگو، یا

مارٹا بون یا ٹینا سیرم چلا جائے۔ غالباً برطانوی حکومت کا خیال تھا کہ یہ شخص خطرناک ہے، جب ظفر کا نہیں ہوا تو ہمارا کیا ہوگا۔ الٰہی بخش ترکِ وطن کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے نہ جانے کیا عذر پیش کیا کہ ۲۳ جون ۱۸۶۰ء کو اسے دہلی میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔ غالب نے حسین مرزا کے نام ایک خط مورخہ ۹ نومبر ۱۸۵۹ء میں، اس واقعے کے بارے میں لکھا ہے: "مرزا الٰہی بخش کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے۔ انھوں نے زمین پکڑی ہے۔ سلطان جی میں رہتے ہیں۔ عذر کر رہے ہیں۔ دیکھیے یہ جبراً اٹھ جائے یا یہ خود اٹھ جائیں۔" ۱۲ مارچ ۱۸۷۸ء کو اس کا انتقال ہوگیا اور مرزا جہانگیر کے مجبر میں مدفون ہوا۔

ملاحظہ ہوں: قلعہ معلیٰ کی جھلکیاں، ص ص ۶۴-۶۵۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ص ۱۷۸-۱۷۹۔ واقعاتِ دارالحکومت جلد ۲، صفحہ ۱۶۹-۱۷۰۔ ہڈسن نے ۲۸ نومبر ۱۸۵۷ء کو جی۔ بی ساٹدرس کمشنر و ایجنٹ شمال مغربی صوبہ جات دہلی کو ایک خط لکھا تھا۔ اس میں بادشاہ کی گرفتاری اور اس گرفتاری میں الٰہی بخش کے رول پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہ خط نیشنل آرکائیوز، نئی دلّی میں محفوظ ہے۔ Foreign Department-Political Secret No. 56-57 N.A.I Foreign Pol. 44 26 August, 1859.

مرزا الٰہی بخش کے متعلق بہت بڑی تعداد میں دستاویزیں ڈیپارٹمنٹ آف کارئوز دہلی میں محفوظ ہیں۔ جو اس کی وطن دشمنی اور غداری کی آئینہ دار ہیں۔

۲۲۔ امام الدین خاں، حکیم: غالب نے حکیم امام الدین خاں کا ذکر علاء الدین خاں احمد علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ پاک پٹن کے رہنے والے اور حکیم غلام رضا خاں کے صاحبزادے تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں شاہی طبیب تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے انتقال کے بعد بہادر شاہ ظفر کے ملازم ہوگئے۔ کچھ عرصے مہاراجا نرندر سنگھ، کپور تھلہ کے پاس بھی رہے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد دہلی سے چلے گئے تھے۔ کچھ عرصے بعد واپس آئے تو مٹکاف نے انھیں پھر شہر سے نکال دیا اور یہ قطب صاحب میں رہنے لگے۔ یہاں سے بنارس اور پھر ٹونک چلے گئے۔ ٹونک ہی میں ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء-۱۸۶۵ء) میں انتقال ہوا۔

حکیم کوثر چاندپوری نے اطبائے عہدِ مغلیہ میں علمِ طب پر اُن کی آٹھ تصنیفات کے نام لکھے

ہیں۔

ملاحظہ ہوں: آثار الصنادید، ص ۳۷۔ اطبائے عہدِ مغلیہ، ص ۵۵۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۷۹۔

۲۳۔ امجد علی شاہ: غالب نے ان کا ذکر نواب انور الدولہ شفق، حسین مرزا، یوسف مرزا اور علاؤ الدین احمد خاں علائی کے نام کے خطوط میں کیا ہے۔ یہ شاہِ اودھ محمد علی شاہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ اوائل رمضان ۱۲۱۵ھ مطابق جنوری ۱۸۰۱ء میں ولادت ہوئی۔ ۵ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ ۱۶ مئی ۱۸۴۲ء کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کو انتقال ہوا۔ غالب نے ان کی مدح میں قصیدہ بھی لکھا تھا۔

ملاحظہ ہو: تاریخِ اودھ، جلد ۵، ص ص ۲ اور ۴۰۔

۲۴۔ امداد حسین، منشی: غالب نے ان کا ذکر علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ان کے بارے میں اس سے زیادہ نہ معلوم ہو سکا کہ غالباً لوہارو ریاست کے ملازم تھے۔

۲۵۔ امو جان، مرزا: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام کے خط میں کیا ہے۔ غالب کے دیوانِ اردو کا تیسرا اڈیشن مطبع احمدی دلّی سے شائع ہوا تھا۔ اس مطبع کے مالک محمد حسین خاں تحسین اور مہتمم مرزا امو جان تھے۔ اس سے زیادہ اُن کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا۔

۲۶۔ امید سنگھ، رائے: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، منشی شیو نرائن آرام اور مرزا حاتم علی مہر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ رائے بہادر منشی امید سنگھ کے والد چودھری سورج بھان فارسی کے ماہر تھے اور نواب غیرت علی خاں والیِ کرنال کے عہد میں دیوان کے عہدے پر فائز تھے۔ علالت کی وجہ سے ملازمت ترک کر کے دہلی آ گئے۔ منشی امید سنگھ ۱۸۱۵ء میں کرنال میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور اُردو میں اچھی استعداد حاصل کی۔ دو برس دلّی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۳۶ء میں سر جارج کلرک کے دفتر انبالہ میں منشی مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۳ء میں سفیرِ دربارِ لاہور کے سررشتہ دار ہوئے۔ کچھ عرصے بعد سکریٹری مغربی و شمالی کے دفتر میں فارسی کے ترجمان اور مترجم متعین ہوئے۔ جولائی ۱۸۴۴ء میں مہاراجا تکوجی راو ہلکر والیِ ریاست اندور کے اتالیق بنائے گئے۔ اس زمانے میں وہ سرکاری مدرسہ اندور کے سپرنٹنڈنٹ اور دفتر ریذیڈنسی میں میر منشی بھی رہے۔ ۲۵ اکتوبر ۱۸۵۰ء کو جب مہاراجا دہلی اور مختلف مقامات کے لیے روانہ ہوئے تو اس سفر کا انتظام و انصرام منشی امید سنگھ کے ہاتھ میں تھا۔ امید سنگھ نے اس سفر کا روزنامچہ لکھا تھا جو "باغِ نو بہار"

کے نام سے ۱۲۶۸ھ میں مطبع مہاراجہ ہلکر بہادر سے شائع ہوا۔ ۱۴ مارچ ۱۸۵۲ء کو جب مہاراجا تکوراو کو ریاست کا نظم ونسق سپرد ہوا تو انھوں نے امید سنگھ کو دو مواضع کروتہ اور بھولان جو پرگنہ دیپال پور میں تھے۔ بطورِ جاگیر عطا کیے۔ اس جاگیر کی سالانہ آمدنی چھ ہزار روپے تھی۔ پانچ سو روپے ماہانہ تا زندگی اور سو روپے ماہانہ پشت در پشت وظیفہ مقرر کیا۔ مشیر الدولہ رائے بہادر کے خطابات سے نوازا۔ امید سنگھ جب دہلی آئے تو میونسپل کمشنر اور آنریری میجسٹریٹ مقرر ہوئے۔

۱۸۵۷ء میں انقلابیوں نے ان کا گھر بھی لوٹ لیا تھا۔ غالب سے ان کی ملاقات ستمبر یا اکتوبر ۱۸۵۸ء میں ہوئی۔ امید سنگھ کے مالی تعاون سے غالب کی دستنبو کا پہلا اڈیشن شائع ہوا تھا۔ منشی جی نے مطبع کو پچاس کتابوں کی قیمت پچیس روپے ادا کی تھی۔ خود دس کتابیں لیں اور باقی چالیس غالب کو دے دیں۔

۴ نومبر ۱۸۶۶ء کو اکیاون برس کی عمر میں آگرے میں انتقال ہوا۔ منشی جی نے بھگوت گیتا کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ سنسکرت متن اور حواشی کے ساتھ ۴۸۷ صفحات پر ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔

ملاحظہ ہوں: امید سنگھ، قاضی عبدالودود، معاصر، پٹنہ، جلد ۲، حصہ ۷، ص ص ۹۶-۹۹ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ص ۶۶-۶۹۔ مولانا امداد صابری نے دہلی کی یادگار ہستیاں میں لکھا ہے کہ منشی امید سنگھ کے لڑکے نانک چند نے اپنے خاندان کے مختصر حالات ایک کتابچے کی شکل میں ۳۱ اگست ۱۸۸۵ء کو ۳۲ صفحوں پر تحریر کیے، جس سے ہم نے ان کے خاندان کے حالات اخذ کیے۔" مولانا نے کتابچے کا نام نہیں بتایا۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص ص ۱۷۹-۱۸۰۔ غدر کی صبح وشام۔

۲۷۔ امیر خسرو، ابوالحسن نام اور یمین الدین لقب : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح، خواجہ غلام غوث خاں بے خبر، مرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب، چودھری عبدالغفور سرور، نواب انوار الدولہ شفق، مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ امیر خسرو ترک تھے، اور "ہزارہ لاچین" نامی ایک ترک قبیلے سے ان کا تعلق تھا۔ امیر خسرو کے والد ترکِ وطن کر کے ہندوستان آگئے۔ یہاں پٹیالی ضلع ایٹہ اترپردیش میں سکونت اختیار کر لی۔ خسرو ۶۵۱ھ میں پٹیالی میں پیدا ہوئے ابھی آٹھویں برس میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ فارسی، ترکی اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ کھڑی بولی میں بھی شعر کہتے تھے۔ فنِ موسیقی کے ماہر تھے۔ مختلف امرا اور بادشاہوں سے متوسل رہے۔ ۷۲۵ھ میں

انتقال ہوا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی تصنیفات کی تعداد ۹۹ سے ۱۹۹ تک بتائی ہے لیکن اس میں بہت مبالغہ ہے۔ اب تک اُن کی جو تصنیفات دستیاب ہوئی ہیں اُن میں پانچ دیوان ہیں: (۱) تحفتہ الصغر (۲) وسط الحیٰوۃ (۳) غرۃ الکمال (۴) بقیہ نقیہ (۵) نہایت الکمال خسرو نے نظامی کے انداز میں خمسہ کہا ہے۔ جس میں پانچ مثنویاں ہیں۔ (۱) مطلع الانوار (۲) شیریں و خسرو (۳) مجنوں و لیلیٰ (۴) آئینہ سکندری (۵) ہشت بہشت۔ ان کے علاوہ دوسری مثنویاں ہیں: (۱) قران السعدین (۲) مفتاح الفتوح (۳) دول رانی خضر خاں (۴) نُہ سپہر۔ ان کی نثری تصنیفات کے نام ہیں: (۱) اعجاز خسروی (۲) خزائن الفتوح ان کے علاوہ پانچ منظوم رسالے ہیں جو متفرقاتِ جواہرِ خسروی کے نام سے

ملاحظہ ہو: کلیاتِ غزلیاتِ خسرو، ص ص ۱۵۰۔ ۵۶

۲۸۔ امیر علی، امیر: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ انھوں نے غالب کی "دستنبو" کے پہلے اڈیشن کی کتابت کی تھی۔ یہ شاعر تھے اور تخلص امیر تھا۔ انھوں نے مرزا حاتم علی مہر کی مثنوی "شعاعِ مہر" کی بھی کتابت کی تھی اور اس کا قطعہ تاریخ بھی کہا تھا، جو مثنوی کے ساتھ شائع ہوا۔

ملاحظہ ہو: شعاعِ مہر، ص ۱۴۰۔

۲۹۔ انوار الحق، مولوی: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور انوار الدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے والد محمد احسان الحق، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی دسویں پشت میں تھے۔ احسان الحق کے چار بیٹے تھے۔ انوار الحق، وحید الحق، سیف الحق ادیب، مشرف الحق۔ انوار الحق راجپوتانے کی ریذیڈنسی کے میر منشی تھے۔ کافی عرصے ریاست بھرپور کی وکالت بھی کی۔ صاحبِ علم آدمی تھے۔ مولوی مملوک علی اور مفتی صدر الدین آزردہ کے شاگرد رہے تھے۔ انھوں نے مظہر الحق کے فارسی تذکرے "مظہر العجائب" کے لیے چار سو شاعروں کے حالات لکھے تھے۔ مولانا امداد صابری نے ان کی دو تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔ "اقتباس الانوار" اور "بہشتی چمن"۔

۲۶ ستمبر ۱۹۰۲ء کو دہلی میں ان کا انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہوں۔ واقعاتِ دار الحکومت، جلد ۳، ص ص ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ تم خانۂ جاوید، جلد ۲،

ص ص ۱۹۷-۱۹۸۔ تاریخ صحافت اردو، جلد۳، ص ۲۷۹۔ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ص ۱۶۸-۱۷۱۔

۳۰۔ انوری، اوحدالدین محمد : غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، مرزا رحیم بیگ، مرزا ہرگوپال تفتہ، یوسف مرزا، اور غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا نام "علی بن اسحٰق" لکھا ہے۔ ایران کے چھٹی صدی ہجری کے شعرا میں بہت ممتاز ہیں۔ انوری کے قصیدوں کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ۵۸۳ھ میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: گنج سخن، ۳۱۷-۳۱۶۔

۳۱۔ اہلی شیرازی، شیخ محمد : غالب نے ان کا ذکر تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ۸۵۸ھ کے لگ بھگ شیراز میں پیدا ہوئے۔ بہت غربت اور تنگ دستی میں زندگی گزاری۔ ۹۴۲ھ میں انتقال ہوا۔ شیراز میں خواجہ حافظ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ملاحظہ ہو: کلیاتِ اشعارِ مولانا اہلی شیرازی، ص ص ۱-۶۔

۳۲۔ ایاز : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور یوسف مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ پہلی بار ان کا ذکر مجروح کے نام ایک خط مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں اور آخری بار مجروح ہی کے نام ایک خط میں مورخہ جون ۱۸۶۱ء میں ملتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ ایاز ڈھائی تین سال سے زیادہ غالب کی ملازمت میں نہ رہے ہوں۔

۳۳۔ بالمکند : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور شیوجی رام برہمن کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران جب غالب بالکل تنہا اور بے یار و مددگار ہو گئے تو بالمکند اور اُن کے والد نے غالب کو بہت سہارا دیا۔ غالب نے ہنگامے کے ان دنوں کا ذکر کرتے ہوئے "دستنبو" میں لکھا ہے: "اس کے (شیوجی رام برہمن) کے لڑکے بالمکند، جو نیک چلن اور پارسا ہے، نے اپنے باپ کی طرح میری فرماں پذیری کی۔" (فارسی سے ترجمہ)۔

ملاحظہ ہو: دستنبو، ص ۴۰۔

۳۴۔ بدرالدین خاں، خواجہ امان : خواجہ امان کے نام سے مشہور تھے۔ غالب نے ان کا ذکر حکیم غلام نجف خاں، علاء الدین احمد خاں علائی اور شمشاد علی بیگ رضوان کے نام خطوط میں کیا ہے۔

فرحت اللہ بیگ کا بیان ہے کہ خواجہ حاجی خاں غالب کے والد عبداللہ بیگ خاں کے سگے بھتیجے تھے مگر غالب نے لکھا ہے کہ وہ اُن کے باپ عبداللہ بیگ کے سائیس تھے اور پانچ روپے ماہوار پر ملازم تھے اور حدائق الانظار کی تقریظ میں راقم کو اپنا "پیارا بھتیجا" بھی لکھا ہے۔ خواجہ امان ان ہی خواجہ حاجی خاں کے صاحبزادے ہیں۔ خواجہ امان ۱۸۱۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اردو کے علاوہ فارسی اور ترکی بھی جانتے تھے۔ فنِ مصوری اور ستار نوازی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شاعری میں مومن کے شاگرد تھے۔ خواجہ قمرالدین خاں راقم عرف خواجہ مرزا خاں، ان ہی کے صاحبزادے تھے۔

خواجہ امان الور کے راجا شیودان سنگھ کے آتالیق اور مصاحب رہے تھے۔ راجا کی وفات کے بعد اُس کے ماتم میں ساری زندگی گیروے کپڑے۔ ۱۴ شعبان ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) کو انتقال ہوا۔

خواجہ امان نے مہاراجا شیودان سنگھ کی فرمایش سے محمد تقی جعفری متخلص بہ خیال کی فارسی تصنیف "بوستانِ خیال" کی چھے جلدوں کا ترجمہ کر لیا تھا کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ باقی جلدوں کا ترجمہ اُن کے صاحبزادے خواجہ قمرالدین خاں راقم نے کیا۔ یہ تمام جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد حدائق الانظار اکمل المطابع دہلی سے ۱۲۹۲ھ میں چھپی تھی۔ ۱۸۰۶ء تک اس کی چھ جلدیں طبع ہو چکی تھیں۔

ملاحظہ ہو: خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان مرحوم و مغفور، مرزا فرحت اللہ بیگ اردو۔ اورنگ آباد اپریل ۱۹۳۱ء ص ص ۲۲۹ ـ ۲۴۳ (اس مقالے کے ساتھ خواجہ بدرالدین خاں، مومن خاں مومن اور خواجہ قمرالدین خاں راقم کی تصویریں بھی شائع کی گئی ہیں۔

۳۵۔ بقا حکیم: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام کے ایک خط میں کیا ہے۔ حکیم کوثر چاندپوری نے ان کا پورا نام حکیم ذکاءاللہ المعروف بہ محمد بقا خاں بتایا ہے۔ اعجاز صابری ان کا نام بقاءاللہ دہلوی بتاتے ہیں۔ امکان یہی ہے کہ اُن کا نام بقاءاللہ تھا۔ ذکاءاللہ اُن کے بیٹے کا نام تھا۔ اُن کے والد کا نام اسحٰق تھا۔ یہ خاندان آنکھوں کے امراض کا ماہر تھا۔ دہلی میں حوض قاضی پر گلی حکیم بقا آج تک موجود ہے۔

ملاحظہ ہوں: اطبائے عہدِ مغلیہ ص ۶۳۔ دہلی کی یادگار ہستیاں۔ ص ۱۸۹

۳۶۔ بلونت سنگھ، راجا بھرت پور: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے یہ بلدیو سنگھ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں مسند نشین ہوئے۔ ان کے ماموں درجن سال نے انھیں گرفتار

کر کے قید میں ڈال دیا تھا۔ ۱۸ جنوری ۱۸۲۶ء کو انگریزی فوج نے بھرت پور کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ درجن سال کو گرفتار کر کے الٰہ آباد بھیج دیا اور مہاراجا بلونت سنگھ کو پھر مسند نشین کر دیا۔ بلونت سنگھ نے ۱۸۵۳ء میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو: ریاض الامراص ص ۸۷-۸۸

۳۷۔ بلیک صاحب (Blake) ۱۸۳۵ء میں جب جے پور کے راجا جے سنگھ کا انتقال ہوا، تو اُس وقت جھوتنا رام مختار تھا۔ اُس نے راجا جے سنگھ سوم کو زہر دے دیا۔ تاکہ مہاراجا رام سنگھ گدی کا حق دار بنے اور چوں کہ رام سنگھ صرف سترہ مہینے کے تھے اس لیے یہ مختار بنا رہے۔ گورنر جنرل کے ایجنٹ کرنل آلوس نے جے پور پہنچ کر جھوتنا رام کو دائم الحبس کر دیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ چاہتے تھے کہ جھوتنا رام کے طرف داروں کو برطرف کر کے راول نامی ایک شخص کو دیوان بنا دیں۔ اس موقع پر کرنل آلوس اپنے اسسٹنٹ بلیک کے ساتھ، راول کو دیوان کے عہدے پر فائز کر کے محل سے واپس جا رہے تھے کہ جھوتنا رام کے ایک طرف دار نے کرنل آلوس کو تلوار سے زخمی کر دیا۔ بلیک نے مجرم کو گرفتار کر کے قید خانے میں بھیج دیا۔ بلیک کے کپڑوں پر کرنل آلوس کے خون کے چھینٹے پڑے ہوتے تھے، جب وہ شہر پہنچا تو لوگ سمجھے کہ بلیک نے راجا رام سنگھ کو قتل کر دیا۔ سینکڑوں آدمی اس پر دوڑ پڑے۔ وہ بھاگ کر ایک مندر میں گھس گیا۔ جہاں مندر کے پہرہ داروں نے اُسے قتل کر دیا۔ اس ہنگامے میں تین چپڑاسیوں، ایک چتر دار اور ایک فیل بان کو بھی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

ملاحظہ ہو: کارنامہ راجپوتگان، ص ۳۲۷

۳۸۔ بے صبر، منشی بال مکند: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام خطوط میں اس طرح کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بے صبر، غالب کے شاگرد تھے اور غالب نے انھیں بڑی تعداد میں خطوط لکھے تھے۔ مگر بے صبر کے نام غالب کے یہ خطوط ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکے۔ ممکن ہے کہ ضائع ہو گئے ہوں۔ بے صبر ۱۸۱۰ء میں قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ یہ بھٹناگر کائستھ تھے۔ والد کا نام کانہہ سنگھ تھا۔ سری رام اور مرزا کلب حسین خان نادر نے والد کا نام کانجی مل لکھا ہے، جو درست نہیں۔ بے صبر فارسی اور عربی سے واقف تھے۔ ریاضی، نجوم، ہیئت، منطق، ویدانت اور تصوف میں بھی خاصی دستگاہ تھی۔ سترہ سال کی عمر میں بے صبر محکمۂ پرمٹ میں ملازم ہوئے اور کچھ عرصے بعد کلکٹری سہارنپور سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۸۶۴ء میں پنشن لے کر

خانہ نشین ہوئے۔ ان کے چار صاحبزادے تھے۔ کرشن چندر سروپ، برہما سروپ، ہر سروپ اور بینی سروپ۔ ہر سروپ اور بینی سروپ کا ان کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا۔ بے صبر نے ان دونوں کے نوحے لکھے تھے جو سراپا سخن کے نام سے فروری ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئے۔ ۱۳ فروری ۱۸۸۵ء کو بے صبر کا میرٹھ میں انتقال ہوگیا۔ اب تک اُن کی دس تصنیفات کا پتا چل سکا ہے۔ (۱) دیوانِ اول اردو، (۲) دیوانِ دوم اردو (۳) دیوانِ فارسی (۴) دیوانِ قصائد اردو (۵) مثنوی لختِ جگر۔ یہ درد انگیز مثنوی مطبعِ خورشید جہاں تاب سہارن پور سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری میں موجود ہے (۶) مثنوی اخگرِ عشق (۷) سراپا سخن فروری ۱۸۷۹ء میں شائع ہوئی۔ تین نثری تصانیف ہیں۔ رسالہ بدیع البدائع۔ یہ کتاب مطبع دبیرِ ہند، بلند شہر سے ۱۸۷۵ء میں چھپی (۹) رسالہ ادب البینات (۱۰) گلستانِ ہند نثر۔ گویا کل چار کتابیں شائع ہوئیں اور باقی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بے صبر کا کلیات پروفیسر گوپی چند نارنگ کو دستیاب ہوا تھا۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اردوئے معلیٰ دہلی (شمارہ ۱ جلد ۱، فروری ۱۹۶۰ء) میں اس کلیات کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔

ملاحظہ ہوں: تلامذۂ غالب، ص ص ۵۷-۵۶ — ارمغانِ گوکل پرشاد، ص ۱۷ — منشی بال مکند بے صبر، ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء، ص ص ۴۸۰-۴۸۴ — منشی بالمکند بے صبر، ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، ہماری زبان علیگڈھ، ۸ دسمبر ۱۹۶۰ء۔ تذکرہ آثار الشعرائے ہنود، ص ص ۳۳-۳۷ — بہارِ سخن، ص ص ۸۶، ۸۷ — تذکرۂ نادر، ص ۴۴ — منشی بالمکند بے صبر، مختار الدین احمد، ہماری زبان علیگڈھ، ۱۵ جون ۱۹۵۶ء۔ مرزا غالب کے ایک شاگرد، منشی بالمکند بے صبر، اکبر حیدری، نیا دور، لکھنؤ، مئی ۱۹۸۱ء، ص ص ۱۲-۱۹ — خم خانۂ جاوید، جلد ۱، ص ص ۶۸۲-۶۸۳ — غالب اور بے صبر، خواجہ احمد فاروقی، اردوئے معلیٰ، دہلی، فروری ۱۹۶۰ء، ص ص ۱۱۸-۱۲۹ — آثارِ ادبیہ، مختار الدین احمد، ہماری زبان علیگڈھ، ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء۔ غیر معروف شعرا۔ مختار الدین احمد، ہماری زبان علیگڈھ، یکم جولائی ۱۹۵۶ء — منشی بالمکند بے صبر، قاضی معراج دھولپوری، اردو ادب، دسمبر ۱۹۵۶ء، ص ص ۹۴-۱۱۹

۳۹۔ بی وفادار : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ غالب کی ملازمہ تھیں۔ غالب نے بہت دلچسپ انداز میں ان کی مرقع کشی کی ہے لکھتے ہیں: "بی وفادار، جن کو تم کچھ، اور بھائی خوب جانتے ہیں، اب تمھاری پھوپھی نے انھیں وفادار بیگ بنا دیا ہے۔ باہر نکلتی ہیں، سودا تو کیا لائیں گی

مگر خلیق اور ملن سار ہیں۔ رستہ چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی ممکن نہیں کہ اطرافِ نہر کی سیر نہ کریں گی، ممکن نہیں کہ دروازے کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں گی، ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لے جا کر نہ دکھائیں۔ اور نہ کہیں کہ "یہ پھول تائی چچا کے بیٹے کی کائی کے ایں" شرح: تمھارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں۔

۴۸۔ بیدل، عبدالقادر : غالب نے اُن کا ذکر مولوی ضیاء الدین خاں ضیاؔ، مرزا ہرگوپال تفتہؔ، انور الدولہ شفقؔ، چودھری عبدالغفور سرورؔ اور غلام نجف کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اُن کے علاوہ بھی غالب کی نظم و نثر میں بیدل کا حوالہ کسی نہ کسی طرح بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ آیا ہوگا۔ ابتدائی دور میں غالب کا بیدل سے متاثر ہونا سب کو معلوم ہے۔

بیدل ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۵ء یا ۱۶۴۴ء) میں بقول پروفیسر سید حسن بنگال کے مقام اکبر نگر عرف راج محل میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ اُن کے والد مرزا عبدالخالق کا انتقال ہوگیا۔ کچھ ہی عرصے بعد والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ بیدل کے چچا مرزا قلندر نے اُن کی پرورش اور تربیت کی۔ بیدل نے ریاضی، طبیعیات، رمل، جعفر اور نجوم میں دستگاہ حاصل کی تھی۔ موسیقی میں بھی مہارت تھی۔ بیدل کا سلسلۂ نسب ایران کے خاندانِ مظفریہ کے فرماں روا شاہ منصور بادشاہ فارس و ممدوح خواجہ حافظ سے ملتا ہے۔ ان کے اسلاف ماوراالنہر سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ جوانی میں شمالی ہند آئے اور شاہ عالم بن عالم گیر کے لڑکے سلطان معز الدین کے حقیقی ماموں مرزا سلیمان کے ساتھ کئی سال رہے۔ سلطان معز الدین کی وفات کے بعد اعظم شاہ بن عالمگیر کے لشکر میں ملازم ہوگئے۔ ایک دن بادشاہ کو خبر ملی کہ لشکر میں ایک شاعر بیدل نامی ہے۔ اُس نے مزاحاً کہا: "لشکر میں جہاں جوانانِ پُر دل ہیں بیدل کا کیا کام"۔ بیدل نے جب بادشاہ کا یہ قول سنا تو فوراً دلی چھوڑ کر متھرا چلے گئے۔ وہاں کے حاکم لعل محمد خاں نے اُن کی بہت تواضع کی۔ یہ اُن کے ساتھ رہنے لگے۔ لعل محمد خاں کی وفات کے بعد بھی یہ ڈیڑھ سال وہیں رہے اور پھر میوات کے قصبہ نارنول کے حاکم شکر اللہ خاں نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ بیدل شہزادہ محمد معظم کی فوج میں ملازم تھے اور پانچ صدی منصب اور داروغہ کوفتگر کے عہدے پر مامور تھے۔ کچھ دن ملازمت کر کے گوشہ نشین ہوگئے۔

۲۴ نومبر ۱۷۲۰ء کو دلی میں انتقال ہوا۔ محلہ کھکھیڑیان گذر گھاٹ لطف علی میں اپنے مکان میں مدفون ہوئے۔ یہ جگہ اب باغ بیدل کہلاتی ہے، اور پرانے قلعے کے سامنے ہے۔

ملاحظہ ہوں : (۱) مرزا عبدالقادر بیدل کا مولد و نسب، پروفیسر سید حسن، مرزا عبدالقادر بیدل، مرتبہ سید اطہر شیر، پٹنہ، ۱۹۸۲ء، ص ص ۱۶-۱۱ (۲) فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب، ص ص ۱۸۶-۱۸۰

۴۱۔ بہاری لال، منشی : ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں آیا ہے۔ یہ دہلی کے کسی ڈاک خانے میں ملازم تھے۔ بہ قولِ غالب منشی بہاری لال، غالب اور شہاب الدین ثاقب کے دوستوں میں تھے۔ ممکن ہے یہ وہی بہاری لال ہوں، جو غالب کے شاگرد تھے اور مشتاق تخلص کرتے تھے۔

۴۲۔ بھگوان پرشاد مسل خواں، منشی : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ تفتہ کے دوستوں میں تھے اور ممکن ہے کہ تفتہ ہی کے توسط سے غالب اور منشی صاحب میں دعا سلام کا رشتہ قائم ہوا ہو۔

۴۳۔ پتمبر سنگھ : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ تفتہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ جولائی ۱۸۵۵ء میں ان کا انتقال ہوا تو تفتہ کو بہت صدمہ ہوا۔ انھوں نے فارسی میں ایک طویل مرثیہ لکھا جو اُن کے دیوانِ دوم میں شامل ہے۔ مرحوم کی یادگار کے طور پر تفتہ نے گلستان سعدی کے اشعار تضمین کیے تھے، جو "تضمین گلستاں" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

ملاحظہ ہوں: غالب کا خط بہ نام حقیر مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۵۵ء ـ تلامذہ غالب، ص ۶۴

۴۴۔ تاج محل بیگم : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خط میں کیا ہے۔ شاہی خاندان کے جن افراد نے ظفر کے ساتھ رنگون جانے کی خواہش کی تھی، ان میں یہ بھی شامل تھیں لیکن الہ آباد پہنچ کر انھوں نے ارادہ بدل دیا۔ ایک سرکاری دستاویز میں اُن کے بارے میں لکھا گیا ہے: "یہ سابق بادشاہ کی بیگم ہیں۔ کسی زمانے میں اپنی خوبصورتی کی وجہ سے بہت مشہور تھیں اس لیے ان کے ڈومنی ہونے کے باوجود بادشاہ نے شادی کر لی تھی۔۔۔۔ زینت محل ان سے بہت ناراض تھیں۔ غدر سے دو تین سال پہلے یہ بادشاہ کی معتوب تھیں اور بادشاہ کے ایک بھتیجے کے ساتھ مل کر سازش کے الزام میں قید تھیں۔

ملاحظہ ہو: نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی درجِ ذیل دستاویز :

Foreign Department 10th December, 1858 S. No 52-125

۴۵۔ تفضل حسین خاں، میر : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ ان کا آبائی وطن خیرآباد تھا۔ والد فریدالدین احمد مہاراجا پٹیالہ کے مدار المہام تھے۔ یہ نواب امیرالدولہ محمد امیر خاں بہادر

والیٔ ٹونک کے زمانے میں ٹونک میں ملازم ہوئے۔ غالباً ان کے ذمّے سفارت کا کام تھا۔ جب نواب وزیرالدولہ نے رائے نرنجن لال وکیل کو برطرف کیا تو میر تفضل حسین خاں کو ۸ صفر ۱۲۵۳ھ کو باقاعدہ سفارت کے عہدے پر مامور کر دیا۔ ان کے بھائی ارشاد حسین اور دو لڑکے سید ضامن حسین اور سید احمد حسین بھی ریاست ٹونک میں ملازم تھے (غالب نے ۱۲۶۱ھ میں میر تفضل حسین خاں کی معرفت نواب وزیرالدولہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تھا)۔ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۴ء-۱۸۵۳ء) میں میر تفضل حسین خاں کا انتقال ہوا۔ غالب کو ان کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ ۲۳ فروری ۱۸۵۴ء کے خط میں تفتہ کو لکھتے ہیں: ہائے ہائے، میر تفضل حسین خاں ہائے ہائے:

رفتی و مرا خبر نہ کر دی

بر بے کسیم نظر نہ کر دی

ان کے بیٹے احمد حسین خاں کو ریاست ٹونک میں ان کی جگہ پر مقرر کیا گیا۔ افتخار حسین مضطر خیرآبادی، ان کے بیٹے اور جاں نثار اختر ان کے پوتے ہیں۔ غالب نے ان کی وفات پر تیرہ اشعار پر مشتمل ایک قطعۂ تاریخ وفات بھی کہا تھا۔ اس قطعہ کا مطلع ہے:

چوں تفضل حسین خاں کہ نہ بود

کس نظیرش بہ شیوہ و ہنجار

ملاحظہ ہو: ٹونک میں مرزا غالب کے احباب، سید منظور الحسن برکاتی، تحریک، دہلی، اپریل ۱۹۶۷ء ص ۷، میر تفضل حسین خاں، منظور الحسن برکاتی، شاعر، بمبئی، ۱۹۶۹ء، غالب نمبر، ص ص ۱۶۵-۱۵۹۔

۷۶۳ تفضل حسین خاں، نواب: غالب نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ نواب تجمل حسین خاں والیٔ فرخ آباد کے بھتیجے اور نواب عنایت حسین خاں نصرت جنگ کے صاحبزادے تھے (ولادت ۲۶ اکتوبر ۱۸۲۷ء)۔ چوں کہ نواب تجمل حسین خاں لاولد تھے۔ اس لیے ۱۸۴۶ء میں ان کی وفات پر نواب تفضل حسین خاں مسند نشین ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب میں انھوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس لیے گرفتار کر کے مکے بھیج دیے گئے تھے۔ ۱۸۸۲ء میں وہیں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تاریخ فرخ آباد، ص ص ۱۴۸-۱۵۲۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ۸۹ تا ۷۸ مفتی انتظام اللہ شہابی، ص ۷۸-۷۹۔

ٹریولین، سر چارلس ایڈورڈ، بیرونیٹ (Sir Charles Edward, Baronet Trevelyan): غالب

نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ جارج ٹریولن کے بیٹے تھے۔ ۲ اپریل ۱۸۰۷ء کو پیدا ہوئے ۱۸۲۶ء میں ہندوستان آکر ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے دہلی میں اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے محکمۂ خارجہ میں انڈر سکریٹری بھی رہے ۱۸۵۹ء میں مدراس کے گورنر بنے۔ یہ لارڈ میکالے کے بہنوئی تھے۔ میکالے کی کوشش تھی کہ ہندوستانیوں کا ذریعۂ تعلیم ہندوستانی زبانوں کے بجائے انگریزی ہو۔ ٹریولن نے اس سلسلے میں میکالے کی بہت مدد کی۔ ۱۹ جون ۱۸۸۶ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: Dictionary of Indian Biography, p. 428

۴۸۔ جان جاکوب۔ جان جیکب (John Jacob) : غالب نے اِن کا ذکر منشی نبی بخش حقیر، مرزا حاتم علی بیگ مہر اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ سٹیفن لانگ جیکب کے صاحبزادے تھے۔ ۱۱ جنوری ۱۸۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ رام بابو سکسینہ نے اِن کا سنہ ولادت ۱۸۱۴ء بتایا ہے۔ ۱۸۲۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بمبئی آرٹیلری میں سپاہی کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ زندگی کا بڑا حصہ سندھ میں گزارا۔ پاکستان کا شہر جیکب آباد انھیں کے نام پر ہے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۸۴۳ء کو جب وہ غالب کے مہمان ہوکر دہلی آئے تو کلکتے کے "احسن الاخبار" نے ۲۰ دسمبر ۱۸۴۳ء کی اشاعت میں خبر دی کہ: "۱۴ اکتوبر کو میجر جان جاکوب اکبرآباد سے دہلی وارد ہوئے، مرزا اسداللہ خاں غالب نے روایتِ قدیم کے سبب سے مہمان نوازی اور استقبال کی رسومات کو شان و شوکت کے ساتھ انجام دیا، اور نواب ضیاءالدین خاں کے مکان میں جہاں پہلے ہی سے مہمان داری کا انتظام کیا گیا تھا، ٹھہرایا۔" غالبؔ جواہر سنگھ جوہر کے نام ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں: "میجر صاحب یہاں (بلیماروں میں نواب ضیاءالدین خاں کے مکان) سے چلے گئے ہیں۔ انھوں نے کوٹھی فیض طلب خاں کرایے پر لے لی ہے وہاں رہتے ہیں۔" اس خط میں لکھتے ہیں کہ: "میں نے آج تک تو انھیں قلعہ کے دانہ و دام کے فریب سے بچا رکھا ہے، ان لوگوں کی روش دیکھ کر تو میں بددل ہو گئے ہیں۔" ان اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاکوب پہلے غالب کے مہمان ہوکر نواب ضیاءالدین خاں کی کوٹھی پر ٹھہرے تھے۔ پھر انھوں نے ایک مکان کرایے پر لے لیا۔ جاکوب غالباً قلعے میں ملازمت کے متمنی تھے، لیکن قلعے کی حالت دیکھ کر اور کچھ غالب کے سمجھانے سے وہ اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

جاکوب کے نام غالب کے چھے فارسی خط ہیں، پانچ "پنج آہنگ" میں اور ایک "باغِ دودر" میں۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاکوب فارسی میں شعر کہتے تھے اور غالب کے شاگرد تھے۔ انھوں نے دیوانِ حافظ

مرتب کیا تھا۔ جس کی تقریظ غالب نے لکھی تھی۔ جاکوب نے گوالیار میں مکان بنایا تو ان کی فرمائش پر غالب نے سات شعر کا ایک فارسی قطعۂ تاریخ لکھ کر بھیجا۔ انھوں نے ایک کنواں بھی تعمیر کیا تھا۔ غالب نے اس کنوئیں کا بھی سات شعر کا ایک فارسی قطعہ کہا تھا۔ جاکوب کو پسند نہیں تھا کہ غالب اردو میں شعر کہیں۔ اس لیے وہ فارسی میں شعر کہنے کی غالب کو ترغیب دیتے تھے۔

جان جاکوب ترقی کرتے کرتے جنرل ہو گئے تھے۔

ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی میں اُن کی تاریخ وفات ۵ دسمبر ۱۸۵۵ء بتائی گئی ہے، جو درست نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ غالب نے جاکوب کی وفات کا ذکر مہر کے نام اُس خط میں کیا ہے جو غالب نے انھیں ۵ مارچ ۱۸۵۵ء سے پہلے لکھا تھا۔ ممکن ہے جاکوب کی وفات ۵ دسمبر ۱۸۵۴ء کو ہوئی ہو۔ پوری کوشش کے باوجود مجھے جاکوب کا فارسی کلام دستیاب نہیں ہوا۔

ملاحظہ ہو:

Dictionery of Indian Biography, p. 219. Fifty-seven, pp. 24-25

European poets of Urdu and Persian, pp. "باغِ دو در" مرتبہ وزیر الحسن عابدی، ص ۱۳۸

53-54. رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں کہ جاکوب ۱۸۵۷ء کے انقلابیوں سے لڑے اور انھیں کے ہاتھوں مارے گئے۔ جان جیکب کے بارے میں تقریباً چھتیس سرکاری دستاویزیں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہیں۔ یہ دستاویزیں ان کے تقررات اور تنخواہ وغیرہ کے بارے میں ہیں: Foreign Deptt. Decennial

Index 1850-59 I to L

۴۹۔ جانی بیج ناتھ: غالب نے اِن کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ جانی بہاری لال رتند، راضی کے بھائی تھے۔

۵۰۔ جعفر علی، مولوی: غالب نے قاری جعفر علی کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مولوی افضال علی کے صاحبزادے اور جارچہ ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے۔ دوم صفر ۱۲۲۶ھ کو ان کی ولادت ہوئی۔ دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ دہلی میں مسجد حامد علی خاں کے پیش امام تھے اور دہلی کالج میں ریاضی تاریخ، جغرافیہ، فارسی، اردو اور فقہ پڑھاتے تھے۔ اپنے زمانے کے مشہور قاری تھے۔ بہ قول صاحب تذکرہ بے بہا "خوش گلو ایسے تھے کہ راہ گیر آپ کی آواز سن کر کھڑے ہو جاتے تھے"۔ بغاوت کے الزام

میں گرفتار ہوئے لیکن بے گناہ ثابت ہونے پر رہا کر دیے گئے۔ ۷۸ سال کی عمر میں ۸ ماہ صفر ۱۳۱۲ھ کو انتقال ہوا۔ انھوں نے محمد حسن علی خاں اور سدید الدین خاں کی مدد سے الف لیلیٰ کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو ۱۸۴۳ء میں مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے شائع ہوا۔

ملاحظہ ہوں: قدیم دلی کالج، ص ۶۵۔ غالب اور رقاری جعفر علی صنیر اصغر جارچوی، ماہِ نو، کراچی ص ص ۴۵-۴۷۔ صنیر اصغر جارچوی نے مولوی محمد باقر کی "آثار الباقریہ" ایک اور کتاب ارشاد المومنین، جس کے مصنف کا نام نہیں بتایا، کے حوالے سے جعفر علی کے حالاتِ زندگی بیان کیے ہیں۔ تذکرہ بے بہا، ص ص ۱۱۵-۱۱۷

۵۱۔ جواں بخت، مرزا: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور حکیم غلام نجف خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب زینت محل کے بطن سے بہادر شاہ ظفر کے صاحبزادے تھے۔ انھیں بھی ظفر کے ساتھ رنگون بھیجا گیا تھا۔ نظر بندی کے زمانے میں انھیں دو سو روپے ماہوار پنشن ملتی تھی۔ ملازمین اور مکان مفت تھا۔ ۱۶ جون ۱۸۶۶ء کو انھیں رہا کر دیا گیا اور پنشن اضافہ کر کے تین سو روپے ماہوار کر دی گئی۔ جواں بخت نے رنگون سے دس میل دور ایک باغ میں، جو اُن کی ملکیت تھا، رہنے کے لیے بنگلہ بنوا لیا تھا۔ ستمبر ۱۸۸۴ء میں جواں بخت کی طبیعت خراب ہوئی۔ تبدیلی آب و ہوا کے لیے انھیں مولمین بھیج دیا گیا۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۸۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا اور مولمین ہی میں مدفون ہوئے۔

ملاحظہ ہوں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دلی کی مندرجہ ذیل دستاویزیں:

1. Foreign Department Political B. No. 40-41 Feb 1880 N.A.I.
2. Foreign Department International B.No. 9-13 Nov 1884 N.A.I.
3. Foreign Department Political B.No. 15-17 April, 1868

جیون لال، منشی: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خط میں کیا ہے۔ ان کے والد کا نام گردھاری لال تھا۔ آباو اجداد مغل دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ گردھاری لال آکٹرلونی اور سر چارلس مٹکاف کے منشی رہے تھے۔ جیون لال نے بھی انگریزوں کی ملازمت کی۔

منشی جیون لال ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے دوران انگریزوں کے جاسوس بنے رہے۔

دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد حکومت نے جاسوسی کے صلے میں رائے بہادر کا خطاب اور جاگیر دی۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ بھی لکھا تھا، جس کا اردو ترجمہ خواجہ حسن نظامی نے "غدر کی صبح وشام" کے نام سے کیا ہے۔ یہی وہ منشی جیون لال ہیں جنھوں نے غالب کے سکہ کہنے کی جاسوسی کی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی شورش کے دوران یہ دہلی ایجنسی میں میر منشی تھے۔ ناکام انقلاب کے کافی دن بعد تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ اور پھر آنریری مجسٹریٹ بنا دیے گئے۔ ۴ اپریل ۱۸۸۴ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہوں: غدر کے صبح وشام دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ص ۴۴۲-۴۴۴۔ غالب اور شاہانِ تیموریہ، ص ۸۱، ۹۱، ۱۰۷ - ۱۰۸۔ نیز ملاحظہ ہو ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیوز، دہلی کی درج ذیل دستاویز:

D.C. 18/J 11 6 1890

۵۳۔ حافظ شمس الدین: خواجہ حافظ کے نام سے مشہور تھے۔ غالب نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی، مرزا ہرگوپال تفتہ، قدر بلگرامی، شہاب الدین ثاقب اور منظہر علی مارہروی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ بہاءالدین کے صاحبزادے تھے۔ حافظ کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم ہوئی ہیں۔ ۷۲۶ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ سید شریف جرجانی اور شمس الدین عبداللہ شیرازی سے تعلیم حاصل کی۔ حافظِ قرآن تھے، اِس لیے حافظ کہلائے جاتے تھے۔ ۷۹۱ھ یا ۷۹۲ھ میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: دویست سخنور، ص ص ۴۷-۴۷۔ لسان الغیب خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازیؒ ص ص ۱-۱۲۔

۵۴۔ حامد علی خاں، نواب میر: یہ میر فضل علی خاں نائب شاہِ اودھ کے بھانجے اور داماد تھے۔ یہ وہی میر فضل علی ہیں جنھوں نے اینگلو عربک کالج کے لیے ایک بڑی رقم کا ٹرسٹ بنایا تھا اور ان کے نام کا کتبہ اسکول میں آج بھی لگا ہوا ہے۔ میر فضل علی خاں کے انتقال پر ان کی بیٹی حاجی بیگم کو جو حامد علی خاں سے منسوب تھیں ترکے میں سے نو لاکھ روپیہ نقد اور بہت سامان ملا۔ نواب صاحب نے لکھنؤ چھوڑ کر دلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ کچھ روپیہ شاہی خزانے میں جمع کر دیا جس سے ساڑھے چار ہزار روپے اُن کو بطورِ سود ملتا تھا۔ غالباً یہ سود ملنا بند ہو گیا کیوں کہ احسن الاخبار کے ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۷ء کے کئی شماروں میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ نواب حامد علی خاں نے بادشاہ سے اپنے ایک لاکھ کئی ہزار روپے کا مطالبہ کیا۔ یہ رقم واپس نہیں کی گئی۔ کیوں کہ ۲۲ ستمبر ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں غالب نے میر مہدی مجروح

کو لکھا ہے کہ حامد علی خاں کی ایک لاکھ بیس ہزار کئی سو روپے کی ڈگری بادشاہ پر ہو گئی۔ ظفر سے تو اس رقم کے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پتا نہیں برطانوی حکومت نے یہ رقم ادا کی یا نہیں۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے دوران نواب صاحب بادشاہ کے مقربوں میں تھے۔ جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو انھوں نے ہڈسن کو ایک لاکھ روپیہ دے کر دہلی سے پانی پت کے پاس ایک بستی بربست جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ اُن کا آبائی وطن تھا۔ کچھ ہی دن میں کرنال کے کلکٹر رچرڈ نے دو سو سواروں کے ساتھ ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ سارا ساز و سامان لوٹ لیا اور گھر کے مردوں اور ملازموں کو گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا۔ حامد علی بائیس مہینے حوالات میں رہ کر فروری ۱۸۵۹ء میں ارسطو جاہ اور خلیفہ محمد حسین کی کوششوں سے رہا ہوئے۔ تمام جائداد حکومت نے ضبط کر لی اور یہ روٹیوں کو بھی محتاج ہو گئے۔

نواب حامد علی خاں کی بیوی حاجی بیگم کے کچھ مکانات دہلی کو بہتر بنانے کے لیے گرائے گئے تھے۔ ان مکانات کی زمین اور عملے کی قیمت حکومت نے ۹۳۷۰۰/- روپے طے کی تھی۔ غالباً حامد علی خاں کی وفات کے بعد اُن کی بیوی حاجی بیگم کو یہ رقم ادا کی گئی۔

ملاحظہ ہوں: قیصر التواریخ، جلد ۲، ص ص ۴۶۳ - ۴۶۵ - عروج سلطنت عہد سلطنتِ انگلشیہ ہند ص ۱۶، ۱۸۵۷ء کے اخبار اور دستاویزیں، ص ص ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ص ۱۸۵ - ۱۸۷ - غدر کے صبح و شام، ص ۶۸ - مزید دیکھیے ڈیپارٹمنٹ آف آرکائیوز، دہلی کی درجِ ذیل دستاویز:

LI (18/ 46 D. C. 5/1866

۵۵۔ حزیں، شیخ جمال الدین ابو المعالی محمد علی: غالب نے ان کا ذکر سفیر بلگرامی اور چودھری عبد الغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اُن کے والد کا نام ابو طالب تھا۔ اُن کا ۱۱۲۷ھ میں ۹ ۴ برس کی عمر میں اصفہان میں انتقال ہوا۔ حزیں ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۰۳ھ کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ حزیں نے اصفہان کے عالموں سے حدیث و فقہ، علم ہیئت، تفسیر، منطق، طب اور ہندسہ جیسے علم حاصل کیے۔ حزیں کی ابتدائی زندگی پریشان حالی میں گزری۔ دس سال تک ایران کے مختلف شہروں میں گھومتے پھرے۔ ۱۰ رمضان ۱۱۴۶ھ کو عازم ہند ہوئے اور باقی زندگی ہندوستان ہی میں گزار دی۔ ہندوستان کے مختلف شہروں میں گھومتے رہے۔ دہلی میں عمدۃ الملک امیر خاں انجام کے توسط سے محمد شاہ بادشاہ کے دربار تک رسائی ہوئی۔ محمد شاہ نے خاصی پذیرائی کی۔ دہلی سے بنگال اور پٹنہ ہوتے ہوئے

بنارس پہنچے، آخر میں فقیری اختیار کر لی۔ بنارس ہی میں ۱۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: دیوانِ حزیں، ص ص ۱۔ ۸

۵۶۔ حسن علی: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ سید تھے اور ان کے والد جان محمد شاہی ملازمت میں رہے تھے۔ غالب نے ان کے بارے میں علائی کو لکھا تھا کہ حسن علی "دوا سازی میں یگانہ، رکاب داری میں یکتا ہیں۔"

ملاحظہ ہو: جہانِ غالب، قاضی عبدالودود، معاصر پٹنہ، حصہ ۴، ص ص ۲۵-۲۶

۵۷۔ حسن علی خاں: غالب نے نواب حسن علی خاں کا ذکر میر مہدی مجروح اور منشی شیو نرائن آرام کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب نجابت علی خاں رئیس جھجر کے بیٹے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران یہ دہلی میں تھے اور اکثر بہادر شاہ ظفر کے دربار میں حاضر ہوتے تھے اسی قریبی زمانے میں عبدالرحمٰن خاں والیِ جھجر ہوئے وہ بہادر شاہ ظفر کی مدد کر رہے تھے۔ دہلی میں انگریزوں کے قبضے کے بعد مع اہل و عیال دہلی سے فرار ہو کر گوالیار پہنچے۔ وہاں سے دھول پور جا کر روپوش ہو گئے۔ ملکۂ معظمہ کے اشتہارِ امان کے بعد گرفتار ہوئے اور اکبر آباد لائے گئے۔ یہاں کپتان جارون کمشنر آگرہ کی سفارش پر رہا ہو کر یکم جنوری ۱۸۵۸ء کو دہلی واپس آ گئے اور کمشنر کی اجازت سے کلاں محل میں رہنے لگے۔ ان کے صاحبزادے سعادت علی خاں بلند شہر سے گرفتار ہو کر دہلی آئے۔ دو ماہ بعد رہا ہو کر جاورہ چلے گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔ حسن علی خاں کا اپنے بھتیجے نواب فیض محمد خاں والیِ جھجر سے کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔ برطانوی حکومت کے حکم سے انھیں ریاست سے تین ہزار روپے ماہانہ ملتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں یہ رقم بند ہو گئی اور حکومت سے سو روپے ماہوار کی پنشن مقرر ہو گئی۔ بہت خستہ حالی اور پریشانی کے عالم میں ان کا انتقال ہوا۔ غالب نے ۲۲ ستمبر ۱۸۶۱ء کے خط میں مجروح کو ان کے انتقال کی خبر دی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ قریبی زمانے ہی میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہوں: قیصر التواریخ، جلد ۲، ص ۶۱۴۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۸۸۔ واقعاتِ دارالحکومت، جلد ۲، ص ۱۲۶۔ سر طامس مٹکاف کی ڈائری، ص ۱۰ اس ڈائری میں کئی بار اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ جھجر کے نمائندے نے حسن علی خاں کی تنخواہ کے تین ہزار روپے پیش کیے۔ صاحب اجنٹ بہادر نے حسن علی خاں کے آدمی کو دلوا دیے۔ غدر کا نتیجہ، ص ۶۳

۵۸۔ حکمت اللہ: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام خط میں صرف ایک بار کیا ہے۔ آگرے

میں غالب کے ایک دوست میر قاسم علی تھے۔ دہلی بھی آتے رہتے تھے۔ میر قاسم کے دوست حکمت اللہ نے غالب کے پتے سے ان کے نام خط بھیجا تھا۔ غالب، حکمت اللہ سے آشنا نہیں تھے، کیوں کہ انھوں نے لکھا ہے کہ: "کوئی میاں حکمت اللہ ہیں۔"

حمزہ خاں: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ مجھے ان کے حالات کہیں نہیں ملے۔ خطوطِ غالب سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں علاء الدین احمد خاں علائی کے اتالیق تھے۔ بعد میں یہ الور چلے گئے تھے۔ وہاں ممکن ہے کہ علائی کے بچوں کو پڑھاتے ہوں۔ انھوں نے ایک دفعہ علائی کی معرفت غالب کو ترکِ شراب کی نصیحت کی اور غالب کو یہ بھی کہلوایا تھا کہ شراب پینے والا مشرک ہوتا ہے۔ غالب نے علائی کے نام ایک خط میں اس نصیحت کا خاصا طویل جواب دیا تھا اور غصے میں لکھا تھا: "دریے کے بنیوں کے لونڈوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہونا اور رسائلِ ابو حنیفہ کو دیکھنا اور مسائلِ حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقتِ حقہ وحدت وجود کو اپنے میں دل نشین کرنا اور ہے۔" غالباً ان ہی حمزہ خاں کے بارے میں غالب نے علائی کو لکھا تھا: "سنتا ہوں کہ حمزہ خاں کو ان دنوں علتِ مشائخ کا زور ہے اور سعدی کی اس بیت پر عمل کرتے ہیں۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند
بہ آوازِ دولاب مستی کنند"

۶۰۔ حیا، مرزا رحیم الدین: غالب نے ان کا ذکر منشی نبی بخش حقیر، مرزا ہرگوپال تفتہ اور نواب کلب علی خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے والد مرزا کریم الدین رسا، شاہ عالم ثانی کے پوتے تھے۔ حیا ۱۲۱۲ھ (۹۸-۱۷۹۷ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شطرنج کے بہت اچھے کھلاڑی اور ستار نوازی میں کمال حاصل تھا۔ شاعری میں شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد مستقل طور پر رام پور چلے گئے، جہاں نواب کلب علی خاں نے انھیں اپنا مصاحب بنا لیا۔ حیا کا ایک دیوان ۱۸۵۵ء سے پہلے شائع ہوا تھا۔ اس دیوان پر غالب اور صہبائی نے تقریظیں لکھی تھیں۔ ایک دیوان اور مرتب کیا تھا۔ سری رام نے اُن کے دو دیوان اور ایک واسوخت کا ذکر کیا ہے۔ تیسرا دیوان بھی مرتب کیا تھا جو بقولِ سری رام ضائع ہو گیا۔ سری رام نے لکھا ہے کہ نواب کلب علی خاں کی وفات کے آٹھ دن بعد ان کا انتقال ہوا۔ اس حساب سے اُن کا انتقال ۳۱ مارچ ۱۸۸۷ء کو ہوا ہوگا۔

ملاحظہ ہوں: خم خانۂ جاوید، جلد ۲، ص ص ۵۱۰-۵۱۲ — گلستانِ سخن، جلد ۱، ص ص ۸-۴۰۔

۴۴۱۴ ۔ انتخاب یادگار، ص ص ۱۱۸ ۔ ۱۲۰ قاموس المشاہیر، جلد ۱، ص ۲۶۰

۶۱ ۔ خاقانی، حسان العجم افضل الدین (بدیل۔ ابراہیم) : غالب نے ان کا ذکر سیاح، سرور، مولوی نعمان احمد اور فرقانی میرٹھی و تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔

فارسی کے بہت مشہور شاعر تھے۔ خاقانی تخلص تھا۔ حسان العجم اور افضل الدین اُن کے لقب تھے۔ خاقانی کے والد نجیب الدین علی بڑھئی تھے اور دادا جولاہے تھے۔ اپنے چچازاد بھائی وحید الدین مختاری سے تعلیم پائی۔ شاعری میں ابوالعلا گنجوی کے شاگرد تھے۔ کچھ عرصے تک خاقان فخر الدین منوچہر بن فریدون شروان شاہ سے وابستہ رہے اور بادشاہ سے بہت قیمتی انعام و اکرام حاصل کیے۔ کچھ عرصے بعد بادشاہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر کنارہ کشی اختیار کر لی اور مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے رہے۔ ایک عرصے بعد پھر شروان شاہ کے دربار سے متوسل ہو گئے۔ نہ جانے بادشاہ سے کس بات پر بگڑی کہ اُس نے قید کر دیا۔ ایک سال بعد رہائی ہوئی۔ ۵۸۲ھ اور ۵۹۵ھ کے درمیان انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : تاریخ ادبیات در ایران، جلد ۲، ص ص ۷۷۶ ۔ ۷۸۰۔

۶۲ ۔ خوب چند چین سکھ : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ کسی بھی کتاب میں ان کا ذکر میری نظر سے نہیں گزرا۔ غالب کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی کے مہاجن تھے۔

۶۳ ۔ ذوق، محمد ابراہیم : غالب نے ذوق کا ذکر منشی نبی بخش حقیر، یوسف مرزا، میر مہدی مجروح اور چودھری عبدالغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ خاقانی ہند، ملک الشعراء، عمدۃ الاستاذین اور خان بہادر خطابات تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ رمضانی (یا رمضان) تھا۔ ذوق ۱۲۰۳ھ میں دلّی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے عہد کے مروجہ علوم حاصل کیے تھے۔ شاعری میں پہلے حافظ شوق اور پھر شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے۔ ۲۳ صفر ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۸۵۴ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : ذوق۔ سوانح اور انتقاد، تنویر احمد علوی۔

۶۴ ۔ راستی، رند، دیوان جانی بہاری لال : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، منشی نبی بخش حقیر اور سید بدر الدین احمد المعروف بہ فقیر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ پہلی بار اُن کا ذکر تفتہ کے نام ایک خط مورخہ یکم فروری ۱۸۵۲ء میں اور آخری بار سید بدر الدین احمد المعروف بہ فقیر کے نام ایک خط مورخہ ۳ جنوری ۱۸۵۵ء میں آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے ان دونوں کے تعلقات ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گئے تھے

راضی اور تفتہ میں کچھ اختلافات ہو گئے تھے۔ ممکن ہے اس کا اثر غالب اور راضی کے تعلقات پر بھی پڑا ہو۔

راضی کے والد جانی بھتی رام ناگر برہمن تھے۔ ان کے بزرگ گجرات کے رہنے والے تھے۔ بھرت پور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ راضی غالباً ۱۸۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ آگرے اور اعظم گڑھ میں تعلیم پائی۔ عربی فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے۔ عرصے تک فوج میں میر منشی رہے۔ بھرت پور دربار کی طرف سے ایجنٹ گورنر جنرل کی خدمت میں نائب وکیل رہے۔ راجپوتانہ گزٹ کے اڈیٹر رہے۔ مہارانا شری سجن سنگھ والیِ میواڑ کے اتالیق رہے۔ مہاراجا اودے پور کے اتالیق بھی رہے۔

شاعری میں غالب کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنے کسی دوست کی معرفت مہاراجا جے پور کی خدمت میں غالب کا دیوان پیش کیا تھا، جس پر مہاراجا نے غالب کو پانچ سو روپے دیے تھے۔

سید بدرالدین المعروف بہ فقیر کے نام غالب کے ایک خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۵۴ء کے اواخر میں راضی خاصی پریشانیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ کچھ ملازمت کی پریشانی تھی، طبیعت خراب تھی اور انھیں دنوں میں جوان داماد کا انتقال ہو گیا تھا۔ راضی کی صرف ایک بیٹی کا پتا چلتا ہے۔ انھوں نے رجسٹری کے ذریعہ اپنی تمام جائداد دو بھتیجوں جانی لکھمی لال ولد جھگن لال اور جانی موتی لال ولد جھنولال کے نام کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیٹی کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ راضی کی تصنیفات کی تعداد خاصی بڑی ہے (۱) یادگارِ راضی، ۱۶۷ صفحات کی اس کتاب میں راضی نے عربی قواعد بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۶۷ء میں مطبع مفید عام آگرے میں شائع ہوئی (۲) نگارِ راضی، گلستانِ سعدی کا منظوم ترجمہ، ۲۴۲ صفحات کی یہ کتاب مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۸۶۶ء میں طبع ہوئی (۳) تعریفِ زبانِ فارسی و انگریزی، فارسی اور انگریزی کی منظوم تعریف، ۶۴ صفحات کی یہ کتاب ۱۸۵۹ء میں مطبع اعجاز محمدی آگرہ سے شائع ہوئی۔ (۴) دلآرامِ راضی، بوستانِ سعدی کا منظوم ترجمہ، ۱۳۰ صفحات کی یہ کتاب ۱۸۶۰ء میں شائع ہوئی (۵) ارژنگِ راضی، انوارِ سہیلی کا منظوم ترجمہ، ۴۷۸ صفحات کی یہ کتاب مفید عام آگرے سے ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئی (۵) جے پی الڑنین کی انگریزی کتاب تاریخ چتوڑ کا "کلِ مقصودِ راضی" کے نام سے اُردو ترجمہ، ۱۰۲ صفحات کی یہ کتاب ۱۸۶۳ء میں اعجازِ محمدی پریس آگرہ سے شائع ہوئی (۶) گاڈ خدا، خالق باری انداز کی اس کتاب میں انگریزی الفاظ کے اردو مترادفات منظوم کیے گئے ہیں۔ ۳۴ صفحات کی یہ کتاب فروری ۱۸۶۶ء میں مطبع دربار کچھ سے شائع ہوئی (۷) دستورِ تحریری، عربی، فارسی اور انگریزی لفظوں کی املا پر بحث کی گئی ہے اور خوش نویسی کے اصول بیان کیے

گئے ہیں جو ۱۲۵۰ھ میں شائع ہوئی۔ سلیم جعفر نے ان کی پانچ اور کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) سیاستِ یونان یعنی سوانح ٹیلی میکس (۲) شادی نامہ، اس میں راجپوتانہ کے وکیلوں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ اور تین کتابیں سنسکرت قواعد پر۔ عبداللہ بشیر نے ان کے ایک مطبوعہ دیوان کا ذکر کیا ہے جو ۱۲۸ صفحات پر مشتمل تھا اور ۱۲۷۰ھ میں مطبع دربار کچھ بھاؤ نگر سے شائع ہوا تھا۔ ان کی تاریخ وفات کا پتا نہیں چلتا۔ کم سے کم ۱۸۸۶ء تک حیات تھے کیوں کہ اس سال انھوں نے راجپوتانہ کے ایجنٹ سی، کے، ایم والٹر کی خدمت میں انگریزی زبان میں ایک قصیدہ پیش کیا تھا جس میں کہا تھا کہ ان کی تہتر سال کی عمر ہے اور اٹھاون سال سے ملازمت کر رہے ہیں۔ ہری رام نے ۱۹۱۱ء میں خم خانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ بیس سال پہلے انتقال کیا۔

ملاحظہ ہوں: تلامذۂ غالب، ص ص ۱۱۰-۱۱۲۔ تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود، ص ص ۶۳-۶۴۔ جائزۂ زبانِ اردو، ص ۱۷۵۔ خم خانۂ جاوید، جلد ۳، ص ص ۳۴۲-۳۴۶۔ دیوان جانی بہاری لال راضی بھرت پوری، معراج دھولپوری، ہماری زبان علیگڑھ، ۸ نومبر ۱۹۶۱ء۔ دیوان جانی بہاری لال راضی، ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، ہماری زبان، علیگڑھ، ۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء۔ دیوان جانی بہاری لال، سلیم جعفر، زمانہ کانپور، ستمبر ۱۹۳۷ء ص ص ۱۵۳-۱۵۹۔ جائزہ زبانِ اردو، ص ۱۷۵۔ غالب اور تلامذۂ غالب، تذکرہ بشیر میں، اردو، کراچی، غالب نمبر ۱۹۶۹ء، ص ۲۲۸-۲۴۴۔

۶۵۔ راقم، خواجہ مرزا قمر الدین خاں عرف خواجہ مرزا: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ خواجہ بدر الدین خاں عرف خواجہ امان کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۳۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں بہادر شاہ ظفر کے ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد بادشاہ نے انھیں ولی عہد مرزا فخرو کے سپرد کر دیا۔ مرزا فخرو کے انتقال کے بعد الور میں مہاراجا شیو دان سنگھ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد ریاست جے پور میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد دہلی واپس آ گئے۔ والد کے انتقال کے بعد حیدر آباد چلے گئے۔ تقریباً دو سال وہاں رہے اور پھر جے پور آ گئے۔ یہیں مارچ ۱۹۱۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔

انھوں نے اپنے مطبوعہ دیوان میں شاگردِ غالب ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن مجھے شبہہ ہے کیوں کہ کسی اور ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

ان کا کلیات "نغمۂ اردو" کے نام سے ۱۹۱۰ء میں افضل المطابع، دہلی سے شائع ہوا تھا۔ کلیات

۲۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ "مرقع نعت" کے نام سے تیس صفحات پر مشتمل نعتوں کا ایک مجموعہ نظام المطابع، حیدرآباد سے شائع ہوا۔

مرزا رفیق بیگ، نبیرۂ راقم نے اُن کی تین اور تصانیف کا ذکر کیا ہے: "سبعہ سیارہ" اس میں سیاروں کا بیان ہے۔ "عقدِ ثریا" عورتوں کی زبان میں ایک قصہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ دو جلدوں میں تھا۔ ایک جلد شائع ہو چکی تھی۔ شرح دیوانِ غالب، اس کا مسودہ غالباً ضائع ہو گیا۔

ملاحظہ ہوں: خم خانۂ جاوید، جلد ۳، ص ص ۳۶۱ - ۳۵۵۔ خواجہ قمر الدین راقم، مرزا رفیق بیگ، احوالِ غالب، ص ص ۲۹۴-۲۹۰ اردو، اورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ص ۲۶۲-۲۶۱۔ تلامذۂ غالب ص ص ۱۱۶-۱۱۲

۶۶۔ رام سنگھ، مہاراجا: غالب نے تفتہ کے نام خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ راجا جے سنگھ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ راجا جے سنگھ کا ۱۸۳۵ء میں انتقال ہوا تو یہ سترہ مہینے کے تھے ان کی والدہ چندراوت کو مختار اور راول جی کو دیوان مقرر کیا گیا۔ ۱۸۵۱ء میں ریاست کے انتظامات اس کے سپرد کیے گئے۔ احترام الدین شاغل نے جے پور کے محلاتِ شاہی میں منعقد ہونے والے ایک مشاعرے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس مشاعرے میں تو دو مہاراجا نے شرکت کی اور خود ان ہی کی غزل سے مشاعرہ شروع ہوا۔" ۱۸۸۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ظہیر دہلوی نے "داستانِ غدر" میں مہاراجا کی شخصیت اور سیرت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔

ملاحظہ ہوں: کارنامہ راجپوتگان، ص ص ۳۲۷ - ۳۳۰۔ ریاض الامرا، ص ص ۵۵ - ۵۸۔ تذکرۂ شعرائے جے پور، ص ۸۔ داستانِ غدر، ص ص ۲۱۱ - ۱۶۵

۶۷۔ راول: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ جب ۱۸۳۵ء میں جے پور کے راجا جے سنگھ کا انتقال ہوا، تو اُن کے وارث مہاراجا رام سنگھ صرف سترہ مہینے کے تھے۔ برطانوی حکومت نے راول کو ریاست کا دیوان مقرر کر دیا۔ بہ قول نجم الغنی "راول اپنی ذی اختیاری اور فضول خرچی سے راج کو زیر بار اور مہاراجا کو غافل از کار رکھنا چاہتا تھا۔" اس لیے ۱۸۵۱ء میں مہاراجا نے اُسے برطرف کر دیا۔

ملاحظہ ہو: کارنامۂ راجپوتگان، ص ص ۳۲۹ - ۳۲۸

٦٨۔ رحیم بخش : غالبؔ نے ان کا ذکر میر مہدی مجروحؔ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ میرن صاحب کے سالے کے صاحبزادے تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔

٦٩۔ رسوا، میر احمد حسین : غالبؔ نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ ٹونک کے میر تفضل حسین خاں کے بڑے صاحبزادے تھے۔ میر احمد حسین اور اُن کے بھائی سید ضامن حسین ٹونک کے ریذیڈنسی میں ریاست کے سفیر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ احمد حسین رسوا کے بیٹے، مضطر خیرآبادی اور اُن کے بیٹے جان نثار اختر ہیں۔

ملاحظہ ہوں : ٹونک میں مرزا غالبؔ کے احباب، سید منظور الحسن برکاتی، تحریک اپریل ۱۹۶۷ء ص ۸۔

٧٠۔ رقیہ بیگم : غالبؔ نے میر مہدی مجروحؔ کے نام خط میں لکھا ہے : "تاج محل، مرزا قیصر، مرزا جواں بخت کی سالی ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ، ان سب کی الٰہ آباد سے رہائی ہوئی۔" میرا خیال ہے کہ مرزا جواں بخت کی سالی اور ولایت علی بیگ جے پوری کی زوجہ سے مراد ایک ہی خاتون ہیں اور وہ ہیں رقیہ بیگم۔ نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی دستاویز میں جواں بخت کی سالی کا نام رقیہ بیگم بتایا ہے اور ڈیپارٹمنٹ آف آرکائوز دہلی کی ایک دستاویز میں ان کا نام رقیہ بیگم جے پوری لکھا گیا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالبؔ کی مراد ایک ہی سے ہے۔ یہ صمصام الدولہ نواب احمد قلی خاں کی صاحبزادی اور مرزا جواں بخت کی بیوی زمانی بیگم کی بہن تھیں۔ شاہی قیدیوں کے ساتھ رنگون جانا چاہتی تھیں، لیکن الٰہ آباد پہنچ کر ارادہ بدل دیا۔ کچھ دن انھیں قید میں رکھا گیا اور پھر رہا کر دیا گیا۔

ملاحظہ ہو : نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی درج ذیل دستاویز :

Foreign Department Political No. 52-125 10 Dec., 1858 N.A.I.

اور ڈیپارٹمنٹ آف آرکائوز، دہلی کی مندرجہ ذیل دستاویز :

D.C. 5 1865 P VI (12) 48 Genl

٧١۔ رمز، مرزا فتح الملک بہادر غلام فخر الدین عرف مرزا فخرو : مرزا ہرگوپال تفتہ اور منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ حقیر کو ان کی وفات کی اطلاع دی ہے۔ ظفر کے سولہ بیٹے اور اکتیس بیٹیاں تھیں۔ عمر کے اعتبار سے مرزا فخرو، جو ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے تھے چوتھے

بیٹے تھے۔ پہلے مرزا دارا بخت دوسرے مرزا شاہ رُخ اور تیسرے بیٹے کیومرث تھے۔ ان میں سب سے پہلے کیومرث کا انتقال ہوا پھر مرزا شاہ رخ خدا کو پیارے ہوئے اور پھر دارا بخت ولی عہد سلطنت کا ۱۱ جنوری ۱۸۴۹ء کو انتقال ہوگیا۔ اب اصولاً مرزا فخرو ہی کو ولی عہد بننا چاہیے تھا لیکن ظفر نے نواب زینت محل کے بطن سے پیدا ہونے والے شہزادے مرزا جواں بخت کو ولی عہد بنانے کے لیے کوشش شروع کردی۔ ولی عہدی کی سیاست میں ظفر، بیگم زینت محل، تقریباً تمام شہزادوں اور بعض امرا نے حصہ لیا۔ ظفر کا ہمنوا گروہ مرزا جواں بخت کے لیے کوشش کر رہا تھا اور دوسرا گروہ مرزا فخرو کے حق میں تھا۔ برطانوی حکومت نے مرزا فخرو کو ولی عہد تسلیم کیا اور سیاست سے فائدہ اٹھا کر مرزا فخرو سے ایک عہد نامے پر دستخط کرالیے۔ اس عہد نامے کی اہم شرائط تھیں کہ (۱) ظفر کے انتقال کے بعد مرزا فخرو لال قلعہ خالی کردیں گے۔ (۲) برطانوی حکومت ایک کروڑ روپیہ لال قلعے کا معاوضہ اور ایک کروڑ روپیہ قطب صاحب میں مکانات کی تعمیر کے لیے دے گی (۳) مرزا فخرو کو تمام خاندان کے ساتھ قطب صاحب میں سکونت اختیار کرنی ہوگی (۴) مرزا فخرو کو تین لاکھ روپے ماہوار پنشن ملے گی (۵) پانچ ہزار افراد پر مشتمل فوج رکھنے کا اختیار ہوگا (۶) گورنر جنرل اور لیفٹننٹ گورنر کو دربار میں کرسی دینی ہوگی (۷) روسائے با اختیار میں مرزا فخرو کا اول نمبر ہوگا۔ اس عہد نامے کا مطلب یہ تھا کہ ظفر کے بعد مغل حکومت کا نام و نشان بھی باقی نہ بچے۔

مرزا فخرو اردو میں شعر کہتے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ ذوق کی وفات کے بعد انھوں نے غالب کا تلمذ اختیار کرلیا۔ چار سو روپے سال غالب کے اور دس روپے ماہوار حسین علی خاں اور باقر علی خاں کے مقرر کردیے۔ ۱۰ جولائی ۱۸۵۶ء کو مرزا فخرو کا انتقال ہوگیا۔

ملاحظہ ہو: بہادر شاہ ظفر اور ان کی شاعری، ص ص ۱۰۲ - ۱۱۹۔ غالب اور شاہانِ تیموریہ ص ص ۵۴-۵۶۔ تلامذۂ غالب، ص ص ۱۲۹-۱۳۴۔ تاریخ عروجِ عہدِ سلطنتِ انگلشیہ ہند، ص ۲۰۸۔ قلعہ معلی کی جھلکیاں، ص ص ۶۷-۶۹۔ ولی عہدی کے جھگڑے سے متعلق ملاحظہ ہوں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دلی کی درج ذیل دستاویزیں:

Mutiny Papers Collective No. 200 File No. 49 N.A.I.

" " " " File No. 50 "

" " " " File No. 51 "

Foreign Department Political S. No. 254-61 N.A.I.

Foreign Department Political S. No. 65-66 N.A.I.

" " " S. No. 160 N.A.I.

" " " S. No. 162 N.A.I.

۷۲۔ روشن الدولہ، منیر الملک محمد حسین خاں بہادر قائم جنگ : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ اشرف علی خاں کے لڑکے تھے۔ نصیر الدین حیدر نے جب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کو وزارت کے عہدے سے معزول کیا تو نومبر ۱۸۳۲ء میں روشن الدولہ کو وزیر مقرر کیا۔ بہت سازشی، بے ایمان اور رشوت خور آدمی تھے۔ نصیر الدین حیدر کی وفات کے بعد اُن کا ستارہ ڈوب گیا۔

ملاحظہ ہو: "تاریخِ اودھ"، جلد ۴، ص ص ۳۸۰ - ۴۲۷ - سوانحاتِ سلاطینِ اودھ، جلد ۱، ص ص ۳۲۲ - ۳۲۹ - طلسمِ ہند، ص ص ۴۶۲ - ۴۵۰ - "طلسمِ ہند" میں روشن الدولہ کے حالات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

۷۳۔ رومی، محمد نام، جلال الدین لقب اور مولانائے رُوم عرف: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ والد کا لقب بہاء الدین تھا۔ صاحب علم و فضل تھے۔ مولانا روم ۶۰۴ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ شاہِ وقت محمد خوارزم شاہ سے بہاء الدین کی اَن بَن ہو گئی اور ۶۱۰ھ میں وہ ترکِ وطن کر کے نیشاپور چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد بہاء الدین بغداد پہنچ گئے۔ اور طویل عرصے تک وہیں قیام کیا۔

مولانا روم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور سید برہان الدین سے پائی۔ مولانا نے قونیہ، شام، حلب، دمشق وغیرہ کی بھی مسافرت کی تھی۔ ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ء کو مولانا کا قونیہ میں انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: مولانا روم، ص ص ۴۱ - ۱۰

۷۴۔ ریٹی گن سر ولیم ہنری (Sir William Henry Rattingan)**:** غالب نے ان کا مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ ۴ ستمبر ۱۸۴۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر

کی حیثیت سے ملازمت شروع کی۔ وکالت کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصے لاہور میں وکالت کی۔ چار دفعہ پنجاب ہائی کورٹ کے جج رہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ ۱۹۱۰ء میں ہندوستان سے چلے گئے۔ انھوں نے قانون پر کافی کتابیں لکھی ہیں۔ ۴ جولائی ۱۹۱۰ء کو موٹر کار کے ایک حادثے میں انتقال ہوگیا۔

ملاحظہ ہو: Dictionary of Indian Biography, p. 351

۷۵۔ زینت محل: غالب نے میر مہدی مجروح اور منشی نبی بخش حقیر کے نام ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ صمام الدولہ نواب احمد قلی خاں کی صاحبزادی اور بہادر شاہ ظفر کی چہیتی بیوی تھیں۔ قلعہ میں زینت محل کے اقتدار کا یہ عالم تھا کہ حکومت کے تمام کارپردازوں کے نام حکم جاری کیا گیا تھا کہ جس دستاویز پر نواب زینت محل کی مہر نہ ہوگی اُسے معتبر نہ سمجھا جائے۔ ظفر کے ساتھ ان کو بھی رنگون بھیجا گیا۔ ظفر کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ وہ نظر بند رہیں۔ پھر انھیں اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ رنگون سے باہر نہیں جائیں گی۔ ایک سو بیس روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی جو بڑھتے بڑھتے پانچ سو روپے تک پہنچ گئی۔ ۱۷ جولائی ۱۸۸۶ء کو رنگون ہی میں انتقال ہوا۔ وفات کے وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

ملاحظہ ہو: بہادر شاہ ظفر اور اُن کی شاعری، ص ص ۱۹۳-۱۹۱۔
نیز دیکھیے۔ نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی مندرجہ ذیل دستاویزیں:

1. Foreign Department International B. No. 140-142 August 1886 N.A.I.
2. Foreign Department Finance B. No. 69-72 Feb. 1882 N.A.I.
3. Foreign Department Political No. 15-17 April 1868 N.A.I.

مزید دیکھیے: ڈیپارٹمنٹ آف آرکائوز دہلی کی درج ذیل دستاویز:

D.C. 2 1857 P VII (33)/46 Genl.

۷۶۔ سانڈرس سی۔بی (C. B. Saunders): غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ان کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں مل سکیں۔ ۱۸۵۲ء میں یہ امرتسر میں میرج رجسٹرار مقرر ہوئے تھے۔ کچھ عرصے امرتسر ہی میں ڈپٹی کمشنر رہے۔ نومبر ۱۸۵۷ء میں دہلی کے عارضی کمشنر اور ایجنٹ مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں دہلی کے کمشنر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ بہادر شاہ ظفر کے مقدمے میں یہ سرکاری وکیل تھے۔

ملاحظہ ہوں: نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی درج ذیل دستاویزیں:

1. Foreign Deptt. 496-507 F.C. 6 Aug., 1858

2. - do - 75-78 F.C. 25 July, 1851

۷۷۔ سعدی، شیخ مصلح الدین : غالب نے ان کا ذکر نواب انورالدولہ شفق، امین الدین احمد خاں بہادر، چودھری عبدالغفور سرور، علاء الدین احمد خاں علائی، میاں داد خاں سیاح اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ سعدی عبداللہ شیرازی کے صاحبزادے تھے۔ ۶۰۶ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۵۷۱ھ میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کر کے بغداد آ گئے اور یہاں علم ظاہری ابن جوزی سے اور علم طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ عبدالقادر گیلانی سے حاصل کیا۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی پڑھا۔ سعدی نے خوارزم شاہیوں اور اتابکوں کی جنگ اور فتنۂ مغول (تاتار) کی وجہ سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ جہاں گردی میں گزارا اور زندگی کا وسیع تجربہ حاصل کیا۔ انھوں نے ترکی، ہندوستان اور وسط ایشیا کی سیاحت بھی کی۔ آخر عمر میں شیراز پہنچ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ ۶۹۱ھ یا ۶۹۴ھ میں انتقال کیا۔ سعدی کی بوستاں اور گلستاں عالمی شہرت کی تصنیفات ہیں۔ کلیات سعدی جو انواع سخن پر مشتمل ہے متعدد بار چھپی ہے۔

ملاحظہ ہو : دولیت سخنور، ص ص ۱۴۳ - ۱۴۵

۷۸۔ سلمان ساوجی، ملقب بہ خواجہ جمال الدین : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ خواجہ علاء الدین محمد ساوجی کے صاحبزادے تھے۔ آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ساوہ میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں سلطان ابوسعید کے وزیر غیاث الدین محمد سے وابستہ تھے۔ پھر تقریباً چالیس سال تک ایلکانی بادشاہوں سے متوسل رہے۔ جن کی حکومت مغربی ایران اور عراق عرب میں تھی۔ ناتوانی اور ضعف چشم کی وجہ سے ملازمت ترک کر کے ساوہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہیں ۱۲ صفر سال ۷۷۸ھ کو انتقال کیا۔

یہ عہد صفوی سے پہلے کے فارسی شعرا میں بہترین قصیدہ گو ہیں۔ نعت اور حمد و منقبت میں سلمان نے بہترین قصیدے لکھے ہیں۔ تصانیف میں دیوان، مثنوی جمشید و خورشید (تالیف ۷۶۳ھ) اور فراق نامہ (۷۷۰ھ) ہیں۔

ملاحظہ ہو : دولیت سخنور، ص ص ۱۴۸-۱۵۰

۷۹۔ سنائی، حکیم ابوالمجد مجدود : غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے والد کا نام آدم تھا۔ ۴۶۳ھ یا ۴۶۴ھ میں غزنیں میں پیدا ہوئے۔ سنائی ۵۹۴ھ میں غزنیں سے بلخ آئے۔ کچھ دن کی اقامت کے بعد بلخ واپس آ گئے۔ یہاں سے سرخس اور پھر خراسان چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد اپنے وطن غزنیں واپس چلے گئے، جہاں باسٹھ سال کی عمر میں ۵۲۵ھ یا ۵۳۵ھ میں انتقال ہو گیا۔ تقریباً چار ہزار اشعار پر مشتمل ان کا دیوان ہے، جس میں قصیدے، غزلیں، ترکیب بند و ترجیع بند، قطعے اور رباعیاں ہیں۔ دیوان کے علاوہ اُن کی تصنیفات میں چھے مثنویاں ہیں: (۱) مثنوی حدیقۃ الحقیقۃ (۲) مثنوی سیر العباد الی المعاد (۳) مثنوی کارنامۂ بلخ (۴) مثنوی طریق التحقیق (۵) مثنوی عشق نامہ (۶) مثنوی عقل نامہ۔

ملاحظہ ہو: دیوانِ حکیم سنائی، ص ص ۳۵-۳ – تذکرۃ الشعرا، امیر دولت شاہ، ص ص ۹۹-۹۵

۸۰۔ سید محمد نصیر عرف نواب جان : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور یوسف مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ یوسف مرزا کے باپ ہیں۔ ان کی شادی نواب حسام الدین حیدر خاں (متوفی ۱۸۴۶ء) کی صاحبزادی قدسیہ بیگم عرف حسینی صاحبہ سے ہوئی تھی۔ قدسیہ بیگم ناظر حسین مرزا کی سگی بہن تھیں۔ مجروح کے نام خط میں ان کا نام "ناصر خاں" چھپا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے اور ممکن ہے خود غالب سے سہو ہوا ہو۔ بغاوت کے الزام میں ۱۸۵۹ء میں باندے میں گرفتار ہوئے اور حبسِ دوام کی سزا ملی۔ بعد میں نہ جانے کن وجوہ پر سزائے موت تجویز ہوئی اور مئی ۱۸۶۱ء میں پھانسی دے دی گئی۔

ملاحظہ ہو: تلامذۂ غالب، ص ۲۰۷ (مالک رام صاحب کے پیشِ نظر اس خاندان کے حالات کا ایک مخطوطہ ہے)۔

۸۱۔ شاؔد، گنگا پرشاد : غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں اُن کا ذکر کیا ہے۔ شاد آگرے کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام لالہ لال بہادر تھا۔ آگرہ ہائی کورٹ میں وکالت کرتے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں ان کی عمر تیئس سال تھی اور انھیں شعر کہتے ہوئے اکیس سال ہو چکے تھے۔ ۱۸۶۹ء میں عدالتِ دیوانی ضلع آگرہ میں وکیلِ سرکار تھے۔ لالہ سری رام اور مرتب "شعر و سخن" انھیں مرزا حاتم علی مہر کا شاگرد بتاتے ہیں۔ لیکن غالب نے تفتہ کے نام ۲۸ اگست ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں لکھا ہے: "لالہ گنگا پرشاد شاد تخلص اپنے کو تمھارا شاگرد بتاتے ہیں۔" ممکن ہے کہ شاد پہلے تفتہ کے شاگرد ہوں اور بعد میں انھوں نے مہر کا تلمذ اختیار کر لیا ہو۔

ملاحظہ ہو: شعر و سخن، ص ۶۸۔ خم خانۂ جاوید، جلد ۴، ص ۳۵۵

۸۲۔ شاداںؔ، مرزا حسین علی خاں : فارسی میں خیالی اور اردو میں شاداںؔ تخلص کرتے تھے۔ غالبؔ نے ان کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب زین العابدین خاں کے صاحبزادے اور نواب غلام حسین خاں کے پوتے، مرزا باقر علی خاں کاملؔ کے چھوٹے بھائی تھے۔ عارفؔ کے دو لڑکے تھے۔ باقر علی خاں کاملؔ اور حسین علی شاداںؔ۔ شاداںؔ کی پیدائش کے کچھ ہی عرصے بعد ان بچوں کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ ابھی شاداں دو برس کے تھے کہ عارفؔ کا بھی انتقال ہو گیا۔ غالبؔ کی بیوی امراؤ بیگم شاداںؔ کو اپنے پاس لے آئیں۔ غالبؔ نے اُن کی تعلیم و تربیت کی۔ فن شاعری میں بھی شاداںؔ غالبؔ ہی کے شاگرد تھے۔ غالبؔ کی وفات کے بعد انھوں نے حالیؔ اور مرزا قربان علی بیگ سالکؔ سے اصلاح لی۔ شاداںؔ کی شادی ۳ مارچ ۱۸۶۷ء کو اکبر علی خاں کی صاحبزادی خورشید بیگم سے ہوئی۔ شاداںؔ کے انتقال کے بعد خورشید بیگم کا عقدِ ثانی مرزا سیراب بیگ چنگیزی سے ہوا۔ حسین علی خاں، غالبؔ کی وفات کے بعد اگست ۱۸۶۹ء میں ریاست رام پور میں بہ قول مولانا امتیاز علی خاں عرشیؔ پچیس روپے ماہوار پر بہ زمرۂ شعرا ملازم ہو گئے۔ سری رام کا بیان ہے کہ شاداںؔ تیس روپے ماہوار تنخواہ پر ملازم ہوئے تھے، بعد میں تنخواہ ساٹھ روپے ماہوار ہو گئی۔

مئی ۱۸۷۷ء میں ان کا ذہنی توازن خراب ہو گیا۔ رام پور سے استعفیٰ دیا اور دہلی آ گئے۔ سری رام کا بیان ہے کہ یہ خیال اُن کے ذہن نشین ہو گیا تھا کہ شاعر کے لیے دُبلا ہونا ضروری ہے۔ یہ جنون اس حد تک بڑھا کہ کھانا پینا ترک کر دیا۔ سیب میں پانی پیتے تھے۔ ۲۵ سال کی عمر میں ۷ ستمبر ۱۸۷۸ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔ حضرت نظام الدین اولیا میں اپنی خاندانی بڑواڑ میں مدفون ہوئے۔ ان کا اردو دیوان چھپ چکا ہے۔

ملاحظہ ہو: اصہار الغالب، شجرہ ۴ اور شجرہ ۵۔ مکاتیبِ غالب، چھٹا اڈیشن، ص ص ۱۴، ۱۲۰۔ خم خانۂ جاوید، جلد ۴، ص ص ۳۰۸۔۳۰۹۔ تلامذۂ غالب، ص ص ۱۶۱۔۱۵۸۔ خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ص ۵۶۔۵۰۔

۸۳۔ شاہجہاں، ابوالمظفر شہاب الدین : غالبؔ نے اس کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہؔ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ جہانگیر کا تیسرا بیٹا تھا۔ ۵ جنوری ۱۵۹۲ء کو پیدا ہوا۔ فروری ۱۶۲۸ء کو تخت نشین ہوا اور یکم فروری ۱۶۶۶ء کو آگرے میں انتقال کیا۔

۸۴۔ شاہ محمد اعظم : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروحؔ کے نام خط میں کیا ہے۔ شاہ صاحب مولانا فخر الدین کے خلیفہ تھے، ان کے جدِ اعلیٰ خواجہ قیام الدین المعروف خواجہ محمد عرب حسنی الحسینی تھے جنھیں شاہ جہاں نے جامع مسجد دہلی کے آثار شریف کا نگراں مقرر کیا تھا۔

ملاحظہ ہو : دلّی کا یادگار ہستیاں، ص ص ۱۴۵-۱۴۲

۸۵۔ شرفؔ قزوینی، سید اشرف الدین قزوینی معروف بہ گیلانی : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہؔ کے نام خط میں کیا ہے۔ سید احمد حسینی قزوینی کے صاحبزادے تھے اور قزوین میں پیدا ہوئے۔ چھے ماہ کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ اشرف نے جوانی کا کچھ حصہ کربلا میں اور کچھ تبریز میں گزارا۔

ملاحظہ ہو : دولیست سخنور، ص ص ۲۲-۲۳

۸۶۔ شفیع احمد : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروحؔ کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ بظاہر مجروحؔ کے دوستوں میں تھے اور مجروحؔ ہی کی وجہ سے ان دونوں میں دعا سلام ہوئی تھی۔

۸۷۔ شوکت بخاری، محمد : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہؔ کے نام خط میں کیا ہے۔ ان کے والد کا نام اسحٰق تھا۔ اسحٰق بخارا کے ایک بازار میں صرّاف تھے۔ ابتدائی عمر میں شوکت اپنے باپ کی دکان پر بیٹھے، لیکن بہت جلد بخارا سے بددل ہو کر ایران کے مختلف شہروں کی سیاحت میں مصروف ہو گئے۔ زندگی فقر و قناعت میں گزاری۔ کہتے ہیں کہ آدھی زندگی انھوں نے لباس کے بدلے ایک کمبل پہنا اور ان کی وفات پر اسی کمبل کا کفن بنا دیا گیا۔ ۱۱۰۷ھ میں انتقال کیا۔

ملاحظہ ہو : دولیست سخنور، ص ص ۱۶۸-۱۷۰

۸۸۔ شیودان سنگھ : غالب نے راو راجا شیودان سنگھ کا ذکر میر مہدی مجروحؔ کے نام خط میں کیا ہے اور صرف راجا لکھا ہے۔ شیودان سنگھ الور کے راو راجا بنّے سنگھ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ صاحب "ریاض الامرا" نے اُن کا نام بنّی سنگھ لکھا ہے۔ ۱۸۵۷ء میں بنّے سنگھ کا انتقال ہوا تو یہ مسند نشین ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ستّرہ اور بہ قول صاحب "ریاض الامرا" تیرہ سال تھی۔ جب ریاست کے دیوان امو جان اور اُن کے عزیز و اقارب کے خلاف ہنگامہ ہوا اور کچھ لوگ مارے گئے تو اگست ۱۸۵۹ء میں الور کے نظم و نسق کے لیے کپتان امپی کی سربراہی میں ایک ایجنسی قائم کر کے شیودان سنگھ کو بے دخل کر دیا گیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۸۶۳ء میں راجا کے بالغ ہونے پر ریاست کے انتظامات اُن کے سپرد کر دیے گئے۔ راجا نے معقول انتظامات

کیے لیکن چند سال بعد ریاست پھر ابتری کا شکار ہو گئی۔ اکتوبر ۱۸۷۰ء میں راجا کو دوبارہ بے دخل کر کے ایجنسی قائم کر دی گئی۔ اسی حالت میں ۱۱ اکتوبر ۱۸۷۴ء کو راجا کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: کارنامۂ راجپوتگان، ص ص ۳۵۴ - ۳۵۶؛ بریاض الامرا، ص ص ۹۴ - ۹۳

۸۹۔ شیوجی رام برہمن: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور غالب کے دوستوں میں تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے دوران انھوں نے غالب کی بہت مدد کی تھی۔ غالب نے "دستنبو" میں ہنگامے کے دنوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے": اس نیم ویران اور نیم آباد لوگوں میں شیوجی رام برہمن، برہما نشراد کہ جوانِ خردمند ہیں اور میرے بیٹے کی طرح ہیں۔ اس درویشِ دلریش کو بہت کم تنہا چھوڑتے ہیں اور اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق میری فرماں برداری اور کارسازی کرتے ہیں۔" (فارسی سے ترجمہ)

ملاحظہ ہو: دستنبو، ص ۴۰

۹۰۔ صاحب سنگھ: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ "کوئی صاحب سنگھ ٹھیکہ دار الور کی سڑک کا ہے۔"

۹۱۔ صائب، مرزا محمد علی: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، غلام حسنین قدر بلگرامی، مرزا ہرگوپال تفتہ اور نواب انورالدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اُن کے والد مرزا عبدالرحیم تبریز کے سوداگر تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ صائب تبریز میں پیدا ہوئے اور بعض کا بیان ہے کہ اصفہان میں ولادت ہوئی۔ البتہ یہ مُسلّم ہے کہ ان کی نشو و نما اصفہان میں ہوئی۔ سنہ ولادت ۱۶۰۱-۰۲ء بتایا جاتا ہے۔ صائب کا شمار سبکِ ہندی کے بنیاد گزاروں میں ہوتا ہے۔ کابل میں ان کی ملاقات نواب ظفر خاں سے ہوئی، ان کے توسل سے دہلی آئے اور تقریباً چند سال تک شاہجہاں کے دربار سے متوسل رہے۔ ہندوستان سے واپسی پر شاہ عباس دوم کے دربار کے ملک الشعرا ہو گئے۔ علی نقی نے سنہ وفات ۱۰۸۱ھ اور ممتاز حسن نے ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹-۷۰ء بتایا ہے۔

ملاحظہ ہو: روایتِ سخنور، ص ص ۱۷۶ - ۱۷۸؛ دیوانِ صائب بخطِ مرزا صائب، ص ص ۱ - ۸

۹۲۔ صفا، کرامت علی: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ کسی تذکرے میں ان کا ذکر نظر سے نہیں گزرا۔ غالب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفتہ کے شاگرد تھے ابنائے

کے رہنے والے تھے، اور اس ضلع کے کسی مدرسے میں ملازم تھے۔

۹۳۔ ضیاء الدولہ بہادر، نواب حکیم سعد الدین احمد خاں: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ نواب رکن الدولہ کے صاحبزادے اور غالب کے حقیقی بھانجے مرزا عاشور بیگ کے سالے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں ان کی دلچسپی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ پھر بھی یہ برطانوی حکومت کے عتاب کا شکار ہوئے۔ دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد یہ پانی پت میں روپوش ہو گئے۔ دہلی میں ان کی پانچ سو روپے ماہوار کی املاک تھی جسے حکومت نے ضبط کر لیا۔ نواب ضیاء الدولہ لکھنؤ گئے تاکہ مرزا عاشور بیگ کے بھائی مرزا عباس بیگ کی مدد سے اپنی جائداد واگذاشت کرائیں مگر ناکامی ہوئی۔ یہ لاہور گئے اور وہاں ریٹی گن نام کے ایک وکیل کے ذریعہ حکومت سے اپنی جائداد کا مطالبہ کیا۔ وکیل کی کوششوں سے جائداد واگذاشت ہو گئی۔ بہ قول بشیر الدین احمد ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء - ۱۸۹۳ء) میں انتقال ہوا اور حضرت نظام الدین میں مدفون ہوئے۔

واقعاتِ دارالحکومت، جلد ۲، ص ۱۰۸ ۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۶۱ ۔ کارنامۂ سروری، ص ص ۳۳ ۔ ۳۵

۹۴۔ طغرا، ملا طغرائے مشہدی: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ایرانی النسل تھے۔ مشہد میں پیدا ہوئے۔ قسمت آزمانے ہندوستان آئے اور یہاں شاہجہاں کے لڑکے مراد بخش سے متوسل ہو گئے۔ آخری عمر میں کشمیر میں سکونت اختیار کر لی، وہیں انتقال ہوا اور ابوطالب کلیم کے پاس مدفون ہوئے۔

ملاحظہ ہو: سروِ آزاد، ص ۱۲۴

۹۵۔ ظفر، بہادر شاہ: منشی نبی بخش حقیر، نواب انور الدولہ شفق، چودھری عبدالغفور سرور، حبیب اللہ ذکا، مرزا ہرگوپال تفتہ، میر مہدی مجروح، اور حکیم غلام نجف خاں کے نام خطوط میں ان کا ذکر ہے۔ یہ اکبر شاہ ثانی کے صاحبزادے تھے۔ اُن کی ولی عہدی کے زمانے میں ۲۸ شعبان ۱۱۸۹ھ ۱۷۷۵ عیسوی کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "ابوظفر" اور پورا نام ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی ہے۔ اُن کی تعلیم و تربیت اچھے طریقے سے ہوئی۔ اردو، فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ خوش نویسی، شہسواری، بندوق بازی، تیراندازی جیسے فنون کے ماہر تھے۔ بہت منکسر المزاج اور خلیق انسان تھے۔ ظفر اکبر ثانی کے سب سے بڑے

صاحبزادے تھے، نہ جانے کیوں اکبر شاہ ثانی نے اپنے تیسرے بیٹے مرزا جہانگیر کو ولی عہد بنانے کی کوشش کی لیکن برطانوی حکومت نے اکبر شاہ ثانی کو اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ پھر اکبر شاہ ثانی نے اپنے ایک اور بیٹے مرزا سلیم کے لیے کوششیں کیں مگر یہاں بھی ناکام رہے اور برطانوی حکومت نے ظفر ہی کو ولی عہد تسلیم کیا۔ ظفر ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ء کو تخت نشین ہوئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مجاہدین کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہے۔ اُن کے قریب ترین رشتہ دار اور مصاحب انگریزوں کی جاسوسی کر رہے تھے۔ اگر جاسوسی کا اتنا بڑا جال نہ بچھا ہوتا تو شاید اسی عہد میں انگریز ہندوستان سے نیست و نابود ہو جاتے۔ بہر حال ۲۱ ستمبر کو نواب الٰہی بخش اور مولوی رجب علی کی سازشوں سے میجر ہڈسن نے ظفر اور اُن کے خاندان کے کچھ افراد کو مقبرہ ہمایوں سے گرفتار کر لیا۔ ظفر کو دہلی میں ناظر حسین مرزا کے مکان میں قید کر دیا گیا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو فیصلہ سنا دیا گیا جس میں ظفر کو مجرم قرار دیا گیا۔ ۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو ظفر اور اُن کے خاندان کے دوسرے افراد کو رنگون کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ ۹ دسمبر ۱۸۵۸ء کو یہ قافلہ رنگون پہنچا۔ جہاں ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کی صبح پانچ بجے اُن کا انتقال ہو گیا۔

ظفر کو ذوق سے تلمذ تھا۔ ذوق کی وفات کے بعد انھوں نے غالب کو اپنا کلام دکھایا۔

ملاحظہ ہو: بہادر شاہ ظفر اور اُن کی شاعری (تحقیقی مقالہ غیر مطبوعہ)، ص ص ۱۵۲ - ۱۸۸۔

بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری سے لے کر وفات کے حالات کے لیے دیکھیے: بہادر شاہ ظفر ایک تاریخی جائزہ، خلیق انجم، صبح، دہلی، شمارہ تیسرا اور چوتھا، ۱۹۶۳ء، ص ص ۶۵ - ۹

ملاحظہ ہوں: نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دلی کی درجِ ذیل دستاویزات:

1. Foreign Department Political No. 52-125 10th Dec. 1856 N.A.I.

2.	- do -	A. No. 1407 30th Dec. 1858 N.A.I.	
3.	- do -	A. No. 1413	- do -
4.	- do -	A. No. 74-76 25th March, 1859 N.A.I.	
5.	- do -	Progress No. 125 N.A.I	
6.	- do -	Cons. No. 325 N.A.I.	

7. - do - No. 185 N.A.I.

8. - do - No. 217-20 N.A.I.

9. Mutiny Papers No. 101 File No. 8 N.A.I.

10. - do - No. 102 File No. 69 N.A.I.

11. - do - No. 102 File No. 67 N.A.I.

ظفر کے حالات کے لیے ملاحظہ ہوں قلعۂ معلی کی جھلکیاں ۔ تاریخ عروج انگلشیہ ص ص ۳۶۴-۳۸۴ اور ۶۵۹-۶۹۶ ــ غدر کے صبح و شام ــ تاریخ ہندوستان، جلد ۹، بار سوم، ص ص ۳۴۲-۳۴۸ ــ بزم آخر ــ دہلی کا آخری سانس ــ سر طامس مٹکاف کی ڈائری ــ وغیرہ

۹۶۔ظہوری ترشیزی، نورالدین محمد : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، چودھری عبدالغفور سرور، مرزا ہرگوپال تفتہ، غلام حسنین قدر بلگرامی، منشی ولایت علی خاں عزیز صفی پوری کے نام کے خطوط میں کیا ہے۔ ان کی ولادت ترشیز میں ہوئی۔ کچھ مدت تک خراسان، عراق اور فارس میں رہے یہاں سے ہندوستان آئے اور دکن میں رہے پھر مکہ گئے اور وہاں سے ۹۸۰ھ میں پھر ہندوستان آ گئے۔ ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ دیوان کے علاوہ ان کی سہ نثر ظہوری بھی بہت مشہور ہے۔

ملاحظہ ہو: گنجِ سخن، ص ۷۷

۹۷۔ظہیر فاریابی، ظہیرالدین : ابوالفضل کنیت تھی۔ غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کا نام طاہر اور والد کا نام محمد تھا۔ فاریاب میں پیدا ہوئے، فاریاب اور نیشاپور میں تعلیم حاصل کر کے مازندران اور آذربائیجان چلے گئے، جہاں اتابک قزل ارسلان سے وابستہ ہو گئے۔ عربی کے علاوہ علم نجوم اور حکمت (فلسفہ) میں مہارت حاصل تھی آخری عمر میں تبریز میں گوشہ نشینی اختیار کر لی ۵۹۸ھ میں انتقال کیا۔

ملاحظہ ہو: دولیست سخنور، ص ص ۲۲۰-۲۲۲ ــ تذکرۃ الشعرا ۱۱۴-۱۰۹

۹۸۔ عارف، مرزا زین العابدین خاں : غالب نے عارف کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ علاء الدین احمد خاں علائی اور منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ عارف صاحبزادے تھے شرف الدولہ نواب غلام حسین خاں بہادر سہراب جنگ کے۔ نواب فیض اللہ خاں بہادر اُن کے دادا اور نواب قاسم

جان (دیکھیے حالات نواب الٰہی بخش خاں معروف) اُن کے پر دادا تھے۔

عارف کے والد غلام حسین خاں مسرور بھی شاعر تھے۔ مسرور کی شادی غالب کی بیوی امراؤ بیگم کی بڑی بہن بنیادی بیگم سے ہوئی تھی۔ مسرور اور بنیادی بیگم کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے کہ دونوں نے علیحدگی اختیار کر لی۔ عارف ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷-۱۸۱۸ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کے ایک بھائی حیدر حسین خاں تھے۔ عارف کی تعلیم و تربیت ان کی والدہ نے کی۔ مروجہ علوم کے علاوہ عارف نے خوش نویسی میں بھی مہارت حاصل کی تھی۔ اور اس فن میں وہ میر جلال الدین کے شاگرد تھے جنھیں یاقوت رقم ثانی کہا جاتا تھا۔ غالب کی بیوی امراؤ بیگم نے انھیں گود لے لیا۔ غالب کو بھی اُن سے بہت محبت تھی۔ ۱۸۵۰ء کے آس پاس بیمار ہوئے۔ غالب نے حقیر کے نام ۱۸۵۱ء کے خط میں اُن کی بیماری کا جو حال لکھا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں تپ دق اور سِل کا مرض لاحق تھا۔ غالب لکھتے ہیں: "بھائی اس کو (عارف کو) ناگاہ رعاف ہوا۔ رعاف میں ناک سے لہو آتا ہے مگر اُس کو منہ سے لہو آیا۔ ناک سے تھوڑا تھوڑا، اور منہ کا کیا حال تھا گویا مشک کا دہانہ کھول دیا ہے۔ ایک ہفتے میں خدا جھوٹ نہ بلوائے آٹھ دس سیر خون نکلا، سیاہ اور بدبودار۔ توقع جینے کی باقی نہ رہی اور سب ناامید ہو گئے۔ بارے خدا نے بچا لیا۔" عارف کی صحت کچھ بہتر ہوئی لیکن مکمل صحت یاب نہیں ہوئے۔ آخر ۱۸۵۲ء میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی وفات پر غالب کو بہت صدمہ ہوا تھا۔ عارف احاطہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں نواب الٰہی بخش معروف کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ عارف کا شمار اردو کے اچھے شاعروں میں ہوتا ہے۔ پہلے وہ شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے اور پھر غالب سے اصلاح لی۔ غالباً مومن سے بھی مشورۂ سخن تھا۔ اولادِ جسمانی میں حسین علی خاں شاداں اور باقر علی خاں کامل دو بچے تھے۔ جن کی ابتدائی پرورش غالب نے کی۔ عارف کا دیوان ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس دیوان کا مخطوطہ بیگم حمیدہ سلطان کے پاس تھا جو ضائع ہو گیا۔ ایک مخطوطہ رضا لائبریری رام پور، دو ہندو یونیورسٹی بنارس میں اور ایک مخطوطہ سالار جنگ میوزیم لائبریری میں ہے۔

ملاحظہ ہوں: 'تلامذۂ غالب' ص ص ۲۱۸-۲۲۳ — خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ص ۶۳-۸۰ آثار الصنادید، ص ص ۸۹-۹۱ — گلدستۂ نازنینان، ص ص ۲۲۲-۲۲۴ — خم خانۂ جاوید جلد ۵ ص ص ۵۰۹-۵۱۷ — ارمغانِ گوکل پرشاد، ص ۵۹ — گلستانِ سخن جلد ۲ ص ص ۱۹۸-۲۰۰ — طبقات الشعرائے

ہند، ص ص ۱۰۱-۲۰۲-۴۰۲

۹۹۔ عباس شاہ، مرزا : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ بہادر شاہ ظفر کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد انھیں بھی گرفتار کر کے رنگون بھیجا گیا تھا۔ برطانوی حکومت نے شاہی قیدیوں میں سب سے پہلے ان ہی کو رہا کیا تھا۔ ۱۵ مارچ ۱۸۶۴ء کو ان کی رہائی کے احکامات جاری ہوئے۔ انھوں نے رنگون کے ایک تاجر محمد طاہر کی صاحبزادی سے شادی کر لی اور سسرال میں رہنے لگے۔ ۶ جولائی ۱۸۶۴ء کو انھیں پچیس روپے ماہوار پنشن ملنے لگی۔ انھوں نے پہلے خسر کی شرکت میں کاروبار کیا اور پھر پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہو گئے۔ غالباً رنگون ہی میں وفات پائی۔

ملاحظہ ہو :

Foreign Department Political B.No. 15-17 April 1868 N.A.I.

Foreign Department Political Desp to Secy. of State 16 Jan. 1866 No. 103

۱۰۰۔ عراقی ہمدانی، ابراہیم، ملقب بہ فخر الدین : غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ والد کا نام شہریار تھا۔ ۶۱۰ھ میں (دیگر ۶۰۶ھ) ہمدان کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ اچانک دنیا سے دل سرد ہو گیا اور یہ قلندروں کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ جب (غالباً ۶۱۷ھ میں) شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال تبریزی بغداد سے ہند کی طرف آ رہے تھے تو راستے میں کہیں اس گروہ سے شیخ زکریا کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے عراقی کی صلاحیتوں کو تاڑ لیا اور انھیں اپنی تربیت میں لے لیا۔ بعد میں اپنی دختر کا نکاح بھی ان سے کر دیا تھا۔ یہ شیخ کے جانشین بھی ہوئے لیکن دوسرے لوگوں کے حسد سے تنگ آ کر مکہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں سے ایشیائے کوچک آئے اور صدر الدین قونوی کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ یہاں انھوں نے اپنی کتاب "لمعات" تصنیف کی۔ وہاں سے مصر اور پھر دمشق گئے۔ دمشق میں ۶۸۸ھ میں انتقال ہوا۔ وہیں صالحیہ میں مدفون ہیں۔ ان کا کلیات بارہا طبع ہوا ہے اور کلام صوفیا میں بہت مقبول رہا ہے۔

ملاحظہ ہو: دولت سخنور، ص ص ۲۳۹-۲۴۱

۱۰۱ عرفی، سید محمد۔ جمال الدین لقب : غالب نے ان کا ذکر نواب کلب علی خاں، چودھری عبد الغفور سرور، مرزا ہرگوپال تفتہ اور علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ خواجہ زین العابدین

علی کے صاحبزادے تھے۔ شیراز میں تعلیم و تربیت حاصل کر کے ہندوستان آئے۔ پہلے فیضی اور ابوالفتح گیلانی سے توسل رہا۔ پھر اکبر بادشاہ کے دربار سے متوسل ہو گئے۔ ۹۹۹ھ میں لاہور میں عالمِ جوانی میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت چھتیس سال عمر تھی۔ کہتے ہیں کہ عرفی کو شہزادہ سلیم سے تعلق خاطر پیدا ہو گیا تھا۔ جب یہ راز کھلا تو انھیں زہر دے کر مار دیا گیا۔ ان کے قصائد اپنی شوکتِ بیان اور دقتِ مضامین کے لیے معروف ہیں۔ نظامی کی تقلید میں ایک خمسہ بھی لکھا تھا۔ تصوف میں ایک رسالہ "نفسیہ" ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو: دولتِ سخنور، ص ص ۲۴۲ - ۲۴۴ — میخانۂ حواشی، ص ۴۸

۱۰۲- عزت، مولوی غیاث الدین: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، شمس العلما مولوی ضیاء الدین خاں دہلوی۔ نواب انور الدولہ شفق اور چودھری عبدالغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ مولوی صاحب کے والد مولوی جلال الدین صاحبِ علم و فضل تھے۔ امیر مینائی نے لکھا ہے کہ مولوی غیاث الدین کا اڑسٹھ برس کی عمر میں ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۷ اکتوبر ۱۸۵۲ء میں انتقال ہوا۔ اگر وفات کے وقت ان کی عمر صحیح بتائی گئی ہے تو مولوی صاحب ۱۲۰۰ھ (مطابق ۱۷۸۶ / ۱۷۸۵ء) میں رام پور میں پیدا ہوئے ہوں گے۔

مولوی صاحب کو فارسی زبان اور ادب پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ علمِ طب کا بھی باقاعدہ مطالعہ کیا تھا۔ نواب کلب علی خاں مولوی صاحب کے شاگرد تھے اور غالباً اسی لیے سرکارِ رام پور سے اُن کا وظیفہ مقرر تھا۔ مولوی صاحب کی تصنیفات کی تعداد خاصی ہے۔ (۱) جواہر التحقیق (قلمی) (۲) آمدنامہ فارسی (قلمی) (۳) شرحِ گلستاں موسوم بہ بہارِ یاراں (قلمی) (۴) خلاصۃ الانشار (قلمی) (۵) قصہ شاہزادہ مہرنظیر و ملکہ ماہ منیر (تاریخی نام باغ و بہار) قلمی (شرح سکندر نامہ (قلمی) (۷) قصہ گل و گیندا دس جلدیں (قلمی) (۸) منتخب العلوم چالیس رسالوں کا مجموعہ (قلمی) یہ سب قلمی کتابیں بہ قول حافظ احمد علی خاں شوق، رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہیں۔ ان کے علاوہ شرحِ بدر چاچ۔ منشآتِ عزت، خطوط کا مجموعہ جسے مولوی صاحب کے صاحبزادے مولوی قمر الدین نے مرتب کیا۔ اس کا قلمی نسخہ بھی رضا لائبریری میں محفوظ ہے۔

ملاحظہ ہوں: یادگارِ انتخاب، ص ص ۲۲۸ - ۲۲۶ — تذکرہ کاملانِ رام پور، ص ص ۳۰۸ - ۳۰۵

۱۰۳- عطاء اللہ خاں، نواب: غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ سیف الدولہ میر غلام عباس کے والد تھے اور غالب کے دوستوں میں تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام

انقلاب کے بعد ان کی تمام جائداد ضبط ہوگئی تھی اور یہ اپنے صاحبزادے سیف الدولہ کے ساتھ دہلی سے دو چار کوس دور کسی گاؤں میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس دارو گیر میں ان کا کیا حشر ہوا۔ (دیکھیے حالات میر غلام عباس)

۱۰۴۔ علی اصغر خاں بہادر : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ رام پور میں رہتے تھے اور وہیں غالب سے اُن کی ملاقات ہوئی تھی۔ لوہارو خاندان سے ان کا کوئی رشتہ تھا۔ علی اصغر خاں سید جعفر علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران نواب یوسف علی خاں نے انھیں امروہے کا ناظم مقرر کر دیا تھا۔ اس حیثیت سے انھوں نے انقلابیوں کی کوششوں کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ۱۵ نومبر ۱۸۵۹ء کو فتح گڑھ میں لارڈ کیننگ، گورنر جنرل نے دربار کیا، جس میں ۱۸۵۷ء میں رام پور کے بعض لوگوں کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انھیں خلعت سے نواز گیا۔ علی اصغر خاں کو پانچ ہزار روپے کی قیمت کا خلعت دیا گیا۔

ملاحظہ ہو: اخبار الصنادید، جلد ۲، ص ص ۹۴-۹۹ اور ۱۴۵

۱۰۵۔ علی بخش خاں : غالب نے ان کا ذکر منشی نبی بخش خاں حقیر، علاء الدین احمد خاں علائی اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے نام غالب کے چار فارسی خطوط بھی ہیں جو پنج آہنگ میں شامل ہیں۔ پنج آہنگ کا دیباچہ بھی مرزا علی بخش خاں نے لکھا تھا۔ غالب نے پنج آہنگ کے آغاز میں لکھا ہے کہ انھوں نے آہنگِ اول مرزا علی بخش خاں کی فرمایش پر لکھا تھا۔ مرزا علی بخش خاں سے غالب کے دو رشتے تھے۔ ایک تو یہ نواب الٰہی بخش خاں معروف کے صاحبزادے اور غالب کی بیوی کے بھائی تھے اور دوسرے انھوں نے غالب کی سگی بہن چھوٹی خانم کی صاحبزادی امانی خانم سے شادی کی تھی۔ غالب نے شیفتہ کے نام ایک خط میں لکھا تھا: ''برادر بجاں برابر علی بخش خاں بہادر رنجور از جے پور آمدہ'' اس عبارت سے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوگئی کہ علی بخش خاں شاعر تھے اور ان کا تخلص رنجور تھا۔ پہلی بار قاضی عبدالودود نے یہ غلط فہمی دور کی اور بتایا کہ ''یہاں ''رنجور'' سے مراد ''بیمار'' ہے۔

علی بخش خاں کو پہلے احمد بخش خاں کی ریاست سے سات سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ ۱۸۲۷ء میں احمد بخش خاں مر گئے اور نواب شمس الدین خاں نے یہ وظیفہ گھٹا کر پچاس روپے کر دیا۔ جب ولیم فریزر کے قتل کے الزام میں نواب شمس الدین کو پھانسی ہوگئی اور جائداد ضبط کر لی گئی تو انگریزوں نے بھی پچاس روپے

جاری رکھے۔ غلام فخر الدین خاں جن کی غالب کے بھائی مرزا یوسف کی صاحبزادی عزیز النسا بیگم سے شادی ہوئی تھی، انھی کے صاحبزادے تھے۔ غالب نے مجروح کے نام ایک خط مورخہ یکم جنوری ۱۸۶۴ء میں علی بخش کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: "علی بخش خاں مدت سے بیمار تھے، رات کو بارہ پر دو بجے مر گئے۔"

ملاحظہ ہوں: جہانِ غالب، قاضی عبدالودود معاصر پٹنہ، حصہ ۴ ص ص ۳۱-۳۶۔ خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ۱۰۵۔ ذکرِ غالب ص ص ۲۸، ۴۴، ۱۴۳-۱۴۴ وغیرہ۔

۱۰۶۔ علی حسین خاں عرف اور نجم الدین احمد خاں نام تھا: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب امین الدین احمد خاں کے صاحبزادے اور اُن کی دوسری بیوی ملکہ بیگم شہزادی کے بطن سے تھے۔ گویا علائی کے سگے بھائی تھے۔ ان کا انتقال ۲۰ جنوری ۱۸۸۴ء کو ہوا ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

۱۰۷۔ علی محمد بیگ، مرزا: غالب نے ان کا ذکر علائی اور حکیم غلام نجف خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ حکیم غلام نجف خاں کے نام غالب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹونک میں تھے اور میر منشی عزیز اللہ خاں کے رشتہ داروں میں تھے۔

۱۰۸۔ غلام اللہ خاں، حکیم: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ حکیم محمود خاں کے بھائی حکیم غلام محمد خاں کے صاحبزادے اور حکیم اجمل خاں کے خسر تھے۔ حکیم غلام محمد خاں اور حکیم غلام اللہ خاں دونوں ریاست پٹیالہ سے وابستہ تھے۔

ملاحظہ ہو: حیاتِ اجمل، ص ۱۴۳

۱۰۹۔ غلام عباس، سیف الدولہ، میر: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور سجاد مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ میر غلام عباس مغل دربار سے وابستہ تھے اور وکیلِ شاہی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران اُن کی قلعے میں آمد و رفت تھی۔ نواب عطاء اللہ خاں کے لڑکے تھے۔ دہلی پر انگریزوں کے قبضے کے بعد ان کے مکانات قرق ہو گئے تھے۔ یہ دونوں دہلی چھوڑ کر دو چار کوس دُور کسی گاؤں میں مقیم ہو گئے تھے۔ نواب عطاء اللہ خاں غالب کے دوست تھے۔ (غالب کا خط بہ نام تفتہ مورخہ ستمبر ۱۸۵۸ء)

ملاحظہ ہوں: اٹھارہ سو ستاون ۔ اخبار اور دستاویزیں، ص ص ۳۰۲، ۳۹۶-۳۹۷ —— تاریخ عروجِ عہدِ سلطنتِ انگلشیہ ہند، ص ۹۰۴۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۱۳۷۔

۱۱۰۔ غلام محی الدین خاں، عرف بڈھے صاحب : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ بڈھے صاحب، نواب امیر خاں کے صاحبزادے اور نواب نظام الدین شاہ جی کے پوتے تھے۔ نظام الدین شاہ وہی ہیں، جو مہاراجا سندھیا کی طرف سے دہلی کے صوبہ دار تھے اور ان کے نام سے دلی میں شاہ جی کا چھتہ اور شاہ جی کا تالاب (موجودہ رام لیلا گراؤنڈ) مشہور ہے۔ انھیں ایک ہزار روپیہ ماہوار پنشن کلکٹری سے ملتا تھا۔ تین سو روپے ماہوار ریاست بھرت پور سے بہ طور وظیفہ ملتا تھا۔ پانچ سو روپے ماہوار کرایے کی جائداد تھی۔

۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران یہ مرزا مغل کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے۔ اس لیے انگریزوں نے دہلی فتح کرنے کے بعد ان کی تلاش شروع کی، یہ پہلے قدم شریف میں روپوش رہے۔ پھر بلم گڑھ چلے گئے اور وہاں سے گوالیار پہنچے۔ برطانوی سرکار نے انھیں معاف کرکے ان کی جائداد واگذار کردی تھی۔ ۱۸۶۲ء میں انھوں نے دہلی کی تمام جائداد فروخت کردی اور دہلی سے چلے گئے۔

ملاحظہ ہو : غدر کا نتیجہ، ص ص ۵۰۔۴۹

۱۱۱۔ غلام نصیر الدین عُرف کالے صاحب : غالب نے ان کا ذکر مولوی عزیز الدین، حکیم سید احمد حسن مودودی، نواب انور الدولہ شفق اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ مولانا قطب الدین کے صاحبزادے اور مولانا فخر الدین کے پوتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر اور بہت سے شہزادوں اور امرا کو اُن سے بہت عقیدت تھی۔ کالے صاحب نے ایک مغل شہزادی ملکہ بیگم سے شادی کی تھی۔ اُن سے ظفر کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ کالے صاحب کے صاحبزادے نظام الدین کی شادی ۱۶ مارچ ۱۸۴۹ء کو ہوئی اُس وقت شاہی خزانے میں روپیہ نہیں تھا۔ ظفر نے ایک ساہوکار سے سرکاری تمسک پر چار ہزار روپیہ قرض لے کر دیا، اور بادشاہ خود اس شادی میں شریک ہوئے۔ ۱۱ ستمبر ۱۸۴۹ء کو جب کالے صاحب کی بیوی کا انتقال ہوا تو شاہزادے اور بیگمات تعزیت کے لیے گئے۔ کالے صاحب نے حج بھی کیا۔ حج سے واپسی پر پاک پٹن گئے۔ کچھ دن وہاں قیام کرکے دہلی واپس آگئے۔ ۱۵ صفر ۱۲۶۳ھ مطابق ۲ فروری ۱۸۴۷ء کو اُن کا انتقال ہوا۔

غالب کے اُن سے بہت گہرے مراسم تھے۔ ۱۸۴۲ء میں جب قید سے رہا ہوکر آئے تو کالے صاحب انھیں اپنے گھر لے آئے۔ کالے صاحب کی وفات تک غالب اُنھی کے گھر میں رہے۔ اُن کی وفات کے بعد غالباً ان کے وارثین کو غالب کا وہاں رہنا پسند نہیں تھا۔ اس لیے غالب نے مکان بدل لیا۔ اس واقعے کے

بارے میں غالب نے ۴ مارچ ۱۸۵۲ء کے ایک فارسی خط میں تفتہ کو لکھا تھا: "بعد رحلت کالے صاحب در و دیوار آں کاشانہ بامن نساخت۔"

ملاحظہ ہوں: آثار الصنادید، باب چوتھا، ص ۲۱۔ سر طامس مٹکاف کی ڈائری ص ص ۱۰۱۔ ۲۹-۱۳۲ اور ۲۴۵۔ تاریخ اولیاء دہلی معروف بہ تحفۂ سعید، ص ص ۹۷-۹۶۔ باغِ دو در، ص ۱۶۱

۱۱۲۔ فخر الدین، مولانا : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور سید احمد حسن مودودی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے صاحبزادے تھے۔ ۱۱۲۶ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت حاصل کر کے فوج میں ملازم ہو گئے۔ دن کو فوجی کاموں میں مصروف رہتے اور رات کو عبادت کرتے۔ کچھ عرصے بعد ملازمت ترک کر دی۔ دہلی آ کر درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ یہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں اور شاہ ولی اللہ کے ہمعصر تھے۔ غالب کے دوست غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب، حضرت غلام قطب الدین کے صاحبزادے اور مولانا فخر الدین کے پوتے تھے۔ (دیکھیے حالات غلام نصیر الدین) مولانا فخر الدین کا ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ کو دہلی میں انتقال ہوا۔ قطب صاحب کے احاطے میں مسجد اولیا کی پشت پر مزار ہے۔

ملاحظہ ہوں: مناقبِ فخریہ، نواب نظام الدین خاں نظام۔ قواعدِ فخریہ (قلمی) عیوض علی، مملوکہ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ تاریخ مشائخ چشت، ص ص ۵۲۹-۴۶۰

۱۱۳۔ فرخ سیر، معین الدین : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مغل بادشاہ، جہاں دار شاہ کے بھتیجے تھے۔ سید برادران نے جہاں دار شاہ کو قتل کر کے فرخ سیر کو، ۷ ذی قعدہ ۱۱۲۴ھ کو تخت نشین کیا تھا۔ فرخ سیر ۱۰۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سید برادران کا جب فرخ سیر سے اختلاف ہوا تو انہوں نے ۱۱۳۱ھ میں فرخ سیر کو اندھا کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۳۱ھ کو انھیں قتل کرا دیا۔

۱۱۴۔ فردوسی، حسن ابن اسحٰق ابن شرف، ابوالقاسم کنیت : حکیم ابوالقاسم کے نام سے مشہور تھے۔ غالب نے ان کا ذکر مرزا حاتم علی بیگ مہر، چودھری عبدالغفور سرور، میاں داد خاں سیاح اور ضیاء الدین ضیا دہلوی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ طابرانِ طوس کے ایک قریے باژ میں ۳۲۹ھ کے آس پاس پیدا ہوئے۔ فردوسی کا شاہنامہ عالمی ادب میں عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ۳۷۰ھ میں شاہنامہ لکھنا شروع کیا جو ۴۰۰ھ میں مکمل ہوا۔ ۳۹۳ھ میں محمود غزنوی کے

دربار سے وابستہ ہوئے۔ اُن کا سنہ وفات ۱۰۹ھ سے ۱۰۱۶ھ تک مختلف سال بتائے جاتے ہیں۔

ملاحظہ ہوں: تاریخ ادبیات در ایران، ص ص ۴۴۸ - ۴۵۸ - تحقیقِ فردوسی و شاہنامہ، ص ص ۱۰ - ۳ - مقالات محمود شیرانی، جلد ۴

۱۱۵۔ فیضی، شیخ ابوالفیض : غالب نے ان کا ذکر غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ شیخ مبارک کے صاحبزادے تھے۔ ۹۵۴ھ میں ہندوستان کے ایک شہر ناگور میں پیدا ہوئے۔ بہت ذہین انسان تھے۔ چودہ سال کی عمر میں عروض و بدیع، تفسیر اور لغت پر مہارت حاصل کر لی تھی۔ ۹۷۴ھ میں جلال الدین اکبر کے دربار میں رسائی ہوئی اور ملک الشعرا کے خطاب سے نوازے گئے۔ ۱۰۰۳ھ میں ۴۹ سال کی عمر تھی کہ لاہور میں انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: دولیست سخنور، ص ص ۳۱۵ - ۳۱۶

قاسم، میر قاسم علی خاں : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، منشی نبی بخش حقیر اور مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب نے ان کے بارے میں تفتہ کو لکھا ہے: "یہ میرے بڑے دوست ہیں"۔ تفتہ کے نام غالب کے ایک اور خط سے پتا چلتا ہے کہ یہ ہاترس کے منصف تھے۔ "گلستانِ سخن" میں میر قاسم علی خاں قاسم کا ذکر ہے جو پانی پت کے منصف تھے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی بزرگ ہوں کیوں کہ ان کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ یہ آگرے میں بھی منصف رہے تھے۔ بہ قول آفاق حسین آفاق "بعد میں صدر امین کے عہدے پر فائز کر دیے گئے تھے" مہر نے "نعمت المسرت" میں ان کا ذکر اپنے قریبی دوست کی حیثیت سے کیا ہے اور انھیں امام بخش ناسخ کا شاگرد بتایا ہے۔ بعد میں یہ غالب کے شاگرد ہو گئے تھے۔ کیوں کہ غالب نے مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام خط میں انھیں بھی خط لکھا ہے، اور اُس میں کہا ہے: "اشعار بعد حک و اصلاح کے پہنچتے ہیں۔ یہ رتبہ میری ارزش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں"۔

ملاحظہ ہوں: "گلستانِ سخن"، جلد ۲ ص ۲۹۰ - نادراتِ غالب، حواشی ص ۱۲۲ - ارمغانِ گوکل پرشاد، ص ۶۹ (گوکل پرشاد نے لکھا ہے: "سید قاسم علی خاں پنجابی شرادہ لکھنؤ مولد، شاگرد ناسخ"، ممکن ہے یہ ان ہی قاسم کا ذکر ہو) مرزا حاتم علی مہر۔ تحقیق مزید، حنیف نقوی، "نیا دور" لکھنؤ، جنوری فروری ۱۹۸۲ء ص ۵۷

۱۱۷۔ قتیل، مرزا محمد حسن : غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، مجروح، شفق، نواب

کلب علی خاں فائق، تفتہ، مولوی ضیاء الدین خاں ضیا دہلوی وغیرہ کے خطوط میں کیا ہے۔ قتیل کا تعلق بٹالہ ضلع گورداس پور (پنجاب) کے ایک بھنڈاری خاندان سے ہے۔ قتیل کے والد درگاہی مل اور دادا رائے جی مل باغپت میں پیدا ہوئے۔ قتیل کی ولادت ۱۱۷۲ھ (۱۷۵۸ء، ۱۷۵۹ء) میں دہلی میں ہوئی۔ قتیل نے مسلمان ہوکر اپنا نام محمد حسن رکھ لیا۔ عام طور سے قتیل کا اصلی نام دلوالی سنگھ بتایا جاتا ہے، لیکن مالک رام صاحب کی تحقیق ہے کہ اصل نام دیوانی سنگھ تھا۔ ۳۱ جنوری ۱۸۱۷ء کو قتیل کا لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

مرزا قتیل، قاضی عبدالودود، معاصر، حصہ ۴، ص ص ۱۸۰ - ۱۷۱ — شمع انجمن، ص ۳۹۰ سفینہ ہندی، ص ۱۷۲ — ہفت تماشا، مرتبہ ڈاکٹر محمد عمر، ص ص ۲۷ - ۱۱۔

فسانۂ غالب، مالک رام، ص ص ۱۱۸ — ۱۲۲ — عقد ثریا ۶۴ قتیل کا وطن، سید اسد علی انوری، نگار، لکھنؤ، مئی ۱۹۴۲ء، ص ۱ — قتیل دہلوی تھا یا فرید آبادی، مختار الدین احمد، نقوش، ادب عالیہ نمبر، لاہور، ص ص ۷۰ - ۶۱۔

۱۱۸۔ قدسی، حاجی محمد جان: غالب نے ان کا ذکر چودھری عبدالغفور سرور، مرزا ہرگوپال تفتہ، علاء الدین احمد خاں علائی اور نواب انورالدولہ شفق کے نام خطوط میں کیا ہے۔ بقال پیشہ تھے۔ جب شاعری میں کچھ نام ہوا تو ہندوستان آئے۔ یہاں شاہجہاں بادشاہ نے اُن کی قدر و منزلت کی اور درباری شاعروں میں شامل کرلیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک قصیدے کے صلے میں شاہجہاں نے انھیں سونے میں تولا تھا۔ ۱۰۵۶ھ میں کشمیر میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

ملاحظہ ہو: دولت سخنور، ص ص ۳۲۵ - ۳۲۸

۱۱۹۔ قمرالدین عرف پیرجی: غالب نے ان کا ذکر شمشاد علی بیگ خاں رضوان، علاء الدین احمد خاں علائی، یوسف مرزا اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کا نام قمرالدین تھا اور پیرجی کے نام سے مشہور تھے۔ شعر گوئی کا بھی ذوق تھا۔ پیرجی ہی تخلص کرتے تھے۔ عبداللہ شاہ بشیر نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ "باشندہ دہلی، مدرس دہلی" ہیں۔ سری رام کا بیان ہے کہ غالب اور سالک کے شاگرد تھے۔ کتب فروشی اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء، ۱۸۸۰ء) میں انتقال کیا۔ رضوان کے نام غالب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ دن کے لیے پیرجی الور میں بھی رہے ہیں۔

ملاحظہ ہوں: خم خانۂ جاوید، جلد ۲، ص ص ۱۲ - ۱۳ — غالب اور تلامذۂ غالب — تذکرۂ بشیر

میں، اردو۔ کراچی، غالب نمبر ۱۹۶۹ء، ص ۲۳۴

۱۲۰۔ قمرالدین خاں، مولوی : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، مرزا حاتم علی بیگ مہر، منشی شیو نرائن آرام کے نام خطوں میں کیا ہے۔ یہ غالباً آگرے کے رہنے والے تھے۔ غالب کے خطوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ قمرالدین خاں الہ آباد میں میر منشی بھی رہے۔ ۱۸۴۰ء میں قمرالدین خاں نے آگرے سے "اسعدالاخبار" نامی ایک ہفت روزہ جاری کیا تھا۔ "معیار شعرا" کے بھی اڈیٹر تھے۔ ممکن ہے یہ وہی قمرالدین خاں ہوں جو غالب کے دوست تھے۔

۱۲۱۔ کلو : غالب نے ان کا ذکر کم سے کم گیارہ مکتوب الیہم کے نام خطوط میں کیا ہے۔ خطوط غالب میں پہلی بار ان کا ذکر منشی نبی بخش حقیر کے نام ایک خط مورخہ ۱۲ مئی ۱۸۵۲ء میں آیا ہے، اور اس خط میں غالب نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلو اُس وقت کم سن نہیں تھے۔ انھوں نے خاصی طویل عمر پائی تھی۔ جب تک غالب زندہ رہے اُن کی خدمت کرتے رہے۔ غالب کی وفات کے بعد نواب ضیاء الدین احمد خاں کے ہاں ملازم ہو گئے اور وہیں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو، آئینہ غالب، ص ۹، غالبیات، چند عنوانات، ص ص ۱۰، ۵

۱۲۲۔ کلیان : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، میر مہدی مجروح اور یوسف مرزا کے نام کے خطوط میں کیا ہے۔ یہ غالب کے ملازم تھے۔ ہندو تھے، کیونکہ غالب نے مجروح کے نام ایک خط میں لکھا ہے: "کلیان کے ہاتھ گنگا جلی دو۔" غالب کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بازار سے سودا سلف لانا اور ڈاک گھر کا کام ان کے ذمے تھا۔ غالباً بہت کم عرصے غالب کے ملازم رہے۔ ان کا ذکر پہلی بار مجروح کے نام ایک خط مورخہ ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء میں اور غالباً آخری بار مجروح کے نام ایک خط مورخہ مئی جون ۱۸۶۱ء میں آیا ہے۔

۱۲۳۔ کلیم، ابوطالب : غالب نے ان کا ذکر انورالدولہ شفق، چودھری عبدالغفور سرور اور علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ۱۰۲۸ھ اور ۱۰۳۰ھ کے درمیان ہندوستان آئے اور یہاں بیجاپور کے شاہ نواز خاں شیرازی سے وابستہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ایران واپس چلے گئے۔ دو سال بعد پھر ہندوستان آئے اور اس دفعہ ساری زندگی اس ملک میں گزار دی۔ شاہجہاں بادشاہ کے درباری شاعروں میں شامل ہوئے۔ بادشاہ نے ملک الشعرا کے خطاب سے نوازا تھا۔ ۱۰۴۴ھ میں جب شاہجہاں بادشاہ نے تخت طاؤس پر جلوس کیا تو انھوں نے بادشاہ کی مدح میں قصیدہ پڑھا۔ شاہجہاں نے خوش ہو کر انھیں روپوں میں تلوایا۔ جب کہ قآنی کو صرف

پانچ ہزار پانچ سو روپے ملے۔ ۱۰۶۱ھ میں کشمیر میں انتقال ہوا۔ قدسی، مشہدی اور سلیم تہرانی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ملاحظہ ہو: دولیت سخنور، ص ص ۳۳۹-۳۴۱۔ کلیم کی ہندوستان میں آمد، ڈاکٹر نذیر احمد، مقالاتِ منتخبہ، جلد ۱، لاہور، ۱۹۷۰ء

۱۲۴- لارنس، جان لیرڈ میر (John Laird Mair Lawrence): غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور منشی شیونرائن آرام کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ کرنل الگزینڈر لارنس کے چھٹے بیٹے اور ہنری لارنس کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۴ مارچ ۱۸۱۱ء کو یارک شائر میں پیدا ہوئے۔ ۹ فروری ۱۸۳۰ء کو کلکتے پہنچے، اور فورٹ ولیم کالج میں ملازمت کر لی۔ اس ملازمت کے دوران انھوں نے اردو اور فارسی میں مہارت حاصل کر لی حکومت سے خود درخواست کر کے دہلی آ گئے اور یہاں فرسٹ اسسٹنٹ مجسٹریٹ اور دہلی کے کلکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۸۳۴ء میں پانی پت میں پانی پت ڈویژن کے انچارج بنا کر بھیجے گئے۔ کچھ عرصہ پنجاب کے چیف کمشنر رہے۔ ۱۲ جون ۱۸۶۴ء سے ۱۲ جنوری ۱۸۶۹ء تک ہندوستان کے وائسرائے رہے۔ ۲۶ جون ۱۸۷۹ء کو لندن میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: Dictionary of National Biography Vol. 32, pp. 267-273

Dictionary of Indian Biography, pp. 246-247

۱۲۵- لیک، لارڈ گیررڈ (Gerard Lake): غالب نے ان کا ذکر منشی حبیب اللہ خاں ذکا، یوسف مرزا اور نواب علاء الدین خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ چارلس لیک کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۲۷ جولائی ۱۷۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۸۰۱ء کو لیک ہندوستان میں برطانوی فوج کے کمانڈران چیف اور ہندوستان میں کونسل کے دوسرے ممبر مقرر ہوئے۔ لیک نے برطانوی فوج کی تربیت پر بہت زور دیا ہندوستان میں مرہٹوں کی طاقت کو ختم کرنے میں لیک کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ جسے دوآبہ کہتے ہیں اور جس پر سندھیا نے قبضہ کر لیا تھا، لارڈ لیک کی کوششوں سے کمپنی بہادر کے تحت آیا۔ ۹ فروری ۱۸۰۷ء کو یہ انگلستان واپس گئے۔ ۲۰ فروری ۱۸۰۸ء کو وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

غالب کے چچا نصراللہ بیگ خاں مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کے گورنر تھے۔ جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے اکبرآباد پر حملہ کیا تو بغیر کسی مزاحمت کے نصراللہ بیگ خاں نے ہتھیار ڈال دیے اور قلعہ لارڈ لیک کے حوالے کر دیا۔ بعد کے کئی معرکوں میں نصراللہ بیگ خاں لارڈ لیک کے ہمراہ رہے۔ لارڈ لیک نے نصراللہ

بیگ کو انگریزی فوج میں شامل کر لیا۔ چار سو سوار کا رسالدار بنا کر سترہ سو روپے مہینا تنخواہ مقرر کر دی۔ نصراللہ بیگ نے ہلکر کے سپاہیوں کو شکست دے کر بھرت پور کے نواح میں سونک اور سونسا دو سیر حاصل پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ لارڈ لیک نے نصراللہ بیگ خاں کی بہادری کے اعتراف کے طور پر ان کو یہ دونوں پرگنے حینِ حیات متوری جاگیر میں دے دیے۔ بعد ۱۸۰۶ء میں ہاتھی پر سے گر کر نصراللہ بیگ خاں کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ لیک نے مرحوم کے خاندان کے لیے دس ہزار روپے سالانہ کی پنشن مقرر کر دی۔ غالبؔ کے حصے میں ساڑھے سات سو روپے سال آئے جو زندگی بھر اُنھیں ملتے رہے۔

ملاحظہ ہوں: Dictionary of National Biography Vol. 31, pp. 411-415

ذکرِ غالبؔ، پانچواں اڈیشن، ص ص ۳۲ ۔ ۳۱ ۔ نیز دیکھیے نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی درجِ ذیل دستاویز:

Foreign Political 28 Aug. 1837

۱۲۶۔ مادھورام : یہ اورنگ زیب کے عہد میں لطف اللہ خاں نائب صوبہ دار لاہور کے منشی تھے کچھ عرصے شاہزادہ جہاں دار شاہ کے ملازم رہے۔

ماثر الامرا، جلد ۳، ص ۱۷۱، ۱۷۵

۱۲۷۔ مائلؔ، میر عالم خاں سہسوانی : غالبؔ نے ان کا ذکر تفتہؔ، میر غلام بابا خاں بہادر، میر ابراہیم علی خاں وفاؔ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ان کے علاوہ میر مودود بخش۔ سہسوان کے رہنے والے تھے لیکن بڑودے میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ میر ابراہیم علی خاں وفاؔ ان کے رشتہ داروں میں تھے۔ مائلؔ کا بڑودے میں انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہوں: تلامذۂ غالبؔ، ص ۲۵۲ ۔ بزمِ سخن، ص ۱۰۲ ۔ طورِ کلیم، ص ۸۸

۱۲۸۔ متھرا داس : غالبؔ نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ دلی کے مشہور مہاجن تھے۔ بہادر شاہ ظفر سے قربت حاصل تھی۔ بغاوت کے دوران جن مہاجنوں نے شاہی وظیفہ داروں کی تنخواہوں کی ذمہ داری لی تھی، اُن میں متھرا داس بھی تھے۔ پھر بھی فوج کے افسران ان سے مزید روپیہ جبراً وصول کرتے تھے۔ جیون لال کے روزنامچے میں ۱۳ ستمبر کے واقعات میں ان کی گرفتاری کا ذکر ہے۔

ملاحظہ ہوں: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، ص ۲۰۲ ۔ دلی کا آخری سانس۔

۱۲۹۔ محمد افضل : غالب نے ان کا ذکر مجروح اور یوسف مرزا کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ ممتاز مصور تھے اور دہلی کے مصوروں کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان نے فنِ مصوری اُن ہی سے سیکھا تھا۔ انھوں نے غالب کی تصویر بھی کھینچی تھی۔ سرسید نے آثار الصنادید طبع اول کے لیے تاریخی عمارتوں کی تصاویر ان سے تیار کرائی تھیں جو اسی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے ان کا نام محمد فضل بتایا ہے اور لکھا ہے: "تمام عالم میں ان کے قلم کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔" مرزا فرحت اللہ بیگ اسی فن میں محمد افضل کے چھوٹے بھائی محمد عارف کے شاگرد تھے۔

ملاحظہ ہو : احوالِ غالب، ص ۲۲۳۔ اردو۔ اورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۱ء، ص ۲۴۹۔

۱۳۰۔ محمد بخش : ان کا ذکر غالب کے خطوط میں صرف ایک بار آیا ہے۔ غالب نے میر مہدی مجروح کو لکھا ہے: "اب محمد بخش اور بیرجی سے کہہ دوں گا۔ اگر کسی نے لا دیا تو ایک جلد سرفراز حسین کو بھیج دوں گا۔" بیرجی کتب فروش تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمد بخش کا بھی یہی پیشہ تھا۔

۱۳۱۔ محمد حسن، منشی : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ غالب کا بیان ہے کہ انھوں نے نصیر الدین حیدر کی مدح میں ایک قصیدہ منشی محمد حسن کو بھیجا تھا۔ روشن الدولہ کے توسط سے یہ قصیدہ نصیر الدین حیدر کی خدمت میں پیش ہوا۔ اودھ کی تاریخوں میں محمد حسن نامی صرف ایک شخص کا ذکر آیا ہے، جسے روشن الدولہ سے قربت حاصل تھی۔ پورا نام مرزا محمد حسن تھا اور یہ ایک طوائف کے بطن سے روشن الدولہ کے لڑکے تھے۔ ممکن ہے غالب انھیں مرزا محمد حسن کا حوالہ دے رہے ہوں۔ روشن الدولہ نے مرزا محمد حسن کو جنرل کے عہدے پر فائز کر دیا تھا۔

۱۳۲۔ محمد حسین تبریزی بن خلف التبریزی : غالب نے ان کا ذکر میاں داد خاں سیاح، مرزا ہرگوپال تفتہ اور علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ برہان ان کا تخلص تھا۔ "برہانِ قاطع" کے مولف ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی بالکل نہیں ملتے۔ ڈاکٹر محمد معین نے "برہان قاطع" چار جلدوں میں تہران سے چھاپی ہے۔ انھوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ باوجود کوشش کے ان کے حالات نہیں مل سکے۔ محمد حسین نے ۱۰۶۲ھ میں دکن میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں "برہان قاطع" مکمل کی تھی۔

۱۳۳۔ محمد علی بیگ : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں اس طرح کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علائی کے خاندان سے ان کا قریبی تعلق تھا۔ مرزا شمس الدین احمد خاں ناظم لوہارو

کے ایک مقالے میں مرزا محمد علی بیگ ناظم ریاست کا ذکر آیا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی بزرگ ہوں۔

ملاحظہ ہو: فخر الدولہ نواب مرزا علاء الدین احمد خاں بہادر علائی، مرزا شمس الدین احمد خاں، اردو۔ اورنگ آباد، جولائی ۱۹۴۴ء، ص ص ۳۰۹ - ۳۲۸

۱۳۴۔ محمد میر: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ میر روشن علی خاں فروغ کے پوتے اور امداد علی آشوب کے صاحبزادے تھے۔ غالب مجروح کے نام خط (مورخہ ۶ ستمبر ۱۸۶۲ء) میں ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آج صبح کو اسے دفن کر آئے"

۱۳۵۔ محمود خاں حکیم: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین خاں علائی، شہاب الدین احمد ثاقب اور مرزا ہرگوپال تفتہ اور غلام نجف خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے حکیم صادق علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ دہلی والے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد جب لوگ دہلی سے فرار ہوئے تو بہت سے لوگ اپنا قیمتی سامان حکیم محمود خاں کے پاس امانت رکھ گئے تھے۔ امن ہونے پر انھوں نے اپنی اپنی امانت واپس لے لی۔ حکیم محمود خاں کے بھائی غلام محمد خاں پٹیالے سے منسلک تھے۔ خود حکیم محمود خاں ریاست جیند (JIND) سے وابستہ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو نابھہ، پٹیالہ اور جیند کی فوجیں ساتھ تھیں۔ ان ریاستوں کے مہاراجاؤں نے برطانوی حکومت سے درخواست کی تھی کہ حکیم محمود خاں اور اُن کے خاندان کے افراد کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس لیے فتح دہلی کے بعد حکیم محمود خاں کے گھر پر پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود ۲ فروری ۱۸۵۸ء کو حکیم جی اور اُن کے گھر میں موجود ساٹھ دیگر افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ چند روز بعد حکیم محمود خاں، اُن کے سگے بھائی حکیم مرتضٰے خاں اور چچازاد بھائی حکیم عبد الحکیم خاں کو رہا کر دیا۔ بغاوت ۱۸۵۷ء میں غالب اسی خاندان کی وجہ سے محفوظ رہے۔ ۷۲ سال کی عمر میں ۱۸۹۲ء میں حکیم محمود خاں کا انتقال ہوا۔ حالی نے ان کا مرثیہ لکھا ہے جو اس موضوع پر اعلیٰ درجے کی نظم ہے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں انھی کے صاحبزادے تھے۔ حکیم محمود خاں کی تین تصنیفات بتائی جاتی ہیں (۱) ضیاء الابصار (۲) کارنامۂ عشرت اور (۳) قانونِ شریفی۔

ملاحظہ ہوں: دستنبو، ص ۳۲ — حیاتِ اجمل، ص ص ۱۲ - ۲۰ — کلیاتِ نثرِ حالی، جلد ۲، ص ۲۹ -

۱۳۶۔ محمود علی حکیم : غالب نے میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں محمود علی اور دوسرے خط میں حکیم محمود علی لکھا ہے۔ غالب کے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مجروح کے دوستوں یا عزیزوں میں تھے۔ مہاراجہ الور نے ایجنٹ سے اجازت لے کر انھیں اپنی ریاست الور میں بلا لیا تھا۔ غالباً ان کا پیشہ حکمت تھا۔

۱۳۷۔ محو، نواب غلام حسن خاں : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی اور میر مہدی مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب غلام حسین خاں مسرور کے صاحبزادے تھے۔ مسرور کی شادی نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی بنیادی بیگم سے ہوئی تھی۔ اس طرح غالب مسرور کے ہم زلف تھے مسرور نے دو شادیاں کی تھیں۔ دوسری بیوی کا نام سنگی بیگم تھا۔ بنیادی بیگم کے بطن سے زین العابدین خاں عارف اور غلام حیدر حسن خاں پیدا ہوئے تھے اور سنگی بیگم کے بطن سے چار لڑکے ہوئے۔ ان میں سب سے بڑے محو تھے۔ محو کے دادا نواب فیض اللہ بیگ خاں سہراب جنگ کے انتقال کے بعد برطانوی حکومت سے اُن کے پس ماندگان کو ایک ہزار روپیہ مہینا اور محو کے والد مسرور کو تین سو روپے ماہوار ملتے تھے مسرور کا اکتوبر نومبر ۱۸۵۶ء میں انتقال ہوا تو یہ دونوں پنشنیں بند ہوگئیں۔ لفٹنٹ گورنر (آگرہ) کی سفارش پر جون ۱۸۵۷ء میں برطانوی حکومت نے محو کی سو روپے مہینے کی پنشن مقرر کر دی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں یہ پنشن بند ہوگئی تھی۔ مجروح کے نام غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ فروری ۱۸۵۹ء میں یہ پنشن جاری ہوگئی۔ محو نے ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے واقعات پر "نصرت نامۂ گورنمنٹ" کے نام سے فارسی میں ایک کتاب لکھی تھی جس کی اردو تلخیص "غدر کا نتیجہ" کے نام سے خواجہ حسن نظامی نے شائع کی تھی۔ محو کو شطرنج کا بہت شوق تھا۔ شاعری میں پہلے ذوق اور پھر غالب کے شاگرد ہوئے۔

ملاحظہ ہو : غدر کا نتیجہ، ص ۶۔ تلامذۂ غالب ص ۲۵۸۔ گلستانِ سخن جلد ۱، ص ص ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ سخنِ شعراء، ص ص ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ خاندانِ لوہارو کے شعراء، ص ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ طورِ کلیم (مرتبہ) عطا کاکوی، ص ۱۱۰

۱۳۸۔ مرزا عباس شاہ : دیکھیے عباس شاہ مرزا۔

۱۳۹۔ مرزا قیصر : غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ظفر کے چچازاد بھائی تھے۔ انھیں حکومت نے ظفر کے ساتھ رنگون بھیجنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا، انھوں نے خود بادشاہ کے ساتھ رنگون جانے کی خواہش کی تھی لیکن سیاسی قیدیوں کا قافلہ جب الہ آباد پہنچا تو انھوں نے اپنا ارادہ بدل

دیا۔ ایک سرکاری دستاویز میں اُن کے بارے میں لکھا گیا ہے: "بالکل بے ضرر ہیں لیکن بہت دن تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہے ہیں۔ اِس لیے مناسب ہے کہ ان پر ذاتی نگرانی رکھی جائے یا جب تک ہندستان میں گڑبڑ ہے اُن پر نگاہ رکھی جائے۔"

ملاحظہ ہو: نیشنل آرکائوز آف انڈیا کی مندرجہ ذیل دستاویز:

Foreign Dept. 10 Dec. 1858 S. No. 52-125

۱۴۰۔ مرزا یوسف : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح اور نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ غالب کے چھوٹے بھائی تھے ۱۷۹۹ء کے آخر یا ۱۸۰۰ء کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ سپاہی پیشہ آدمی تھے اور بہ قول نواب آغا مرزا بیگ "افواجِ قاہرہ دولتِ آصفیہ میں نہایت مقتدر عہدے پر سرفراز تھے۔ کسی دشمن نے ایسا جادو کیا یا ایسی دوا کھلا دی کہ وہ مجنونِ محض ہو گئے اور تا وقتِ انتقال مجنون رہے۔" اُس وقت مرزا یوسف کی عمر تقریباً ۲۸ سال تھی ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں وہ سرس کی گلی میں رہتے تھے۔ اُن کی بیوی اور خاندان کے دوسرے افراد جے پور میں تھے۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج کے کچھ سپاہی مرزا یوسف کے گھر میں گھس گئے اور سارا ساز و سامان لوٹ کر لے گئے۔ مرزا یوسف اور اُن کے دو ملازموں (ایک بوڑھا مرد اور ایک بوڑھی عورت) کو کچھ نہ کہا۔ غالب نے "دستنبو" میں لکھا ہے کہ پانچ دن بخار میں مبتلا رہ کر ۱۹ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو مرزا یوسف انتقال کر گئے۔ لیکن معین الدین حسن خاں کا بیان ہے کہ "مرزا یوسف حالتِ جنون میں گھر سے باہر نکل کر ٹہل رہے تھے کہ کسی نے انھیں گولی مار دی۔" مرزا یوسف کو مسجد تھور خاں میں دفن کیا گیا تھا۔ اب اُن کی قبر کا پتا نہیں چلتا۔ غالب کی طرح مرزا یوسف کو بھی ساڑھے باسٹھ روپے ماہانہ پینشن ملتی تھی۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کی بیوی لاڈو بیگم کو یکم اکتوبر ۱۸۶۲ء سے بیس روپے ماہوار پینشن ملنے لگی۔ مرزا یوسف کی صرف ایک بیٹی عزیز النسا بیگم تھیں۔ اُن کی شادی غلام فخر الدین سے ہوئی تھی۔ فخر الدین مرزا علی بخش خاں کے بیٹے اور نواب الٰہی بخش خاں معروف کے پوتے تھے۔

ملاحظہ ہوں: فسانۂ غالب، ص ص ۵۱-۴۸۔ دستنبو (صد سالہ یادگار اڈیشن) ص ۲۳ اور ص ۲۷۔ خدنگِ غدر، ص ۴۸۔ کارنامۂ سروری، ص ۱۹۔ غالب اور شاہانِ تیموریہ، ص ص ۱۰۲-۱۰۱

۱۴۱۔ مشرف علی، شیخ : غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام صرف ایک خط میں کیا ہے۔ یہ بہ قول غالب کوچہ استاد حامد میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ میر مہدی مجروح نے شیخ مشرف علی کے ہاتھ غالب کو خط بھیجا تھا۔

۱۴۲ ۱۔ مظہر الحق، مولوی : غالب نے ان کا ذکر تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ظہور علی ظہور کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ظہور کا پیشہ درس و تدریس تھا اور سینکڑوں انگریز ان کے شاگرد تھے۔

مظہر الحق نے عربی، فارسی، انگریزی، ریاضی اور علم ہیئت میں دستگاہ حاصل کی تھی۔ نظم و نثر دونوں کے مرد میدان تھے۔ انھوں نے قصیدوں اور غزلوں کے علاوہ برج بھاشا میں ہولیاں اور ٹھمریاں کثرت سے لکھیں۔ سنسکرت کی صرف و نحو پر قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے علم ہیئت میں کچھ کتابیں لکھی تھیں اور انگریزی کی کچھ کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ریٹی گن جو دہلی میں جج تھے مظہر الحق کے شاگرد تھے۔ ان ہی کی ترغیب پر انھوں نے دو ہزار شاعروں پر مشتمل ایک تذکرہ لکھا تھا۔ ان میں سے چار سو شاعروں کے حالات انوار الحق نے لکھے تھے۔

مظہر الحق پہلے ریاست جھجر میں ملازم ہوئے ۱۸۶۴ء میں ریٹی گن کے منشی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ڈپٹی کمشنر گڑگاؤں کے پاس ملازم ہو گئے۔ پاٹودی میں کچھ عرصے تحصیلدار بھی رہے۔ منصفی کا امتحان پاس کیا تو چیف کمشنر دہلی نے اپنے پاس بلا لیا۔ ۱۲۸۶ھ اور ۱۳۰۱ھ کے درمیان انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تذکرہ مظہر العجائب اور مرزا غالب، مسلم ضیائی، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۳۹ - ۳۲ ۵ - یادداشت، قاضی عبدالودود، معاصر، حصہ ۱۷، ص ص ۱۰۴ - ۹۴

۱۴۳ ۱۔ مظہر علی، مولوی : غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور میر افضل علی میرن کے خسر یا سالے تھے۔

۱۴۴ ۱۔ معروف، مرزا الہی بخش خاں : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ معروف کے والد عارف جان اپنے دو بھائیوں قاسم جان اور عالم جان کے ساتھ بلخ سے لاہور آئے تھے۔ لاہور میں کچھ دن وہاں کے حاکم معین الملک عرف میر منو کے ملازم رہے۔ میر منو کی وفات کے بعد چندے بنگال میں شاہ عالم کے ساتھ ایک مہم میں شریک رہے اور پھر شاہ عالم کے ساتھ ہی دلی آ گئے۔ عارف جان کے چار لڑکے تھے۔ محمد علی خاں۔ نبی بخش خاں۔ نواب احمد بخش خاں اور نواب الہی بخش خاں معروف۔ الہی بخش خاں نے درویشی اختیار کر لی تھی۔ اردو کے اچھے شاعروں میں تھے بلکہ اس خاندان کے پہلے شاعر تھے۔ غالب کی بیوی امراؤ بیگم ان ہی کی صاحبزادی تھیں۔ معروف کی وفات ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔ ان کا دیوان شاہ عبدالحامد قادری بدایونی نے ۱۹۳۵ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع کیا تھا۔ معروف نے دو دیوان مرتب کیے تھے۔ ایک دیوان تو نظامی پریس سے

شائع ہوگیا۔ دوسرے دیوان کا مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ معروف کے دیوان کا ایک مخطوطہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری میں بھی ہے۔ یہ وہی دیوان ہے جو طبع ہو چکا ہے مطبوعہ دیوان میں رباعیات، قطعات اور ایک مثنوی زائد ہے۔

ملاحظہ ہوں: خاندانِ لوہارو کے شعرا، ص ص ۱۰۳ - ۱۰۹ ۔ نواب الٰہی بخش معروف، عبدالرزاق غالب نامہ نئی دلّی، جنوری، اپریل ۱۹۷۶ء، ص ص ۱۲۷ - ۱۴۷ ۔ گلستانِ سخن، جلد ۲، ص ص ۳۷۰ - ۳۷۳ دیوانِ معروف (قلمی) انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلّی۔ بہارِ بے خزاں، ص ۱۵۷

۱۴۵ ۔ مغربی محمد شیریں ملقب بہ شمس الدین: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ عزیز الدین کے صاحبزادے تھے ۷۴۹ھ میں تبریز کے قریب ایک گاؤں نائین میں پیدا ہوئے مگر تبریزی کہلاتے ہیں۔ زندگی کا بڑا حصہ شمال غربی افریقہ میں گذارا۔ کہتے ہیں کہ اسی لیے مغربی تخلص اختیار کیا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے مسلک کے پیرو تھے ۸۰۹ھ میں تبریز میں انتقال کیا۔ دیوانِ مغربی صوفیا میں بہت مقبول رہا ہے اور بار بار چھپا ہے۔

ملاحظہ ہو: دوبیست سخنور، ص ص ۳۹۷ - ۳۹۸

۱۴۶ ۔ مکرم حسین، سید: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اگر وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر تذکرہ بے بہا (ص ۳۴۷) میں ہے تو یہ ضلع علیگڈھ کے رہنے والے تھے۔ عالم فاضل تھے۔ کئی مذہبی کتابوں کے مصنف تھے۔ علم رجال میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء ۱۸۸۸ء) میں انتقال کیا۔

ملاحظہ ہو: تذکرہ بے بہا، ص ۳۴۷

۱۴۷ ۔ ملکہ معظمہ، کوئین وکٹوریہ، قیصرِ ہند: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، نواب یوسف علی خاں ناظم، نواب انور الدولہ شفق، نواب کلب علی خاں، شیو نرائن آرام، میر مہدی مجروح، مرزا یوسف علی خاں عزیز، مرزا حاتم علی بیگ مہر، یوسف مرزا اور مہاراجا سردار سنگھ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ ایڈورڈ ڈیوک آف کینٹ کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئیں۔ ۱۰ فروری ۱۸۴۰ء کو ان کی شادی پرنس البرٹ سے ہوئی۔ ولیم چہارم کی وفات کے بعد ۲۱ جون ۱۸۳۷ء کو برطانیہ اور آئرلینڈ کی ملکہ بنائی گئیں۔ ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو : مختصر حالاتِ شاہانِ انگلستان، ص ص ۸۲ - ۸۱

Life of Her Majesty Queen Victoria, pp 3-87

۱۴۸۔ ممنونؔ، میر نظام الدین : غالبؔ نے ان کا ذکر میر مہدی مجروحؔ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ممنونؔ فارسی اور اردو کے مشہور شاعر میر قمر الدین منتؔ کے صاحبزادے تھے۔ ان کا شمار بھی اپنے عہد کے بڑے شاعروں میں ہوتا تھا۔ میر قمر الدین منتؔ سونی پت کے رہنے والے تھے۔ ممنونؔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اکبر شاہ ثانی کو ممنونؔ سے تلمذ تھا۔ بعض نے اطلاع دی ہے کہ ممنونؔ بادشاہ کے زمرۂ شعرا میں شامل تھے۔ بادشاہ نے "فخر الشعرا" کے لقب سے نوازا تھا۔ حکیم قدرت اللہ قاسمؔ نے لکھا ہے کہ بادشاہ کی فرمائش پر ممنونؔ نے ایک منظوم قصہ لکھا تھا، جسے بادشاہ نے پسند کیا۔ مدت تک کوٹ قاسم کی فوج داری اور جنرل اختر لونی کے عہد میں تحصیل داری کے عہدے پر مامور رہے۔ اس کے بعد پرگنہ مگرہ کی پارے کاری کے عہدے پر مامور ہوئے۔ کافی عرصہ لکھنؤ میں رہے۔ بہ قول مرزا قادر بخش صابرؔ دہلوی "مدتِ مدید تک نواحِ اجمیر میں عہدۂ صدر الصدوری پر مامور رہا"۔ آخری عمر میں دہلی واپس آ گئے۔ سنہ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں انتقال کیا۔

ملاحظہ ہوں : صبح گلشن، ص ۴۵۴۔ گلستانِ سخن، جلد ۲، ص ۳۸۰۔ سراپا سخن، ص ۲۵۰۔ تذکرہ خوش معرکۂ زیبا، ص ص ۱۶۶-۷۰۔ تذکرہ قطعۂ منتخب، ص ص ۶۶-۶۵۔ سخنِ شعرا، ص ص ۴۵۵-۵۷۔ گلشنِ بےخار، ص ص ۱۸۷-۱۸۸۔ مجموعۂ نغز، جلد ۲، ص ۲۱۵-۲۱۴۔ گلِ رعنا، ص ص ۲۸۲-۲۷۸۔

مزید ملاحظہ ہوں : مطالعہ میر نظام الدین ممنونؔ۔ کلیاتِ ممنون (پہلی جلد، قصیدہ)

۱۴۹۔ من پھول، پنڈت : غالبؔ نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہؔ، خواجہ غلام غوث خاں بےخبرؔ اور منشی نول کشور کے نام خطوط میں کیا ہے۔

جنوری ۱۸۶۳ء میں من پھول لفٹنٹ گورنر کے میر منشی تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ گورنر پنجاب کے میر منشی اور پھر اکسٹرا اکمشنر رہے — ۱۸۶۵ء میں ایک سیاسی مشن وسط ایشیا میں بھیجا گیا تھا۔ پنڈت جی اُس کے سربراہ تھے۔ اس مشن میں مولوی محمد حسین آزادؔ اور دو افراد اور تھے۔ مشن کا مقصد وہاں کے سیاسی حالات پر رپورٹ پیش کرنا تھا۔ ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء کے دربارِ شہنشاہی کے موقع پر انھیں دیوان اور سی۔ آئی۔ ای کے خطابات ملے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد نے "نصیحت کا کرن پھول" نام سے تعلیم نسواں کے لیے ایک چھوٹا سا قصہ لکھا تھا۔ اس قصے کی تمہید میں محمد ابراہیم نے لکھا ہے: "اس کتاب کا مسودہ مجھے والد ماجد کے ایک بہت پرانے بستے میں ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۱۸۶۴ء میں لکھا تھا۔ پنڈت من پھول صاحب اس وقت جناب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کے میر منشی تھے۔ پنڈت صاحب مرحوم کے قلم کی ایک یادداشت مورخہ ۱۲ جون ۱۸۶۴ء مسودے کے آخر میں لگی ہوئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب الایمائے حکام وقت تعلیم نسواں کی ترقی کی غرض سے یہ کتاب لکھوائی گئی ہے۔"

ملاحظہ ہوں: محمد حسین آزاد۔ احوال و آثار، ص ۲۶ اور ۲۱۰ — انیسویں صدی میں وسط ایشیا کی سیاحت ص ۴۲۔ ۱۴۱ بحوالہ اردوئے معلّٰی، جلد ۲ مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، ص ۶ - ۱۱ — صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۲۱۷ نصیحت کا کرن پھول، تمہید۔

۱۵۰۔ منجھلے، حکیم: غالب نے حکیم منجھلے کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ حکیم منجھلے کے دادا حکیم بقاء اللہ اور والد حکیم ذکاء اللہ دہلی کے بہت مشہور حکیم تھے۔ حکیم منجھلے کا پورا نام حکیم حسام الدین اور عرف حکیم منجھلے تھا۔ انھوں نے بھی فن طب میں بڑی مہارت حاصل کی تھی۔ آنکھوں کے امراض کے خاص طور سے ماہر تھے۔

ملاحظہ ہوں: دلّی کی یادگار ہستیاں، ص ۱۹۱ — اطبائے عہد مغلیہ، ص ۶۳

۱۵۱۔ مومن، حکیم محمد مومن خاں: غالب نے مومن کا ذکر منشی نبی بخش حقیر، میر مہدی مجروح، جنون بریلوی، چودھری عبدالغفور سرور اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ مومن کے والد حکیم غلام نبی خاں طبابت کرتے تھے۔ ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ - ۱۸۲۶ء) میں ان کا انتقال ہوا۔ مومن ۱۸۰۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ مومن کو فارسی میں مہارت تھی۔ عربی پر بھی خاصی دسترس تھی۔ طب، علم نجوم و رمل کے ماہر تھے۔ موسیقی سے لگاؤ تھا۔ شاعری میں کچھ عرصے شاہ نصیر سے اصلاح لی۔ مئی ۱۸۵۲ء میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: مومن، کلب علی خاں فائق رام پوری، لاہور، ۱۹۶۱ء

۱۵۲۔ مہندر سنگھ: غالب نے ان کا ذکر صرف ایک بار علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مہاراجا نریندر سنگھ والی پٹیالہ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے اور جنوری ۱۸۶۳ء کو مسند نشین ہوئے۔ ۲۴ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ ماسٹر رام چندر۔ ان ہی کے اتالیق

تھے۔ مسند نشین ہونے کے بعد مہاراجانے ماسٹر رام چندر کو سررشتہ تعلیم پٹیالہ کا ڈائرکٹر مقرر کردیا۔
ملاحظہ ہو: تاریخ پٹیالہ۔

۱۵۳۔ میاں خاں: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں اس طرح کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علائی کے ملازم تھے۔

۱۵۴۔ میر بادشاہ: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ تفتہ کے دوستوں میں تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ غالب کی اُن سے شناسائی مرزا تفتہ کے توسط سے ہوئی تھی۔ تفتہ کے نام غالب کے خط مورخہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر بادشاہ اس زمانے میں سکندر آباد میں منصف تھے۔

۱۵۵۔ میر جان استاد: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب نے علائی کے نام ایک خط مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۱ء میں لکھا ہے کہ "استاد میر جان کو، اس راہ سے کہ میری پھوپھی ان کی چچی تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں، دعا۔ اور اس رو سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے، سلام۔ اور اس سبب سے کہ استاد کہلاتے ہیں، بندگی۔ اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں، درود۔" غالب کی تین سگی پھوپھیاں تھیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی پھوپھی استاد میر جان کی چچی ہوں۔ گویا غالب کا ان سے دور کا رشتہ ہوتا تھا۔ یہ غالب کے دوستوں میں تھے اور غالب کا ان سے ہنسی مذاق کا رشتہ تھا۔ میرا قیاس ہے کہ یہ علاء الدین احمد خاں علائی کے ملازموں میں تھے۔

۱۵۶۔ میر حسن: غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خط میں کیا ہے۔ ان کا اصل نام سید حسن موسوی تھا لیکن میر حسن کے نام سے مشہور تھے۔ یہ خوش نویس تھے اور دہلی میں مہابت خاں کی حویلی میں رہتے تھے۔ ممکن ہے یہ وہی بزرگ ہوں جو مجروح کے چچا تھے۔ انھوں نے غالب کا "کلیاتِ نثر" نقل کیا تھا، جو ۲۸ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۵ جولائی ۱۸۶۳ء کو مکمل ہوا۔ اس کلیاتِ نثر میں "پنج آہنگ"، "مہر نیم روز" اور "دستنبو" شامل ہیں اور یہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں محفوظ ہے۔

ملاحظہ ہوں: اردوئے معلّٰی (جلد ۱) مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل، ص ص ۱۱۰ - ۳۰۹ اور ص ۳۲۶ دیوانِ مجروح کا دیباچہ۔

۱۵۷۔ میرؔ، میر تقی : میرؔ ۱۷۲۳ء کے آس پاس اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ تقریباً ۹۰ برس کی عمر پائی۔ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کے والد میر محمد علی کا انتقال ہو گیا۔ کم سنی میں انھیں تلاش معاش میں دہلی آنا پڑا۔ یہاں خواجہ محمد باسط کے توسط سے صمصام الدولہ امیر الامرا تک رسائی ہو گئی۔ جن کی سرکار سے ایک روپیہ روز میرؔ کو ملنے لگا۔ دہلی پر نادر شاہ کے حملے کے بعد میرؔ اپنے وطن اکبر آباد واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر دہلی آئے اور اس دفعہ اپنے ماموں خان آرزو کے ساتھ قیام کیا۔ کچھ عرصہ بعد خان آرزو سے اَن بَن ہو گئی۔ اسی زمانے میں میرؔ پر دیوانگی کے دورے پڑنے لگے۔ کچھ عرصے بعد صحت یاب ہو گئے۔ وہ رعایت خاں اور جاوید خاں نواب بہادر صفدر جنگ اور احمد شاہ بادشاہ راجا ناگر مل وغیرہ سے متوسل رہے۔ آخر میں وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر آصف الملک کی دعوت پر میرؔ لکھنؤ چلے گئے اور وہیں ۲۱ ستمبر ۱۸۱۰ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو : میر تقی میرؔ، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، علیگڈھ، ۱۹۵۴ء

۱۵۸۔ میکلوڈ، سر ڈانلڈ فریل (Sir Donald Friell) : غالبؔ نے ان کا ذکر منشی شیو نرائن آرامؔ اور میر مہدی مجروحؔ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ لفٹنٹ جنرل ڈنکن میکلوڈ کے صاحبزادے تھے۔ ۶ مئی ۱۸۱۰ء کو کلکتے میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۱۴ء میں انھیں انگلستان میں دادا کے پاس بھیج دیا گیا۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۲۶ء کو کلکتہ واپس آئے اور بنگال میں سول سروس میں ملازمت کر لی۔ مختلف عہدوں سے ترقی کرتے کرتے بنارس کے مجسٹریٹ اور کلکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۹ء میں جالندھر کے کمشنر مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۴ء میں پنجاب کے فنانشل کمشنر مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۵ء میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۸۷۰ء میں ریٹائر ہو کر انگلستان واپس چلے گئے۔ ۲۸ نومبر ۱۸۷۲ء کو وہیں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : Dictionary of National Biography, Vol. 35, pp. 212-113

۱۵۹۔ مینڈھو لال : غالبؔ نے ان کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہؔ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ غالبؔ کے ایک شاگرد جانی بہاری لال رندؔ (دیکھیے حالاتِ رندؔ) دربار بھرت پور میں وکیل تھے۔ انھوں نے اپنا اور غالبؔ کا دیوان راجا جے پور کو بھیجا تھا۔ مینڈھو لال نامی ایک شخص نے مہاراجا بھرت پور سے شکایت کی کہ رندؔ نے اپنا اور غالبؔ کا دیوان راجا جے پور کو بھیجا ہے۔ اور رندؔ جے پور میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غالبؔ نے ۔۱۰ [illegible] تفتہؔ کے نام خط مورخہ ۶ اپریل ۱۸۵۳ء میں لکھا ہے۔

۱۶۰۔ میور، سرولیم (Sir Willian Muir) : غالب نے ان کا ذکر خواجہ غلام غوث خاں بے خبر، منشی شیو نرائن آرام، مرزا حاتم علی بیگ مہر اور نواب علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ میور، ۲۷ اپریل ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۷ء میں بنگال سول سروس میں ان کا تقرر ہوا۔ ۱۸۵۲ء میں حکومت صوبہ شمال مغربی کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران آگرے میں انٹیلیجنس ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ تھے۔ ۱۸۶۸ء سے ۱۸۷۴ء تک صوبہ شمال کے لفٹنٹ گورنر رہے۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۳ء تک انگلینڈ میں اڈنبرگ یونیورسٹی کے پرنسپل اور وائس چانسلر رہے۔ ۱۱ جولائی ۱۹۰۵ء کو انتقال ہوا۔ ولیم میور کو اسلامیات میں بہت دل چسپی تھی۔ اس موضوع پر انھوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ سب سے زیادہ شہرت سیرت کی کتاب "لائف آف محمد" کو ہوئی جس کا جواب لکھنے کے لیے سر سید احمد خاں نے لندن کا سفر کیا تھا اور آخر مدلل جواب لکھ کر اردو اور انگریزی میں چھپوایا بھی تھا۔

ملاحظہ ہو : Dictionary of Indian Biography, pp. 303-304

۱۶۱۔ ناسخ، شیخ امام بخش : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام بعض خطوط میں کیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ناسخ کو خدا بخش کا بیٹا، بعض نے متبنیٰ اور بعض نے فرزند صلبی لکھا ہے۔ ناسخ کی ولادت ہفتم محرم ۱۱۸۶ھ کو فیض آباد میں ہوئی۔ سن تمیز کو پہنچے تو لکھنؤ آگئے۔ ورزش اور کسرت کا بہت شوق تھا۔ حافظ وارث علی اور مرزا مغل سے مروجہ علوم حاصل کیے۔ بیس سال کی عمر میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور اس فن میں کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ ۲۴ جمادی الاول ۱۲۵۴ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو : ناسخ۔ تجزیہ و تنقید

۱۶۲۔ ناصر الدین، میر : غالب نے علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ میر ناصر الدین، سید ظہیر الدین حسین خاں ظہیر دہلوی مصنف "داستانِ غدر" کے خسر اور نواب امیر مرزا خاں کے خالو زاد بھائی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے دوران انھوں نے تین انگریز عورتوں کو گھر میں چھپا رکھا تھا۔ جب دہلی میں انگریزی فوج داخل ہوئی تو سپاہیوں نے اس خاندان کو تنگ کرنا شروع کیا۔ خبر مشہور ہوئی کہ جنرل صاحب نے جامع مسجد میں ڈیرا لگایا ہے۔ انگریز عورتیں میر ناصر الدین کو اپنے ساتھ لے کر جامع مسجد چلی گئیں اور یہ کہ گئیں کہ ہم جنرل صاحب سے سرٹیفکٹ لے کر

ابھی آتے ہیں، پھر کوئی پریشان نہیں کرے گا۔ لیکن وہ عورتیں واپس آئیں نہ میر ناصر الدین کیوں کہ ناصر الدین کو گولی مار دی گئی تھی۔

ملاحظہ ہو: داستانِ غدر، ۱۱۷۔ ۱۱۶۔ ص ۱۲۶۔

۱۶۳۔ نامی، عطاء اللہ خاں: غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں ان کا ذکر کیا ہے اور حقیر کے نام ایک خط میں لکھا ہے: "اجی پیر و مرشد! یہ نثر جس کو آپ نے خط تعبیر کیا ہے اور واقعی کہ وہ خط ہے، مگر "مینا بازار" کے برابر یا آدھی "پنج آہنگ" کے برابر۔ آپ اس کے کاتب کا نام عنایت اللہ خاں لکھتے ہیں۔ کہیں سہو نہ ہوا ہو۔ عطاء اللہ خاں صاحب ایک بزرگ وہاں ہیں، شاید اُن کی تحریر ہو۔"

میری نظر سے نامی کا ذکر صرف "ارمغانِ گوکل پرشاد" میں گزرا ہے اور اس میں بھی صرف نام اور تخلص دیا گیا ہے۔ نامی کی ایک فارسی مثنوی "شمشیرِ عشق" ہارڈنگ لائبریری دہلی میں محفوظ ہے۔ یہ مثنوی ۱۲۷۰ھ میں مطبع چشمۂ فیض سے ۶×۹ سائز پر شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے صفحہ ۴ پر بتایا گیا ہے کہ یہ مثنوی شیخ محمد افضل ابن مولوی شیخ محمد لطف علی برادر شیخ محمد مومن علی خاں صدر الصدور کی فرمائش پر لکھی گئی۔

ملاحظہ ہوں: ارمغانِ گوکل پرشاد، ص ۸۸۔ مثنوی "شمشیرِ عشق"

۱۶۴۔ نریندر سنگھ، مہاراجہ: غالب نے ان کا ذکر علاء الدین خاں علائی اور مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ نریندر سنگھ پٹیالہ کے مہاراجا تھے۔ ۱۸ جنوری ۱۸۴۶ء کو اکیس برس کی عمر میں مسند نشین ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو ناکام بنانے میں انھوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی۔ حکیم محمود خاں اور اس خاندان کے کچھ اور حکیم مہاراجا پٹیالہ کے ملازم تھے۔ اردو ادب پر مہاراجہ نریندر سنگھ کا احسان یہ ہے کہ اُن کی وجہ سے ۱۸۵۷ء میں غالب کی جان بچی۔ بہ قول غالب مہاراجہ نے انگریزوں سے یہ عہد لے لیا تھا کہ دہلی فتح ہونے کے بعد حکیموں کے اس خاندان کی حفاظت کی جائے گی۔ چنانچہ دہلی فتح ہوتے ہی مہاراجا کے سپاہی اس محلّے میں آبیٹھے۔ چوں کہ غالب بھی اسی محلّے میں رہتے تھے، اس لیے اُن کی بھی جان بچ گئی۔ غلام نجف خاں کے نام غالب کے ایک خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراجا پٹیالہ نے غالب کو بلایا یا خود غالب نے پٹیالہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن بعد میں اپنا ارادہ بدل دیا۔ دہلی میں بیگم زینت محل کا مکان برطانوی سرکار نے ضبط کر لیا تھا۔ ۱۸۵۸ء میں مہاراجہ پٹیالہ کی خدمات

کے صلے میں بہت کچھ دیا گیا۔ یہ مکان بھی مہاراجا کو دیا گیا تھا۔ ۱۳ نومبر ۱۸۶۲ء کو مہاراجہ کا انتقال ہو گیا۔

ملاحظہ ہو : تاریخ پٹیالہ۔

۱۶۵۔ نصیر الدین حیدر، مرزا۔ عرف مرزا علی حیدر : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ اور علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ غازی الدین حیدر شاہِ اودھ کے صاحبزادے تھے۔ ۹ ستمبر ۱۸۰۳ء کو صبح دولت المخاطب بہ نواب ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوئے۔ پچیس سال کی عمر میں ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو مسند نشین ہوئے۔ ۸ جولائی ۱۸۳۷ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : تاریخِ اودھ، جلد ۴، ص ص ۲۱۱ - ۲۱۲ اور ص ۴۱۳۔

۱۶۶۔ نصیر الدین، میر : غالب نے ان کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام خطوں میں کیا ہے۔ اُن کے بارے میں خود غالب نے لکھا ہے کہ "میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں شاہ محمد اعظم صاحب کے۔ وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مُرید ہوں اس خاندان کا"۔ یہ مجروح کے دوستوں میں تھے۔

۱۶۷۔ نظامی گنجوی، حکیم جمال الدین ابو محمد الیاس بن یوسف بن زکی بن مُوید : غالب نے ان کا ذکر تفتہ اور قدر بلگرامی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ ۵۳۵ھ کے آس پاس گنجہ میں پیدا ہوئے۔ ساری زندگی گنجہ ہی میں رہے۔ ایک بار اتابک قزل ارسلان کی فرمایش پر تبریز کا سفر کیا تھا۔ اپنے زمانے کے مروجہ علوم طب، نجوم، ادب، بلاغت وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ آذربائیجان اور شروان کے حکمرانوں سے ان کا ربط تھا۔ ان کا ایک دیوان بھی تھا لیکن اب اس کا صرف ایک حصہ ملتا ہے۔ مگر ان کی شہرت خمسہ نظامی کی وجہ سے ہوئی۔ یہ مثنویاں اتنی مشہور ہوئیں کہ ان کا جواب جامی، وحشی، خواجو اور امیر خسرو نے بھی لکھا۔ خمسہ میں ۲۸ ہزار اشعار ہیں اور یہ مخزن الاسرار، لیلیٰ و مجنوں، خسرو شیریں، ہفت پیکر یا بہرام نامہ اور اسکندر نامہ کے نام سے معروف ہیں۔ ۶۱۴ھ یا ۶۰۲ھ میں انتقال ہوا۔ گنجہ میں مدفون ہیں۔

ملاحظہ ہو : تاریخِ ادبیات در ایران، جلد ۲، ص ص ۷۹۸۔ مقالاتِ حافظ محمود شیرانی، جلد ۴، ص ص ۴۲۱ - ۳۶۷۔ تذکرۃ الشعرا، ص ص ۱۳۱ - ۱۳۸۔

۱۶۸۔ نظیری، محمد حسین : غالب نے ان کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی، مرزا ہرگوپال تفتہ اور چودھری عبد الغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ نیشاپور میں ولادت ہوئی۔ ان کے خاندان کے

افراد تجارت کرتے تھے۔ نظیری نے آغازِ جوانی میں شعر گوئی کا آغاز کیا اور بہت جلد پورے ایران میں مشہور ہو گئے۔ کچھ دن کاشان اور آذر بائیجان میں رہ کر ہندوستان آئے۔ یہاں عبدالرحیم خانخاناں، اکبر اور جہانگیر نے اُن کی بہت توقیر کی۔ جہانگیر نے ایک غزل کے صلے میں بہت بڑی جاگیر انعام میں دی۔ ۱۰۲۱ھ میں احمد آباد (گجرات) میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ دیوان ہندوستان میں بہت مقبول رہا ہے۔ اور متعدد بار چھپا ہے۔

ملاحظہ ہو: دولیست سخنور، ص ص ۴۴۰-۴۴۲-

۱۶۹۔ نعیم بیگ، مرزا: غالب نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ مرزا کریم بیگ کے صاحبزادے تھے۔ غالباً لوہارو کے رہنے والے تھے دسمبر ۱۸۶۵ء میں جب غالب رام پور میں تھے تو یہ بھی وہیں تھے۔

۱۷۰۔ نورالدین، خواجہ: غالب نے میر مہدی مجروح کے نام ایک خط مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ء میں لکھا ہے: "پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان مع اپنی بی بی بچوں کے دلّی میں آیا۔ کل رات کو اس کا نو برس کا بیٹا ہیضہ کر کے مر گیا۔" اس بچے کا نام خواجہ نورالدین تھا۔ خواجہ مرزا سے مراد خواجہ قمرالدین خاں ہے۔ غالب کے خط کے مطابق اس بچے کا انتقال ۲۴ جولائی ۱۸۶۱ء کو ہوا۔

ملاحظہ ہو: خواجہ امان مرحوم، فرحت اللہ بیگ 'اردو۔ اورنگ آباد' اپریل ۱۹۳۱ء ص ۲۶۱

۱۷۱۔ نہال چند، دیوان: غالب نے ان کا ذکر مجروح کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ پٹیالے کے مہاراج نریندر سنگھ کے اہل کاروں میں تھے۔ جب ۱۸۵۷ء میں دھول پور میں انقلابیوں نے ہنگامہ کیا تو دو ہزار فوج اور دو توپوں کے ساتھ دیوان نہال چند اور دیوان جگدیش سنگھ کو ہنگامہ فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو ناکام بنانے کے صلے میں انھیں مہاراج نے خلعت دی تھی۔ انھیں اور سردار گھمنڈ سنگھ کو پرگنہ نارنول میں تقریباً نو ہزار روپے کی آمدنی کے گیارہ گاؤں بھی بطور جاگیر دیے تھے۔ غالب نے انھیں دیوان لکھا ہے، جبکہ تاریخ پٹیالہ میں ہر جگہ اُن کا ذکر اہل کار کی حیثیت سے آیا ہے۔

ملاحظہ ہو: تاریخ پٹیالہ، ص ۳۵۰۔ ص ۳۸۷۔ ص ۴۱۸

۱۷۲۔ نیاز علی: غالب نے ان کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب کے ایک ملازم مداری خاں تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا تو غالب نے اُن کے بیوی بچوں کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ نیاز علی ان ہی مداری کا بیٹا تھا۔ غالب نے ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں رام پور

سے علائی کو لکھا تھا کہ "کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میرے پاس ہیں۔" اس کا مطلب ہے کہ ۱۸۶۵ء میں نیاز علی اتنے کم عمر تھے کہ غالب نے انھیں لڑکا لکھا۔

۱۷۳۔ واجد علی شاہ : غالب نے ان کا ذکر یوسف مرزا، علاء الدین احمد خاں علائی اور چودھری عبدالغفور سرور کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ شاہ اودھ امجد علی شاہ کے صاحبزادے تھے۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۸۲۳ء کو ولادت ہوئی۔ ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کو تخت نشین ہوئے۔ تخت نشینی کے بعد انھوں نے حکومت کے نظم و نسق میں دلچسپی لینی شروع کی۔ فوج کی تربیت پر زور دیا۔ برطانوی ریذیڈنٹ کو یہ باتیں پسند نہیں آئیں۔ مجبوراً عیش و عشرت میں ڈوب گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت بد انتظامی کا شکار ہو گئی۔ فروری ۱۸۵۶ء میں کمپنی بہادر نے واجد علی شاہ کو بے دخل کر کے اودھ پر قبضہ کر لیا اور پندرہ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ واجد علی شاہ بے بس اور مجبور تھے۔ ۳ مارچ ۱۸۵۶ء کو کلکتے کے لیے روانہ ہو گئے۔ ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷ء کو وہیں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : تاریخ اودھ، جلد ۵، ص ص ۴۶ ۔ ۴۷ ۔ ۲۸۲ ۔ ۲۸۱

۱۷۴۔ واقف، نورالعین : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، چودھری عبدالغفور سرور اور خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ قاضی امانت اللہ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ اس خاندان کے افراد محمد شاہی عہد تک پرگنہ بٹالہ کے قاضی رہے۔ خوش گو نے لکھا ہے کہ "جب واقف کے اشعار کی شہرت دارالخلافہ پہنچی تو میں اُن سے ملاقات کے لیے خود بٹالہ پہنچا۔ ڈیڑھ سال تک اُن کے دیوان خانے میں قیام کیا۔" یہ وہ زمانہ تھا جب نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔ بہ قول خوش گو، میر محمد معصوم کے شاگرد تھے اور بہ قول بھگوان داس ہندی، واقف خود کہتے تھے کہ انھیں بندرابن خوش گو اور آفرین لاہوری سے تلمذ رہا ہے۔ مصحفی نے ۱۱۹۹ھ میں لکھا ہے کہ واقف کی عمر تقریباً سو سال ہو گی۔

ملاحظہ ہوں : تذکرۂ شعرائے پنجاب، ص ص ۳۸۸ ۔ ۳۸۲ ۔ تذکرہ مردم دیدہ، ص ۱۱۶ ۔ ۱۱۴ ۔ تذکرۂ ہندی، ص ص ۲۳ ۔ ۲۳۱ ۔ عقد ثریا، ص ۶۰

۱۷۵۔ وجیہ الزماں، مولوی : غالب نے ان کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ ان کے والد کا نام شیخ منعم الزماں خاں تھا۔ قصبۂ فرخ آباد عرف چلاواں ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ آگرہ ہائی کورٹ میں بہت عرصے تک سررشتہ دار رہے۔ نواب

سید محمد سعید خاں کے زمانے میں ریاست رام پور کی طرف سے پالیٹیکل ایجنٹ کے سفیر مقرر ہوئے بشت ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب میں انگریزوں کی مدد کرنے کے صلے میں ۱۵ نومبر ۱۸۵۹ء کو دو ہزار روپے کا خلعت ملا۔ ان کے بھائی اور بھتیجے بغاوت کے جرم میں ماخوذ تھے، مگر ان کی وجہ سے اُن کی جاں بخشی ہوئی۔ ۲۷ برس کی عمر میں ۹ جولائی ۱۸۷۲ء کو رام پور میں انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: تذکرہ کاملان رام پور، ص ۴۳۹ - اخبار الصنادید، جلد ۲، ص ۱۰۹

۱۷۶۔ وزیر علی خانساماں، خواجہ محمد: غالب نے ان کا ذکر علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی اولاد میں سے تھے۔ ریاست رام پور میں داروغہ توشہ خانہ تھے۔ یکم مئی ۱۸۶۲ء کو انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو: اخبار الصنادید، جلد ۲، ص ۱۴۱

۱۷۷۔ وزیر علی، میر: غالب نے میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ رام پور میں رہتے تھے اور میر احمد حسین میکش کے رشتہ داروں میں تھے۔

۱۷۸۔ ہاشم علی خاں: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام خط میں صرف ایک بار کیا ہے۔ غالب نے لکھا ہے کہ "رند نے لکھا ہے کہ میرا اصلاح شدہ کلام آگرے میں ہاشم علی خاں کو بھیج دو" ہاشم علی خاں کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ میرا قیاس ہے کہ وہ کوئی غیر معروف آدمی تھے۔

۱۷۹۔ ہر دیو سنگھ: غالب نے ان کا ذکر تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب نے مہاراجا بینکٹھ باشی والیِ جے پور کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اپنا دیوان اردو دیوان جانی بہاری لال راضی کو بھیجا تھا۔ راضی نے ہر دیو سنگھ کے توسط سے یہ دیوان جے پور بھیجا۔

۱۸۰۔ ہنری اسٹورٹ ریڈ: غالب نے ان کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہ اور منشی شیو نرائن آرام کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم تھے۔ ایک دفعہ غالب کی اُن سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔

ریڈ نے غالب سے فرمایش کی تھی کہ وہ طالب علموں کے لیے قصوں اور حکایتوں پر مشتمل ایک اردو نثر کی کتاب لکھیں۔

۱۸۱۔ یوسف الدین حیدر، مظفر الدولہ ناصر الملک: غالب نے ان کا ذکر یوسف مرزا

اور مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ نواب حسام الدین حیدر خاں کے بڑے صاحبزادے اور ناظر حسین مرزا کے بھائی تھے۔ غالب کے شاگرد یوسف مرزا ان کے سگے بھانجے تھے مظفر الدولہ اور ناظر حسین مرزا ہنگامۂ بغاوت کے بعد دہلی سے فرار ہو گئے تھے۔ مظفر الدولہ الور سے گرفتار کر کے گوڑ گاؤں لائے گئے اور وہیں گوڑ گاؤں کے کلکٹر فورٹ کے حکم سے انھیں گولی مار دی گئی۔

ملاحظہ ہو: غدر کا نتیجہ، ص ص ۴۹۔ ۵۰

کتابیں اور اخبار

۱۸۲۔ اسعد الاخبار : غالب نے اس اخبار کا ذکر مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ۱۸۴۹ء میں اس کے اڈیٹر قمر الدین خاں تھے۔ یہ وہی قمر الدین خاں ہیں جو "معیار شعرا" کے بھی اڈیٹر رہے تھے۔ اس سال تعداد اشاعت ۲۰ اتھی اور یہ مطبع اسعد الاخبار میں چھپتا تھا۔ ۱۸۵۰ء میں اس کی تعداد اشاعت ۱۲۵ ہو گئی۔ ۱۸۵۱ء میں صرف ۱۷، ۱۸۵۲ء میں ۸۵، ۱۸۵۳ء میں ۴۴ رہ گئی اور ۱۸۵۴ء میں ٦۴ ہو گئی۔ ۷ مئی ۱۸۴۷ء کو یہ اخبار جاری ہوا تھا۔

قمر الدین خاں اس کے مالک اور اڈیٹر تھے۔ اس میں عموماً مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے ۱۸۴۹ء کی ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق یہ اخبار نہیں بلکہ رسالہ تھا۔ اس میں قابل ذکر مسلمانوں کے حالات ہوتے اور ایک صفحے میں روزمرہ کی خبریں۔ ۱۸۵۰ء کی ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق ۱۸۵۵ء میں یہ اخبار بند ہو گیا تھا۔

یہ ہفت روزہ اخبار تھا، اور ہر دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ اس کی قیمت ۸ آنے اور محصول ڈاک بذمہ خریدار تھی۔

ملاحظہ ہو: تاریخ صحافت اردو، امداد صابری، جلد ۱، دہلی، ۱۹۵۳ء ص ص ۲۲۱-۲۲۲ — صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ص ۳۹، ۴۱، ۴۳، ۴۵، ۴۷ وغیرہ

۱۸۳۔ آفتاب عالم تاب : یہ ہفت روزہ اخبار تھا، جس کا ذکر غالب نے مرزا ہر گوپال تفتہ اور مرزا حاتم علی بیگ مہر کے نام خطوط میں کیا ہے۔ گارساں دتاسی نے اس کے اڈیٹر کا نام گنیش لال اور مولانا امداد صابری نے گنیشی لال بتایا ہے۔ اس اخبار کے مالک امداد علی سید اعظم علی تھے۔ مولانا

امداد صابری لکھتے ہیں کہ اس کا اجرا ۱۸۶۱ء میں ہوا۔ یہ درست نہیں کیوں کہ ۱۸۵۸ء کی سرکاری رپورٹ میں اس اخبار کا ذکر موجود ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ۱۸۵۸ء میں اس کی تعدادِ اشاعت ۳۳۱ تھی۔ ان میں سے ۵۱ کی خریدار گورنمنٹ تھی۔ ۲۴ یورپین، ۸۱ مسلمان اور ۱۷۵ ہندو خریدار تھے۔ اس اخبار کا ہندی اڈیشن "سورج پرکاش" کے نام سے شائع ہوتا تھا اور اس کی تعدادِ اشاعت ۴۹ تھی۔

"آفتاب عالم تاب" میں ایک یا ڈیڑھ صفحے پر بہادر شاہ ظفر کے حالات ہوتے تھے۔

ملاحظہ ہوں: خطبات گارساں دتاسی، ص ۳۰۶۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات ص ص ۲۳۰ - ۲۲۹۔ تاریخ صحافتِ اردو، جلد ۲ حصہ ۱، ص ۱۷۹

۱۸۴۔ انجیل : غالب نے انجیل کا ذکر علاءالدین خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔

انجیل کے دو حصے ہیں (۱) توریت، جسے عہدِ عتیق بھی کہا جاتا ہے اور (۲) انجیل جسے عہدِ جدید کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ توریت حضرت موسیٰ پر اور انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی اس لیے توریت میں شریعتِ موسوی اور انجیل میں شریعتِ عیسوی کا ذکر ہے۔

۱۸۵۔ اوستا : غالب نے اس کا ذکر علاءالدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ زرتشتوں کی مذہبی کتاب ہے۔ "اوستائی" نام کی ایک زبان ایران کے شمال میں رائج تھی اور زیادہ تر مذہبی پیشواؤں اور مذہبی کتابوں کی زبان تھی۔ سکندر کے حملے اور پھر سلوکی حکومت کے سو سالہ دور نے ان کتابوں اور اوستائی زبان کو تقریباً ناپید کر دیا۔ بعد کے عہد میں "اوستا" کو یکجا کر کے مرتب کیا گیا۔ ہمارے عہد میں بھی "اوستا" ملتی ہے، اگرچہ ہر عہد میں اس میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ قدیم "اوستا" بہت ضخیم تھی۔ ہمارے عہد کی اوستا میں پانچ کتابیں ہیں۔ یسنا - ویسپرو - وندیداد - یشت اور خردہ اوستا۔

ملاحظہ ہو: "تاریخ ادبیاتِ ایران" (اردو ترجمہ) ص ص ۳۰ - ۲۹

۱۸۶۔ برہانِ قاطع : غالب نے اس لغت کا متعدد خطوط میں ذکر کیا ہے۔ اس کے مؤلف محمد حسین تبریزی ہیں، جنھیں غالب محمد حسین دکنی کہتے ہیں۔ محمد حسین نے یہ لغت ۱۰۶۲ھ میں دکن میں تالیف کی تھی۔ ڈاکٹر محمد معین نے برہان قاطع مرتب کر کے چار جلدوں میں تہران سے شائع کر دی ہے۔

۱۸۷۔ بوستانِ خیال : غالب نے اس کا ذکر میر مہدی مجروح، خواجہ غلام غوث خاں بے خبر،

نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ محمد تقی جعفری متخلص بہ خیال کی فارسی تصنیف ہے۔ خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان نے الور کے مہاراجا شیو دان سنگھ کی فرمائش سے اس کا چھ جلدوں میں ترجمہ کر لیا تھا کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ باقی جلدوں کا ترجمہ اُن کے صاحبزادے خواجہ قمرالدین خاں راقم نے کیا۔ یہ تمام جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد حدائق الانظار، اکمل المطابع، دہلی سے ۱۲۹۲ھ میں چھپی تھی۔ اس پر غالب نے تقریظ لکھی ہے۔

۱۸۸۔ بہارِ عجم : غالب نے بہارِ عجم کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ "بہارِ عجم" کا فارسی کی مشہور ترین لغتوں میں شمار ہوتا ہے۔ ٹیک چند بہار نے اس لغت کی تالیف پر بیس سال صرف کیے تھے۔ وہ لگاتار مسودے میں ترمیم و اضافے اور قطع و برید کرتے رہے۔ اس طرح سات بار مسودہ صاف کیا۔ آٹھویں بار بھی وہ مسودہ صاف کرنا چاہتے تھے لیکن بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے نہ کر سکے۔

راز یزدانی مرحوم نے لکھا ہے کہ بہار کے انتقال کے وقت اُن کے ایک عزیز شاگرد رائے اندرمن موجود تھے۔ بہار نے "بہارِ عجم" اور "نوادر المصادر" کے مسودے، کچھ اور کتابیں رائے اندرمن کو دے دیں۔ بہار کے انتقال کے بعد شاگردِ رشید اندرمن نے "بہارِ عجم" کا انتخاب کیا اور دیباچہ لکھ کر اپنے نام سے کتاب شائع کر دی۔ اس لغت کو خاصی شہرت حاصل ہوئی۔ رائے اندرمن نے "بہارِ عجم" کا اصل نسخہ اپنے ایک شاگرد برج لال کو دے دیا۔ برج لال نے اصل مسودہ ٹیک چند بہار کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ تفصیل برج لال کے پوتے دولت رام کایستھ نے "بہارِ عجم" میں لکھی ہے۔

"بہارِ عجم" دو جلدوں میں پہلی بار ۲۷ جنوری ۱۸۶۲ء کو محب العلوم پریس، دہلی سے شائع ہوئی۔

ملاحظہ ہو : بہارِ عجم کے مخطوطے پر خانِ آرزو کے حواشی، راز یزدانی، نگار، رام پور، جنوری ۱۹۶۳ء، ص ص ۱۹ - ۱۴۔

۱۸۹۔ پازند : غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام خط میں کیا ہے۔ "زند" اور "پازند" دونوں زرتشتیوں کی مذہبی کتاب "اوستا" کی تفسیر ہیں۔ ان دونوں تفسیروں کا مواد ایک ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ "زند" پہلوی خط میں لکھی جاتی ہے جب کہ "پازند" اوستائی خط میں لکھی جاتی ہے۔ ان دونوں میں ایک اور فرق یہ ہے کہ "پازند" میں پہلوی کے وہ ارامی الفاظ نہیں ہیں جو صرف لکھے جاتے ہیں لیکن تلفظ میں جن کے ہم معنی ایرانی الفاظ آتے ہیں۔

ملاحظہ ہو: غالب بہ حیثیت محقق، قاضی عبدالودود، علیگڑھ میگزین، غالب نمبر ۴۹-۱۹۴۸ء، ص ۱۷۳۔

۱۹۰۔ پنج آہنگ: غالب نے اس کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ، حکیم محب علی، صفیر بلگرامی، منشی شیونرائن آرام اور صاحب عالم کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ پانچ آہنگوں پر مشتمل ہے۔ آہنگ اول میں القاب و آداب وغیرہ کا ذکر ہے۔ آہنگ دوم میں مصادر، مصطلحات اور لغات فارسی سے بحث ہے۔ آہنگ سوم میں دیوان غالب (فارسی) سے ایسے اشعار منتخب کیے گئے ہیں جو مکتوب نگاروں ہیں کام آسکتے ہیں۔ آہنگ چہارم میں خطب کتب و تقاریظ اور متفرق عبارتیں شامل ہیں۔ آہنگ پنجم میں غالب کے فارسی خطوط شامل ہیں۔

"پنج آہنگ کا پہلا اڈیشن مطبع سلطانی سے ۴ اگست ۱۸۴۹ء کو شائع ہوا۔ یہ اڈیشن ۴۹۴ صفحوں پر مشتمل ہے۔

دوسرا ایڈیشن مطبع دارالاسلام سے اپریل ۱۸۵۳ء میں شائع ہوا۔ اس اڈیشن کے ۴۴۴ صفحات ہیں۔ غالب نے دوسرے اڈیشن میں چوتھے اور پانچویں آہنگ میں ترمیم اور اضافے کیے ہیں۔ "پنج آہنگ" کا پہلا اڈیشن غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دلی کی لائبریری میں اور دوسرا اڈیشن انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

۱۹۱۔ تاریخ ابوالفدا: غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ اصل تصنیف عربی میں ہے۔ اس کے مصنف ابوالفدا اسماعیل بن علی بن محمود ملقب بہ الملک المؤید ہیں۔ یہ دمشق میں پیدا ہوئے۔ جوان ہو کر صلیبی جنگوں میں شریک رہے، پھر الملک الناصر کے متوسل ہوئے اور انھیں "حماۃ" کا علاقہ جاگیر میں دیا گیا۔ فقہ، طب، حکمت، ہیئت، نجوم، تاریخ، جغرافیہ میں کامل دستگاہ تھی۔ تاریخ میں ایک کتاب تالیف کی جو چھ جلدوں میں ہے اس کا نام المختصر فی تاریخ البشر ہے۔ مگر یہ تاریخ ابوالفدا کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کی چھے جلدیں ہیں۔ تیسری جلد کا اردو ترجمہ مولوی محمد امیر نے اور باقی پانچ جلدوں کا ترجمہ مولوی کریم الدین نے کیا۔ اردو میں یہ دو جلدوں میں ۱۸۴۶ء میں مطبع العلوم مدرسہ دہلی سے شائع ہوئی۔ پہلی جلد خلافت خاندان امویہ سے اندلس میں خلافت خلیفہ مستضی باللہ عباسی تک اور دوسری جلد شروع ۵۶۹ھ سے ۷۲۹ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں جلدیں ہارڈنگ لائبریری دہلی میں محفوظ ہیں۔ اس لائبریری میں ایک اور کتاب ناقص الاول ہے جس پر کسی نے "تکملہ ابوالفدا" لکھا ہوا ہے۔ ممکن ہے بعد میں اس کی تیسری جلد بھی شائع

ہوئی ہو طبقات الشعراے ہند میں خود کریم الدین نے صرف دو جلدوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابوالفدا نے ۷۳۲ھ میں انتقال کیا۔

۱۹۲۔ **تضمینِ گلستاں** : یہ مرزا ہرگوپال تفتہ کی تصنیف ہے۔ اس کی تفصیل تفتہ کے حالات میں بیان کردی گئی ہے۔

۱۹۳۔ **توریت** : غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ توریت کی تفصیل کے لیے دیکھیے: انجیل۔

۱۹۴۔ **چار شربت** : غالب نے اس کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں کیا ہے۔ یہ مرزا محمد حسین قتیل کی تصنیف ہے۔ اس میں قواعد فارسی، مصطلحات زبان دانی اور محاورہ اہلِ فارس سے بحث کی گئی ہے۔

چار شربت کی تالیف کا زمانہ غالباً ۱۲۲۵ھ ہے۔ محمدی پریس لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۹۵۔ **داستانِ امیر حمزہ** : غالب نے اس داستان کا ذکر میر مہدی مجروح اور نواب کلب علی خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالب نے کلب علی خاں کو لکھا ہے کہ "داستانِ حمزہ قصہ موضوعی ہے۔ شاہ عباس کے عہد میں ایران کے صاحب الطبعوں نے اس کو تالیف کیا ہے۔ ہندوستان میں امیر حمزہ کی داستان اس کو کہتے ہیں اور ایران میں رموزِ حمزہ اس کا نام ہے۔ دو سو کئی برس اس کی تالیف کو ہوتے۔" غالب کو غلط فہمی ہوئی، کیونکہ شاہ عباس کی ولادت ۱۶۳۳ء میں ہوئی اور ابو الفضل نے ۱۵۹۶ء میں "آئینِ اکبری" تصنیف کی تھی۔ ابوالفضل نے دربارِ اکبری میں خطاطی اور مصوری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "داستانِ امیر حمزہ بارہ جلدوں میں تقسیم کی گئی اور اس کتاب میں ایک ہزار چار سو حیرت انگیز تصویریں بنائی گئیں، جن سے ناظرین استعجاب میں مبتلا ہو گئے۔" ابوالفضل کے اس بیان سے پتا چلتا ہے کہ شاہ عباس ثانی کی ولادت سے ۳۷ سال قبل اکبر نے اس داستان کا ایک مصور نسخہ تیار کرایا تھا۔ یہ داستان شاہ عباس کی ولادت سے قبل وجود میں آچکی تھی۔ اس کا ایک اور ثبوت "زبدۃ الرموز" ہے۔ یہ داستان فارسی میں ہے اور اس کا ایک مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ "زبدۃ الرموز" کے مصنف حاجی قصہ خواں ہمدانی نے دیباچے میں لکھا ہے کہ ۱۶۱۳ء میں جب وہ عراق سے حیدر آباد آئے تو اپنے ساتھ "رموزِ حمزہ" کے کئی نسخے لائے۔ انھوں نے ایک نسخہ سلطان عبداللہ قطب شاہ والیِ گولکنڈہ کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے اس داستان کا خلاصہ تیار کرانے کا حکم دیا، چناں چہ حاجی قصہ خواں ہمدانی نے "زبدۃ الرموز" کے نام سے یہ خلاصہ تیار کیا۔ یہ

واقعہ بھی شاہ عباس کی ولادت سے بیس سال قبل کا ہے۔ اردو میں اس قصے کو بنیاد بنا کر بہت ضخیم داستان لکھی گئی۔ اس داستان کے لکھنے والے مختلف زمانوں میں مختلف لوگ تھے۔ اردو میں یہ داستان قلمی نسخوں کی شکل میں بھی کچھ لائبریریوں میں محفوظ ہے۔ غالباً پہلی بار خلیل علی خاں اشک کا اردو ترجمہ کلکتے سے ۱۸۰۱ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۵۵ء میں نواب مرزا امان علی خاں بہادر غالب لکھنوی کا ترجمہ کلکتے سے چھپا۔ مولوی عبداللہ بلگرامی نے غالب لکھنوی کے ترجمے پر نظر ثانی کر کے ۱۸۷۱ء میں اسے نول کشور لکھنؤ سے شائع کیا۔ پھر سید تصدق حسین نے اس پر نظر ثانی کر کے ۱۸۸۱ء میں نول کشور لکھنؤ ہی سے شائع کرایا۔ اس داستان کے بیشتر حصے اردو ہی میں تصنیف کیے گئے۔ اس کی پوری تفصیل ڈاکٹر گیان چند نے "اردو کی نثری داستانیں" میں بیان کی ہے۔

ملاحظہ ہو: اردو کی نثری داستانیں، ص ص ۵۲۶ - ۴۷۰ ۔ مکاتیب غالب، چھٹا اڈیشن، ص ۱۵۴۔ آئینِ اکبری (اردو ترجمہ) جلد اول، ص ۳۴۸۔ خطباتِ گارساں دتاسی، ص ۱۵۱۔

۱۹۶۔ درفشِ کاویانی : غالب نے اپنی اس تالیف کا ذکر میر مہدی مجروح، میر غلام بابا خاں، میاں داد خاں سیاح، منشی حبیب اللہ خاں ذکا، ابو محمد شاہ فرزند علی صوفی منیری، محمد حسن صدر الصدور اور مولوی نعمان احمد کے نام خطوط میں کیا ہے۔

یہ در اصل "قاطع برہان" کا دوسرا اڈیشن ہے۔ "درفشِ کاویانی اکمل المطابع، دہلی سے میر فخر الدین کے اہتمام میں ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی۔ ۱۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے سرورق پر "قاطع برہان" اور "درفشِ کاویانی" لکھا ہوا ہے۔ غالب نے اس اڈیشن میں کچھ اضافے کیے ہیں۔

۱۹۷۔ دساتیر : غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ "دساتیر" پہلی بار دو جلدوں میں ۱۸۱۸ء میں بمبئی میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے مرتب اور ناشر ملا فیروز تھے۔ فیروز کا بیان ہے کہ اس کتاب کی زبان کا عہدِ حاضر کی کسی مشہور زبان سے یا اوستائی و پہلوی و دری سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ عہدِ خسرو پرویز میں ساسان پنجم نے اس کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا۔

بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ یہ جعلی کتاب ہے۔ اس میں جو تعلیمات ہیں اُن کا زردشت مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ تعلیمات ہندو اور بودھ دھرم اور افلاطونی مذہب سے قریب ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اس کے مصنف آذر کیوان ہوں جو ایران کے رہنے والے تھے۔ آخری عمر میں ہندوستان آ گئے اور ۱۰۲۷ھ میں

پٹنہ میں اُن کا انتقال ہوا۔

ملاحظہ ہو : کچھ دساتیر کے بارے میں۔ قاضی عبدالودود، جنرل خدا بخش لائبریری، پٹنہ، شمارہ ۲۰، ۱۹۸۲ء، ص ص ۶۸-۶۱

۱۹۸۔ دستنبو: اس کا ذکر غالب کے متعدد خطوط میں آیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب سے خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے روزنامچے کی شکل میں غالب نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اس کا پہلا اڈیشن نومبر ۱۸۵۸ء میں مطبع مفید خلائق، آگرہ سے شائع ہوا تھا۔ دوسرا اڈیشن مطبع لٹریری سوسائٹی روہیل کھنڈ، بریلی سے ۱۸۶۵ء میں چھپا۔ اس میں کچھ الفاظ بدلے گئے اور ترتیب میں بھی کچھ ترمیم کی گئی۔ جنوری ۱۸۶۸ء میں جب مطبع نول کشور لکھنؤ سے "کلیاتِ نثرِ غالب" شائع ہوا تو اس میں دستنبو بھی شامل تھی۔ اس کلیات میں "دستنبو" کے مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی دی گئی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں صد سالہ یادگارِ غالب کمیٹی نے "دستنبو" کا ایک ری پرنٹ شائع کیا۔

اردوئے معلّٰی (دہلی، جلد دوم شمارہ ۲، ۳) میں "دستنبو" کا اردو ترجمہ شائع ہوا۔ مخمور سعیدی نے بھی "دستنبو" کا اردو ترجمہ کیا، جو تحریک (دہلی، اپریل، مئی ۱۹۶۱ء) میں شائع ہوا۔

۱۹۹۔ دیوانِ غالب (اردو۔ دوسرا اڈیشن): غالب نے اپنے اس دیوان کا ذکر قاضی عبدالجمیل جنوں کے نام خط میں کیا ہے۔ غالب کے دیوانِ اردو کا پہلا اڈیشن اکتوبر ۱۸۴۱ء میں مطبع سید الاخبار، دہلی سے شائع ہوا تھا۔ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل اس دیوان میں ۱۰۹۵ اشعار ہیں۔

دیوان کا دوسرا اڈیشن نورالدین احمد لکھنوی کے زیرِ اہتمام مئی ۱۸۴۷ء میں مطبع دارالسلام دہلی سے شائع ہوا۔ ۹۸ صفحات پر مشتمل اور ۷ × ۱۰ سائز پر ہے۔ اس میں کل ۱۱۱۱ اشعار ہیں۔ تیر درخشاں کی لکھی ہوئی تقریظ اس میں شامل ہے۔

۲۰۰۔ دیوانِ غالب (اردو۔ تیسرا اڈیشن) غالب نے اپنے اس دیوان کا ذکر میر مہدی مجروح، بدرالدین احمد المعروف بہ فقیر اور محمد حسین خاں کے نام خطوط میں کیا ہے۔ یہ دیوان مطبع احمدی دہلی سے امو جان کے زیرِ اہتمام ۲۹ جولائی ۱۸۶۱ء کو شائع ہوا۔ ۸۸ صفحات پر مشتمل یہ دیوان ۶ ۱/۲ × ۱۰ کے سائز پر ہے۔ اس میں ۱۷۹۶ اشعار ہیں۔ غالب نے اس دیوان کی طباعت کے بارے میں مجروح کو لکھا تھا: دیوانِ اردو چھپ چکا۔ ہائے! لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا، اس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسنِ

خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ دلّی پر اور اُس کے پانی پر اور اُس کے چھاپے پر لعنت! صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے۔ ہر کاپی دیکھتا رہا ہوں، کاپی نگار اور تھا، متوسط، جو کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا، وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے، حق التصنیف ایک مجھ کو ملا۔ غور کرتا ہوں کو وہ الفاظ غلط جوں کے توں ہیں یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا، وہ چھپا۔" نیر رخشاں کی لکھی ہوئی تقریظ، اس دیوان میں بھی شامل ہے۔

۲۰۱۔ دیوانِ غالبؔ (اردو۔ چوتھا اڈیشن) : غالبؔ نے اپنے اس دیوان کا ذکر بدرالدین احمد المعروف بہ فقیرؔ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔

یہ دیوان مئی جون ۱۸۶۲ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا۔ اس میں ۱۸۰۲ اشعار ہیں۔ کل صفحات ۱۰۴ ہیں۔ نیر رخشاں کی تقریظ اس اڈیشن میں شامل نہیں کی گئی۔

۲۰۲۔ دیوانِ غالبؔ (اردو۔ پانچواں اڈیشن) غالبؔ نے اپنے اس اردو دیوان کا ذکر منشی شیو نرائن آرامؔ کے نام خطوط میں کیا ہے۔

یہ اڈیشن ۱۸۶۳ء میں $6\frac{1}{2} \times 10\frac{1}{2}$ سائز پر مطبع مفید خلائق سے شائع ہوا۔ ۱۴۶ صفحات پر مشتمل اس دیوان میں ۱۷۹۵ اشعار ہیں۔

۲۰۳۔ زبدۃ الاخبار : غالبؔ نے اس فارسی اخبار کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہؔ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ ہفت روزہ غالباً ۱۸۳۳ء میں آگرے سے جاری ہوا تھا۔ منشی واجد علی خاں اس کے مالک اور اڈیٹر تھے۔ واجد علی خاں فارسی دانی کے لیے بہت مشہور تھے۔ بیشتر خریدار یہ اخبار صرف اُن کی فارسی تحریریں پڑھنے کے لیے خریدتے تھے۔ ۱۸۵۳ء تک منشی واجد علی خاں ہی اس کے اڈیٹر اور مہتمم تھے، لیکن اسی سال اس اخبار کا اہتمام شیخ کریم اللہ کو سونپ دیا گیا۔ ۱۸۵۴ء میں یہ اخبار بند ہو گیا۔

ملاحظہ ہو: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ص ۵۷-۵۶ ___ ہندوستانی اخبار نویسی، ص ص ۲۳۷-۲۳۶

۲۰۴۔ زبور : غالبؔ نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائیؔ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ قرآن شریف میں لفظ "زبور" ایک بار ایسی الہامی تحریروں کے مفہوم میں آیا ہے، جس میں انسانی کارنامے

بیان کیے گئے ہیں اور ایک بار کہا گیا ہے کہ "زبور" الہامی کتاب ہے، جو حضرت داؤدؑ پر اتری تھی۔ اکثر علمار کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس نام کی کوئی الہامی کتاب تھی تو وہ ناپید ہو چکی ہے۔ بعد میں کسی نے "قرآن شریف" کو نمونہ بنا کر "زبور" لکھی ہے۔ "زبور" کا قدیم ترین دستیاب نسخہ ۶۶۶ھ کا لکھا ہوا ہے۔

۲۰۵۔ **ژند** : غالب نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ زردشتیوں کی مذہبی کتاب "اوستا" ہے۔ "ژند" اوستا کی پہلوی تفسیر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ خاصی ضخیم تھی، لیکن اس کا بڑا حصہ دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔

۲۰۶۔ **سنبلستان** : مرزا ہرگوپال تفتہ کی تصنیف ہے۔ تفتہ نے سعدی کی "بوستاں" کا منظوم جواب لکھا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مرزا ہرگوپال تفتہ کے حالات، "مکتوب الیہم" کے عنوان کے تحت۔

۲۰۷۔ **شاہنامۂ فردوسی** : غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں "شاہنامۂ فردوسی" کا ذکر کیا ہے۔ شاہنامے کا شمار دنیا کے عظیم ترین ادبی شہ پاروں میں ہوتا ہے۔ فردوسی سے تقریباً دو ہزار سال قبل ایک کتاب "دفترِ باستان" یا "نامۂ خسرواں" یا "دفترِ پہلوی بروے شاہ نامہ" کے نام سے تصنیف ہوئی تھی۔ یہ دراصل ایران کے بادشاہوں کی تاریخ تھی۔ بعد میں اس کتاب کا اصل نسخہ دست بردِ زمانہ کی نذر ہو گیا لیکن اس کے اجزا، علیحدہ علیحدہ داستانوں کی صورت میں موبدوں کے پاس محفوظ تھے۔ ابو منصور عبدالرزاق کے حکم سے ابو منصور المعمری نے ان داستانوں کو ۳۴۶ھ میں دوبارہ مرتب کیا۔ یہی کتاب شاہ نامہ کا ماخذ ہے۔ اگرچہ فردوسی نے دوسرے ذرائع سے بھی بعض داستانیں نقل کی ہیں۔ شاہ نامہ ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ۳۶۵ھ میں فردوسی نے شاہ نامے کا ایک چھوٹا سا حصہ "داستانِ بیژن" نظم کیا تھا۔ ۳۹۳ھ میں شاہنامے کی تکمیل ہوئی اور غالباً سات سال تک یعنی ۴۰۰ھ تک فردوسی، شاہ نامے کی تصحیح اور ترتیب میں مصروف رہا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے فردوسی سے شاہنامہ فردوسی لکھنے کی فرمائش کی اور ہر شعر کا معاوضہ ایک دینار (سونے کا سکّہ) طے کیا۔ جب شاہنامہ مکمل ہوا تو محمود کی نیت بدل گئی اور اُس نے بعض درباریوں کے بہکانے سے ساٹھ ہزار سونے کے دینار دینے کے بجائے چاندی کے دینار دے دیے۔ جس وقت یہ دینار فردوسی کو پہنچے، وہ حمام میں تھا۔ اُس نے بیس ہزار دینار حمامی کو دے دیے۔ بیس ہزار فقاعی کو اور بیس ہزار انعام لانے والے کو۔ چوں کہ فردوسی جانتا تھا کہ اس حرکت

کی وجہ سے وہ بادشاہ کا معتوب ہوگا، اس لیے وہ روپوش ہوگیا۔ حافظ محمود شیرانی کا خیال ہے کہ یہ محض داستان طرازی ہے حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود نے فردوسی سے شاہنامے کی فرمایش ہرگز نہیں کی۔ سلطان محمود کی تخت نشینی کے وقت فردوسی کو شاہنامے کی تصنیف میں بیس سال گزر چکے تھے۔ سلطان کی تاج پوشی کے وقت فردوسی غزنی آیا۔ یہاں چھے سال رہ کر اس نے شاہ نامہ مکمل کیا۔ ابتدا میں سلطان محمود اس پر مہربان تھا لیکن فردوسی درباری امرا کی آپسی سازشوں کا شکار ہو کر سلطان کی سرپرستی سے بالکل محروم ہوگیا۔ اس لیے اس نے بقول پروفیسر شیروانی ' سلطان محمود کی ہجو لکھی۔

ملاحظہ ہو: فردوسی پر چار مقالے، ص ص ۶۶-۱

۲۰۸۔ صادق الاخبار، دہلی: اس اخبار کا ذکر غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ اس نام سے دہلی سے کئی اخبار جاری ہوئے تھے۔ مولانا امداد صابری کے پاس ۲۴ جنوری ۱۸۴۵ء کا ایک شمارہ ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اخبار ۱۸۴۴ء میں جاری ہوا تھا۔ "احسن الاخبار" کا ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۶ء کا شمارہ جناب عبدالرزاق قریشی کی نظر سے گزرا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ اس شمارے میں شکایتاً لکھا گیا ہے کہ "صادق الاخبار" کے اڈیٹر نے رفتہ رفتہ اپنے اخبار کو اردو زبان کا اخبار بنا دیا ہے۔ ۱۸۴۶ء میں اس اخبار کے اڈیٹر شیخ امداد حسین تھے۔ میرا قیاس ہے کہ اس اخبار کا کچھ حصہ اردو میں ہوتا تھا۔ کیوں کہ ۳ ستمبر ۱۸۴۶ء کو اسسٹنٹ سکریٹری حکومت صوبہ شمالی و مغربی، اے شکسپیر نے لکھا ہے کہ "صادق الاخبار" فارسی کا اخبار ہے اور دہلی سے شائع ہوتا ہے۔ یہ اخبار مطبع دار السلام سے شائع ہوتا تھا۔ اس مطبع کے بارے میں صاحب اختر شہنشاہی کا بیان ہے کہ یہ مطبع محلہ حوض قاضی دہلی میں تھا۔ اس کے مالک عنایت حسین اور مہتمم نورالدین احمد تھے۔ ۱۸۴۹ء کے سرکاری گوشوارے میں اس اخبار کے اڈیٹر کا نام عنایت حسین بتایا گیا ہے۔ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۳ء تک کے گوشواروں کے مطابق اس اخبار کے اڈیٹر نورالدین احمد تھے۔ ۱۸۵۴ء میں اس کے اڈیٹر محمد حسین ہوگئے۔ گارساں دتاسی کی اطلاع کے مطابق یہ اخبار ۱۸۵۵ء تک جاری تھا۔ ۱۸۵۰ء کی سرکاری رپورٹ کے مطابق ۱۸۴۹ء میں مطبع مصطفائی کو لکھنؤ سے دہلی منتقل کیا گیا۔ اس مطبع کے مالک محمد مصطفےٰ خاں تھے۔ ۱۸۵۳ء کے گوشوارے (صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۸۰ م) اور گارساں دتاسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال مطبع مصطفائی سے اردو میں "صادق الاخبار" جاری ہوا۔ میرا خیال ہے کہ ۱۸۵۴ء اور ۱۸۵۵ء کے دوران یہ دونوں اخبار بند ہوگئے۔ جنوری ۱۸۵۴ء کے پہلے ہفتے میں ایک اور "صادق الاخبار"

کا اجرا عمل میں آیا۔ اس کے مالک اور مہتمم سید جمیل الدین خاں تھے۔ یہ اخبار چوڑی والان، دہلی سے شائع ہوتا تھا ہنگامہ ۱۸۵۷ء تک یہ اخبار جاری رہا۔ یہ اردو ہفتہ وار ہر دوشنبے کو شائع ہوتا، چار صفحات پر مشتمل ہوتا۔ اس کی قیمت ایک روپیہ ماہوار، پانچ روپے ششماہی اور نو روپے سالانہ تھی۔ یہ انگریز دشمن اخبار تھا۔ ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے جرم میں اس کے اڈیٹر جمیل الدین خاں کو تین سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

ایک اور "صادق الاخبار" غالباً جنوری ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا۔ اس کے اڈیٹر شیخ خدا بخش تھے۔

ملاحظہ ہوں: اخترِ شہنشاہی، ص ۱۱۷ - ۱۱۶ — صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۳۸ - ہندوستانی اخبار نویسی، ص ص ۲۸۶ - ۲۸۳ - خطباتِ گارساں دتاسی، ص ۱۸۵ - اٹھارہ سو ستاون کے اخبار اور دستاویزیں، ص ص ۱۴، ۱۵، ۱۶ وغیرہ - اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار، برج موہن دتاتریہ کیفی، اردو (اورنگ آباد) اپریل ۱۹۳۵ء، ص ۱۸۵ - تاریخِ صحافتِ اردو، ص ۲۷۴ - ۲۷۲

۲۰۹ - غیاث اللغات : مولوی غیاث الدین عزت کی "غیاث اللغات" کا ذکر غالب نے مرزا ہرگوپال تفتہ، منشی نبی بخش حقیر، نواب انور الدولہ سعد الدین خاں شفق، چودھری عبد الغفور سرور اور شمس العلما مولوی ضیاء الدین دہلوی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ مولوی صاحب نے فارسی کی یہ لغت چودہ سال کی محنت سے ۱۲۴۲ھ (مطابق ۱۸۲۶ء، ۱۸۲۶ء) میں مکمل کی۔ ابھی اس کا مسودہ تیار ہی ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے اس کی نقلیں لے لیں اور مولوی صاحب کو نظرِ ثانی کا موقع نہیں دیا۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۸ء، ۱۸۴۹ء میں مطبعِ میر حسن رضوی، لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس لغت کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ اب تک اس کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے اڈیشن کے بارے میں یہ اطلاع تذکرۂ کاملانِ رام پور، ص ۲۰۷ میں دی گئی ہے۔ میرے پیشِ نظر جو نسخہ ہے، وہ ۵۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۸۹۵ء میں منشی گلاب سنگھ نے لکھنؤ سے چھاپا ہے۔ اس کے حاشیے پر خان آرزو کی "چراغِ ہدایت" بھی چھاپی گئی ہے۔ ۱۹۴۰ء میں مطبع نول کشور نے غیاث اللغات کا ایک اڈیشن اور شائع ہوا تھا۔ اس کے دو کالم تھے۔ پہلے کالم میں "غیاث اللغات" اور دوسرے کالم میں حسین المدنی کی "منتخب اللغات" شائع کی گئی ہے۔ پوری لغت ۸۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۷۰۶ صفحے سے خان آرزو کی "چراغِ ہدایت" شروع ہوتی ہے۔

۲۱۰ - کلیاتِ نثرِ فارسی (قلمی) : غالب نے اس کلیات کا ذکر میر مہدی مجروح کے نام ایک خط (مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۶۳ء) میں کیا ہے۔ یہ کلیاتِ نثر ڈاکٹر اظہر علی کے پاس تھا۔ انھوں نے پنجاب پبلک لائبریری

لاہور کو دے دیا۔ اس کلیات میں "پنج آہنگ"، "مہر نیمروز" اور "دستنبو" شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں اطلاع دی گئی ہے کہ: "ایں رسالہ بہ قرۃ العین میر سرفراز حسین فرستادہ آمد" اس کا مطلب ہے کہ یہ کلیات غالبؔ میر سرفراز حسین کے لیے لکھوایا گیا تھا۔

ملاحظہ ہو: غالب اور انقلاب ستاون، ص ص ۴۳-۴۷

۲۱۱۔ کلیاتِ نظم فارسی (غالبؔ) دوسرا اڈیشن: غالبؔ نے اس کا ذکر صفیر بلگرامی، میر مہدی مجروحؔ اور حکیم محب علی کے نام خطوط میں کیا ہے۔ غالبؔ کے "کلیاتِ نظم فارسی" کا پہلا اڈیشن ۱۸۴۵ء میں مطبع دارالسلام دہلی سے شائع ہوا تھا۔ یہ ۵۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں کل ۶۶۹۷ اشعار ہیں۔ "کلیاتِ نظم فارسی" کا دوسرا اڈیشن مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔ یہ ۵۶۲ صفحات اور ۱۰۴۴۸ اشعار پر مشتمل ہے۔

۲۱۲۔ گرو گرنتھ صاحب: غالبؔ نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ یہ سکھوں کی مقدس کتاب ہے، جسے سکھوں کے پانچویں گرو ارجن جی نے ۱۶۰۴ء میں لکھا۔ گرو گوبند سنگھ نے اس تالیف کو مکمل کیا تھا۔ گرو گرنتھ صاحب پوری منظوم ہے۔ اس میں سات سکھ گردوں کا بیان کردہ کلام مختلف راگوں کے شبدوں اور شلوکوں میں ملتا ہے۔ پندرہ ہندو اور مسلمان بزرگوں کا بیان کردہ کلام بھی اس میں شامل ہے۔ اس کلام کو "بھگت بانی" کہا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو: گورو گرنتھ اور اردو، ص ص ۱۶-۱۰

۲۱۳۔ محرقِ قاطع: اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائیؔ، منشی حبیب اللہ ذکاؔ، خواجہ غلام غوث خاں بےخبر اور مولوی نعمان احمد کے نام خطوط میں کیا ہے۔ اس کے مصنف دفتر ریذیڈنٹ راجپوتانہ کے میر منشی سید سعادت علی ہیں۔ ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع احمدی، دہلی سے ۱۲۸۰ھ میں شائع ہوئی۔ غالبؔ کی "قاطع برہان" کے جواب میں یہ پہلی کتاب ہے۔ غالبؔ نے علائی کے نام ایک خط میں اس کتاب کا نام طنزاً "تپِ محرق" لکھا ہے۔

۲۱۴۔ قاطع برہان: غالبؔ نے اپنی اس تالیف کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ یہ مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئی۔ ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ایک صفحہ غلط نامے کا ہے۔

۲۱۵۔ مصطلحات الشعرا: غالبؔ نے اس کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ۲۰ مارچ ۱۸۶۱ء کے خط میں اس طرح کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دنوں یہ کتاب غالبؔ کے زیرِ مطالعہ تھی۔ اسی

کے مصنف وارستہ مل سیالکوٹی ہیں۔

کتاب کے آغاز میں وارستہ نے لکھا ہے کہ جب میں فصحا کے دواوین کا مطالعہ کر رہا تھا تو بہت سے محاورات عزیزۂ فارسی" نظر پڑے۔ ان میں بڑی تعداد ایسے محاوروں کی بھی جو لغتوں میں نہیں ملے۔ میں نے ایران کی زبان دانوں سے رجوع کیا اور انہوں نے جو مطالب بیان کیے، وہ طالب علموں کی سہولت کے لیے اس کتاب میں مرتب کر دیے۔ وارستہ کا کہنا ہے کہ یہ ان کی پندرہ سال کی محنت ہے۔ میرے پیشِ نظر جو مطبوعہ نسخہ ہے اس کے سرورق پر "مصطلحات وارستہ" المعروف بہ "مصطلحات الشعرا" لکھا ہوا ہے۔ اسے قطب الدین احمد نے مطبع نامی لکھنو سے رجب ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا ہے۔

۲۱۶۔ **مظہر العجائب** : غالب نے اس تذکرے کا ذکر مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خطوط میں کیا ہے۔ تذکرے کی تفصیلات بیان کی ہیں، نام نہیں لکھا۔ سابق جج دہلی رٹیگن کی فرمائش پر مولوی ظہور علی ظہور کے صاحبزادے مولوی مظہر الحق نے یہ تذکرہ ترتیب دیا تھا۔ تقریباً دو ہزار فارسی شاعروں کے حالات پر مشتمل یہ تذکرہ ۱۸۶۴ء کے آس پاس مکمل ہوا۔ تذکرے کے لیے مولوی انوار الحق نے چار سو اور غالب نے کم سے کم سولہ شاعروں کے حالات لکھے تھے۔ اس زمانے کے اخباروں میں تذکرے کی طباعت کا جو اشتہار دیا گیا تھا اس میں اس کی قیمت تین روپے بتائی گئی تھی۔ غالب، مولانا نظامی اور مولوی ظہور علی ظہور نے اس کی تقاریظ اور تواریخ لکھی تھیں۔ غالب کی فارسی میں لکھی تقریظ ان کے فارسی کلیاتِ نثر میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تذکرہ شائع نہ ہو سکا اور اس کا مسودہ بھی ضائع ہو گیا۔ رٹیگن نے اس تذکرے کے چھ سو شاعروں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ وہ بھی غالباً طباعت سے محروم رہا۔

ملاحظہ ہو ل: تذکرہ مظہر العجائب اور مرزا غالب، مسلم ضیائی، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء ص ص ۵۳۲ ۔ ۵۳۹ ۔۔ اردو، اورنگ آباد، جولائی ۱۹۲۸ء

۲۱۷۔ **مہر نیم روز** : غالب نے اپنی اس تالیف کا ذکر متعدد خطوط میں کیا ہے۔ ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو بہادر شاہ ظفر نے غالب کو خاندانِ تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر مقرر کیا۔ اس تاریخ کا نام "پرتوستان" رکھا گیا۔ یہ دو حصوں میں لکھی جانی تھی۔ پہلے حصے کا نام "مہر نیم روز" اور دوسرے حصے کا نام "ماہِ نیم ماہ" تجویز کیا گیا۔ اس تاریخ کا مسودہ حکیم احسن اللہ خاں غالب کو فراہم کرتے تھے، اور غالب فارسی میں ترجمہ کر دیتے۔ اگست ۱۸۵۱ء میں یہ پہلا حصہ مکمل ہو گیا۔ کچھ ہی دن بعد مہر نیم روز "فخر المطابع" دہلی سے شائع ہوئی۔ ۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۱۸ ۔ وید : غالب نے ویدوں کا ذکر علاء الدین احمد خاں علائی کے نام ایک خط میں کیا ہے اور انہیں "چار بید" لکھا ہے ۔ یہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ہے ۔ اس کے چار حصے ہیں (۱) رگ وید (۲) اتھر وید (۳) سام وید اور (۴) یجر وید ۔

جنوبی روس اور وسط ایشیا کے جن قبیلوں نے ترکِ وطن کر کے یورپ و ایشیاء کو چک اور ایران کی طرف ہجرت کی، انھیں آریہ کہا جاتا ہے ۔ جو لوگ ایران کی طرف آئے تھے، اُن میں سے کچھ نے ایران میں سکونت اختیار کر لی اور کچھ نے ہندوستان کی راہ لی ۔ ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کا زمانہ پندرہ سو سے لے کر ایک ہزار قبل مسیح بتایا جاتا ہے ۔ اُنہی آریاؤں نے چاروں وید تصنیف کیے تھے ۔ پہلا رگ وید ہے، اس میں ۱۰۱۷ مقدس گیت ہیں جو دس حصوں میں مرتب کیے گئے ہیں ۔ ان گیتوں میں آریائی دیوتاؤں سے خطاب کیا گیا ہے ۔ یہ چاروں وید خاصی طویل مدت اور مختلف اوقات میں لکھے گئے ۔

کتابیات

فارسی مطبوعات

۱۔ امیر دولت شاہ، مرتبہ اڈورڈ جی براؤن، لندن، سنہ ۱۹۰۱ء

۲۔ اہلی شیرازی، کلیاتِ اشعار مولانا اہلی شیرازی مرتبہ حامد ربانی کتاب خانہ سنائی، سنہ ۱۳۴۴ھ

۳۔ آزردہ، مفتی صدر الدین، کتاب کا نام مرتبہ پروفیسر مختار الدین، کراچی، سنہ ۱۹۷۲ء

۴۔ حزیں، محمد علی، دیوانِ حزیں، مرتبہ والہ داغستانی، لاہور، اکتوبر ۱۹۷۱ء

۵۔ حسام الدین راشدی (مرتب) تکملۂ مقالات الشعرا، کراچی ۱۹۵۸ء

۶۔ خسرو، کلیاتِ غزلیاتِ خسرو، مرتبہ اقبال صلاح الدین، تجدید نظر سید وزیر الحسن عابدی لاہور، جلد ۱، لاہور، سنہ ۱۹۷۲ء

۷۔ خواجہ عبد الرشید، تذکرہ شعرائے پنجاب، اقبال اکادمی، لاہور، سنہ ۱۹۶۷ء

۸۔ سرور، میر محمد خاں بہادر، عمدۂ منتخبہ، دہلی، سنہ ۱۹۶۱ء

۹۔ سنائی حکیم، دیوانِ حکیم سنائی، بہ کوششِ مظاہر مصفا، موسسۂ مطبوعاتی امیر کبیر، سنہ ۱۳۳۶ھ

۱۰۔ شاہ نواز خاں، مآثر الامرا، (جلد ۳) کلکتہ، سنہ ۱۸۹۱ء

۱۱۔ شیفتہ، نواب مصطفےٰ خاں، گلشنِ بے خار، مطبع نامی نول کشور، سنہ ۱۸۷۴ء

۱۲۔ صائب، دیوانِ صائب بخطِ مرزا صائب، مقدمہ نگار ممتاز حسن، کراچی، سنہ ۱۹۷۱ء

۱۳۔ صفا، ذبیح اللہ، گنجِ سخن، جلد ۱، باب دوم، تہران، اسفند ۱۳۳۹ھ

۱۴۔ صفا، ذبیح اللہ، گنجِ سخن، جلد ۳، تہران، سنہ اشاعت ندارد

۱۵۔ صفا، ذبیح اللہ، تاریخِ ادبیات در ایران، تہران، ۱۳۵۲ھ

۱۶۔ عزت، مولانا غیاث الدین، غیاث اللغات، مع چراغِ ہدایت، لکھنؤ ۱۸۹۵ء

۱۷۔ علی نظمی، دولیست سخنور، تبریز، ۱۲۹۶ھ

۱۸۔ علی حسن خاں، سید، طورِ کلیم، آگرہ ۱۲۹۸ھ

۱۹۔ علی حسن خاں، سید، صبحِ گلشن، بھوپال، ۱۲۹۵ھ

۲۰۔ عیوض علی، قواعدِ فخریہ (قلمی) مملوکہ خواجہ حسن ثانی نظامی

۲۱۔ غالب، اسداللہ خاں، کلیاتِ نظمِ فارسی، دہلی، ۱۸۴۵ء

۲۲۔ غالب، اسداللہ خاں، پنج آہنگ، مطبعِ سلطانی دہلی، ۱۸۴۹ء

۲۳۔ غالب، اسداللہ خاں، پنج آہنگ، مطبع دار السلام۔ دہلی، ۱۸۵۳ء

۲۴۔ غالب، اسداللہ خاں، مہر نیمروز، فخر المطابع۔ دہلی، ۱۸۵۴ء

۲۵۔ غالب، اسداللہ خاں، دستنبو، آگرہ، ۱۸۵۸ء

۲۶۔ غالب، اسداللہ خاں، کلیاتِ نظمِ فارسی، لکھنؤ ۱۸۶۳ء

۲۷۔ غالب، اسداللہ خاں، درفشِ کاویانی، دہلی، ۱۸۶۵ء

۲۸۔ غالب، اسداللہ خاں، سبدِ چین، مرتبہ مالک رام، دہلی، ۱۹۳۸ء

۲۹۔ غالب، اسداللہ خاں، باغِ دو در، مرتبہ وزیر الحسن عابدی، لاہور، ۱۹۶۸ء

۳۰۔ غالب، اسداللہ خاں، پنج آہنگ (آہنگِ پنجم اردو ترجمہ) محمد عمر مہاجر، کراچی، ۱۹۶۹ء

۳۱۔ غالب، اسداللہ خاں، دستنبو، صد سالہ یادگار کمیٹی، دہلی، ۱۹۶۹ء

۳۲۔ قاسم، حکیم قدرت اللہ، مجموعۂ نغز، مرتبہ محمود شیرانی، لاہور، ۱۹۳۳ء

۳۳۔ قتیل، مرزا محمد حسن، ہفت تماشا، مرتبہ ڈاکٹر محمد عمر، دہلی، ۱۹۶۸ء

۳۴۔ کلیم، نور الحسن خاں، بزمِ سخن، آگرہ، ۱۲۹۸ھ

۳۵۔ محمد صدیق حسن خاں، شمعِ انجمن، بھوپال، ۱۲۹۳ھ

۳۶۔ مصحفی، غلام ہمدانی، عقدِ ثریا، مرتبہ عبدالحق، اورنگ آباد، ۱۹۳۴ھ

۳۷۔ ملا عبدالنبی فخر الزمانی، میخانہ، مرتبہ محمد شفیع، لاہور، ۱۹۲۶ء

۳۸۔ نصر اللہ خاں خویشگی، گلشنِ ہمیشہ بہار، مرتبہ اسلم فرخی، کراچی، ۱۹۶۷ء
۳۹۔ نظام، نواب غازی الدین خاں، مناقبِ فخریہ، دہلی، ۱۳۱۵ھ
۴۰۔ وارستہ مل سیالکوٹی، مصطلحات الشعرا، لکھنؤ، ۱۳۰۵ھ
۴۱۔ ہندی، بھگوان داس، تذکرہ ہندی، مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمن کاکوی، پٹنہ، ۱۹۵۱ء

اُردو مطبوعات

۴۲۔ ابوالفضل، آئینِ اکبری، مترجمہ مولوی محمد فدا علی طالب، جلد ۱، حصہ ۱، حیدرآباد، ۱۹۳۹ء
۴۳۔ احمد سعید، مولوی، تاریخ اولیاء دہلی، معروف بہ تحفۂ سعید دہلی، ۱۹ ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ
۴۴۔ اختر الدولہ حاجی محمد اشرف، اخترِ شہنشاہی، لکھنؤ، ۱۸۸۸ء
۴۵۔ اسلم پرویز، ڈاکٹر، بہادر شاہ ظفر، دہلی، ۱۹۸۶ء
۴۶۔ آغا مرزا بیگ، نواب، کارنامۂ سروری، علی گڑھ، ۱۹۳۳ء
۴۷۔ امداد صابری، دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی ۱۹۷۲ء
۴۸۔ امداد صابری، تاریخِ صحافتِ اردو، جلد ۱، دہلی، ۱۹۵۳ء
۴۹۔ امداد صابری، تاریخِ صحافتِ اردو، جلد ۳،
۵۰۔ امیر، منشی امیر احمد، یادگارِ انتخاب، رام پور، ۱۲۹۷ھ
۵۱۔ انتظام اللہ شہابی، ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، دہلی، تاریخِ اشاعت ندارد
۵۲۔ آزاد، مولانا محمد حسین، نصیحت کا کرن پھول، لاہور، ۱۹۰۷ء
۵۳۔ آزاد، مولانا محمد حسین، آبِ حیات، سرفراز پریس، لکھنؤ
۵۴۔ باطن، قطب الدین، گلستانِ بے خزاں، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء
۵۵۔ بشاش، منشی دیبی پرشاد، تذکرہ آثار الشعرائے ہنود، دہلی، ۱۸۸۵ء
۵۶۔ بشیر الدین احمد، واقعاتِ دار الحکومت، دہلی، ۱۹۱۹ء (جلد اول، دوم، سوم)
۵۷۔ بے خبر، خواجہ غلام غوث خاں، فغانِ بے خبر، الہ آباد، ۱۸۹۱ء
۵۸۔ پبلی کیشنز ڈویژن، آئینہ غالب، دلی، ۱۹۶۴ء

۵۹۔ پریشاں، محمد نیاز علی، شعر و سخن، آگرہ ۱۲۵۶ھ

۶۰۔ تحسین، عطا حسین، نوطرز مرصع، مرتبہ سید نور الحسن ہاشمی، الہ آباد، ۱۹۵۸ء

۶۱۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر ذوق۔ سوانح اور، لاہور،

۶۲۔ حالی الطاف حسین، یادگار غالب، کانپور، ۱۸۹۷ء

۶۳۔ حالی، الطاف حسین، کلیات نثر حالی، جلد ۲، مرتبہ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، لاہور، ۱۹۶۸ء

۶۴۔ حالی، الطاف حسین، حیات جاوید، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۹ء

۶۵۔ حمیدہ سلطان احمد، خاندان لوہارو کے شعرا، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء

۶۶۔ خلیفہ سید محمد حسن۔ تاریخ پٹیالہ، امرتسر، ۱۸۷۸ء

۶۷۔ خلیق احمد نظامی، پروفیسر، تاریخ مشائخ چشت، دلی، ۱۹۸۰ء

۶۸۔ خلیق انجم، غالب اور شاہان تیموریہ، دہلی ۱۹۷۴ء

۶۹۔ خواجہ احمد فاروقی، میر تقی میر، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء

۷۰۔ خواجہ بدر الدین عرف خواجہ امان، حدائق الانظار، دہلی، ۱۲۹۲ھ

۷۱۔ رحمٰن علی خاں۔ ریاض الامرا، لکھنؤ، ۱۸۶۷ء

۷۲۔ رسا، گوکل پرشاد، ارمغان گوکل پرشاد، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری، کراچی، ۱۹۷۵ء

۷۳۔ رضا، کالی داس گپتا، غالبیات۔ چند عنوانات، بمبئی، ۱۹۸۲ء

۷۴۔ سحر، احمد حسین، تذکرہ بہار بے خزاں، مرتبہ حفیظ عباسی، دہلی ۱۹۶۹ء

۷۵۔ سری رام، خم خانہ جاوید، جلد ۱، دہلی، ۱۹۰۸ء

۷۶۔ سری رام، خم خانہ جاوید، جلد ۲، دہلی، ۱۹۰۸ء

۷۷۔ سری رام، خم خانہ جاوید، جلد ۳، دہلی، ۱۹۰۸ء

۷۸۔ سری رام، خم خانہ جاوید، جلد ۴، دہلی، ۱۹۲۶ء

۷۹۔ سری رام، خم خانہ جاوید، مرتبہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی، دہلی، ۱۹۴۰ء

۸۰۔ سید احمد خاں، آثار الصنادید، لکھنؤ، ۱۸۹۵ء

۸۱۔ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد ۴، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۴ء

۸۲۔ شاغل، احترام الدین، تذکرہ شعرائے جے پور، علی گڑھ، ۱۹۵۸ء

۸۳۔ شایاں، منشی طوطارام، طلسمِ ہند، لکھنؤ، ۱۸۷۴ء

۸۴۔ شبلی نعمانی، مولانا روم، لاہور، سنہ اشاعت ندارد۔

۸۵۔ شبیہ الحسن، ڈاکٹر ناسخ۔ تجزیہ و تنقید، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء

۸۶۔ شفق، ڈاکٹر رضازادہ، تاریخِ ادبیاتِ ایران (اردو ترجمہ) مترجمہ سید مبارز الدین رفعت، دہلی، ۱۹۵۵ء

۸۷۔ شوق، احمد علی خاں، تذکرۂ کاملان رام پور، رام پور، ۱۹۲۹ء

۸۸۔ شیام جیس رائے، لالہ، مختصر حالاتِ شاہانِ انگلستان، لکھنؤ، ۱۹۱۱ء

۸۹۔ صابر دہلوی، مرزا قادر بخش، خلیل الرحمٰن داؤدی، جلد اول، لاہور، ۱۹۶۶ء (جلد اول و دوم)

۹۰۔ صفیر بلگرامی، تذکرہ جلوۂ خضر، پٹنہ، ۱۸۸۵ء (جلد اول و دوم)

۹۱۔ طامس ٹمکاف، سر طامس ٹمکاف کی ڈائری (خواجہ حسن نظامی سے کسی نے اردو میں ترجمہ کرایا) دہلی، ۱۹۵۰ء

۹۲۔ ظہیر دہلوی، راقم الدولہ، داستانِ غدر، لاہور، سنہ اشاعت ندارد۔

۹۳۔ عباد اللہ گیلانی، گرو گرنتھ صاحب اور اردو، لاہور، ۱۹۶۶ء

۹۴۔ عبد الحیٔ، سید، گل رعنا، اعظم گڑھ، ۱۳۶۴ھ

۹۵۔ عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، صدر الدین آزردہ، دہلی، ۱۹۷۷ء

۹۶۔ عبد القادر خاں، علم و عمل، مرتبہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۰ء

۹۷۔ عبد اللطیف، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، مرتبہ خلیق احمد نظامی، دہلی، ۱۹۵۸ء

۹۸۔ عرش تیموری، قلعۂ معلیٰ کی جھلکیاں، دہلی، ۱۹۳۷ء

۹۹۔ غالب اسد اللہ خاں، عودِ ہندی، مطبع مجتبائی میرٹھ، ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء

۱۰۰۔ غالب اسد اللہ خاں، اردوئے معلیٰ، اکمل المطابع، دہلی، ۶ مارچ ۱۸۶۹ء

۱۰۱۔ غالب اسد اللہ خاں، اردوئے معلیٰ، مطبع اردو گائیڈ، کلکتہ، ۱۸۸۳ء

۱۰۲۔ غالب اسد اللہ خاں، اردوئے معلیٰ (حصہ اول و دوم) مطبع نامی مجتبائی، دہلی، اپریل ۱۸۹۹ء

۱۰۳۔ غالب اسد اللہ خاں، اردوئے معلیٰ، مطبع فاروقی، دہلی، ۱۹۱۰ء

۱۰۴۔ غالب، اسد اللہ خاں، مکمل اردوئے معلّیٰ (مشتمل بر دو حصہ) مطبع مجیدی کانپور ۱۹۲۲ء
۱۰۵۔ غالب، اسد اللہ خاں، عودِ ہندی، رام نرائن لال، الہ آباد، ۱۹۲۶ء
۱۰۶۔ غالب، اسد اللہ خاں، مکاتیبِ غالب مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی، رام پور، ۱۹۳۷ء
۱۰۷۔ غالب، اسد اللہ خاں، خطوطِ غالب، مرتبہ مہیش پرشاد، الہ آباد، ۱۹۴۱ء
۱۰۸۔ غالب، اسد اللہ خاں، مکاتیبِ غالب مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی (چھٹا اڈیشن) رام پور، ۱۹۴۹ء
۱۰۹۔ غالب، اسد اللہ خاں، نادراتِ غالب، مرتبہ آفاق حسین آفاق، کراچی، ۱۹۴۹ء
۱۱۰۔ غالب، اسد اللہ خاں، خطوطِ غالب، مرتبہ غلام رسول مہر، لاہور، ۱۹۵۱ء
۱۱۱۔ غالب، اسد اللہ خاں، غالب کی نادر تحریریں، مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۶۱ء
۱۱۲۔ غالب، اسد اللہ خاں، خطوطِ غالب، مرتبہ مہیش پرشاد، نظرِ ثانی مالک رام علی گڈھ، ۱۹۶۲ء
۱۱۳۔ غالب، اسد اللہ خاں، عودِ ہندی، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، لاہور، ۱۹۶۷ء
۱۱۴۔ غالب، اسد اللہ خاں، اردوئے معلّیٰ، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل، (تین جلدیں) لاہور، ۱۹۶۹ء
۱۱۵۔ غالب، اسد اللہ خاں، انتخابِ غالب، مرتبہ مولوی ضیاء الدین خاں، (فوٹو سٹیٹ) غالب انسٹی ٹیوٹ لائبریری، نئی دہلی
۱۱۶۔ فائق رام پوری، کلب علی خاں، مومن، لاہور، ۱۹۶۱ء
۱۱۷۔ قاضی محمد عبد الغفار، حیاتِ اجمل، علی گڑھ
۱۱۸۔ کریم الدین، گلدستۂ نازنیناں، دہلی، ۱۸۴۵ء
(ب) کریم الدین، تذکرہ طبقات الشعرائے ہند، دہلی، ۱۸۴۷ء
۱۱۹۔ کمال الدین حیدر، سید، سوانحات سلاطین اودھ، لکھنؤ، ۱۸۹۶ء
۱۲۰۔ کمال الدین حیدر، سید، قیصر التواریخ (جلد ۲) لکھنؤ، ۱۹۰۷ء
۱۲۱۔ کوثر چاند پوری، اطبائے عہدِ مغلیہ، کراچی، ۱۹۵۵ء
۱۲۲۔ گارساں دتاسی، خطباتِ گارساں دتاسی (اردو ترجمہ) اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء
۱۲۳۔ گیان چند، اردو کی نثری داستانیں، کراچی، ۱۹۶۹ء
۱۲۴۔ مالک رام، تلامذۂ غالب، نکودر، ۱۹۵۷ء
۱۲۵۔ مالک رام، ذکرِ غالب، دہلی، ۱۹۷۶ء

۱۲۶۔ مالک رام، قدیم دلی کالج، طبع دوم، ۱۹۷۶ء

۱۲۷۔ مالک رام، فسانۂ غالب، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء

۱۲۸۔ مجروح، میر مہدی، مظہرِ معانی، دہلی، ۱۸۹۹ء

۱۲۹۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی، شیخ، کلیاتِ نثرِ حالی جلد ۲، لاہور، ۱۹۶۸ء

۱۳۰۔ محمد اکبر الدین صدیقی (مرتب) کلیاتِ ممنون، حیدر آباد، ۱۹۷۲ء

۱۳۱۔ محمد صادق، محمد حسین آزاد، احوال و آثار، لاہور، ۱۹۷۶ء

۱۳۲۔ محمد ذکاء اللہ، تاریخ عروج عہدِ سلطنتِ انگلشیہ ہند، دہلی، ۱۹۰۴ء

۱۳۳۔ محمد علی حسن خاں، سید، مآثر صدیقی، لکھنؤ، ۱۹۲۴ء

۱۳۴۔ محسن، میر محسن علی، سراپا سخن، لکھنؤ، ۱۸۶۱ء

۱۳۵۔ محمود شیرانی، فردوسی پر چار مقالے، دہلی، ۱۹۴۲ء

۱۳۶۔ محمد عبدالسلام، افکارِ رومی، دہلی، ۱۹۸۱ء

۱۳۷۔ محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی، علی گڑھ، ۱۹۵۷ء

۱۳۸۔ محمد عتیق صدیقی، صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، علی گڑھ، ۱۹۶۲ء

۱۳۹۔ محمد عتیق صدیقی (مرتب) ۱۸۵۷ء، اخبار اور دستاویزیں، دہلی، ۱۹۶۶ء

۱۴۰۔ مختار الدین احمد (مرتب) احوالِ غالب، علی گڑھ، ۱۹۵۳ء

۱۴۱۔ مرزا محمد عسکری، ادبی خطوطِ غالب، لکھنؤ، ۱۹۲۹ء

۱۴۲۔ معروف، نواب الٰہی بخش خاں، دیوانِ معروف (قلمی) انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلی

۱۴۳۔ معین الدین حسن، خدنگِ غدر، مرتبہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، دہلی، ۱۹۷۲ء

۱۴۴۔ معین الرحمٰن سید، غالب اور انقلاب ستاون، لاہور، ۱۹۷۴ء

۱۴۵۔ منشا، ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں، مطالعہ میر نظام الدین ممنون دہلوی، ناگپور، سنہ اشاعت ندارد

۱۴۶۔ میر امن دہلوی، باغ و بہار، کلکتہ، ۱۹۰۴ء

۱۴۷۔ نادر، مرزا کلب حسین خاں، تذکرہ نادر، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب، لکھنؤ، ۱۹۵۷ء

۱۴۸۔ ناصر الدین احمد خاں، عرف خسرو مرزا، اصہار الغالب، دہلی، ۱۹۶۹ء

۱۴۹۔ ناصر، سعادت خاں، تذکرہ خوش معرکۂ زیبا، مرتبہ مشفق خواجہ، لاہور، سنہ ۱۹۷۰ء
۱۵۰۔ ناسخ، عطاء اللہ خاں، مثنوی شمشیر عشق، مطبع چشمۂ فیض، سنہ ۱۲۷۶ھ
۱۵۱۔ نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر، دراسات، دہلی، سنہ ۱۹۷۰ء
۱۵۲۔ نجم الغنی، تاریخ اودھ، لکھنؤ، سنہ ۱۹۱۹ء جلد ۵۔۱
۱۵۳۔ نجم الغنی، تاریخ راجگان ہند، لکھنؤ سنہ ۱۹۲۷ء
۱۵۴۔ نجم الغنی، اخبار الصنادید، جلد ۲، لکھنؤ، سنہ ۱۹۱۸ء
۱۵۵۔ نساخ، عبد الغفور، سخن شعرا، لکھنؤ، سنہ ۱۸۷۴ء
۱۵۶۔ نساخ، عبد الغفور، تذکرہ قطعۂ منتخب، مرتبہ انصار اللہ نظر کراچی، سنہ ۱۹۷۴ء
۱۵۷۔ نور الحسن، ڈاکٹر، فارسی ادب، بہ عہد اورنگ زیب، دہلی، سنہ ۱۹۶۹ء
۱۵۸۔ نظامی، بدایونی، قاموس المشاہیر، جلد اول، بدایوں، سنہ ۱۹۲۴ء
۱۵۹۔ نیر رخشاں، جلوۂ صحیفۂ زریں، مرتبہ مرزا سعید الدین احمد خاں، دہلی، سنہ ۱۹۱۶ء

مقالے

۱۶۰۔ اطہر شہر سید (مرتب) مرزا عبد القادر بیدل کا مولد و نسب، پروفیسر سید حسن، مرزا عبد القادر بیدل، پٹنہ، سنہ ۱۹۸۲ء
۱۶۱۔ اکبر حیدری، مرزا غالب کے ایک شاگرد، منشی بال مکند بے صبر، نیا دور، لکھنؤ، مئی سنہ ۱۹۸۱ء
۱۶۳۔ حنیف نقوی، ڈاکٹر، مرزا حاتم علی مہر۔ تحقیق مزید، نیا دور لکھنؤ، جنوری، فروری سنہ ۱۹۸۲ء
۱۶۴۔ خلیق انجم، بہادر شاہ ظفر۔ ایک تاریخی جائزہ، صبح، دہلی شمارہ تیسرا اور چوتھا، سنہ ۱۹۶۳ء
۱۶۵۔ خلیق انجم، آزردہ کے اشعار، اردو نامہ، کراچی، اپریل و جون سنہ ۱۹۶۴ء
۱۶۶۔ خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر، غالب اور بے صبر، اردوئے معلیٰ، دہلی، فروری سنہ ۱۹۶۰ء
۱۶۷۔ راز یزدانی، بہار عجم کے مخطوطے پر خان آرزو کے حواشی، نگار، رام پور، جنوری سنہ ۱۹۶۳ء
۱۶۸۔ سلیم جعفر، دیوان جانی بہاری لال، کانپور، ستمبر سنہ ۱۹۳۷ء

۱۶۹۔ شمس الدین احمد خاں، فخر الدولہ نواب مرزا علاء الدین احمد خاں بہادر علائی، اردو، اورنگ آباد، جولائی ۱۹۴۴ء

۱۷۰۔ صغیر اصغر، غالب اور قاری جعفر علی، جارچوی، ماہِ نو، کراچی

۱۷۱۔ عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر، مراۃ الاشباہ اور حکیم احسن اللہ خاں، اردو، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء

۱۷۲۔ عبدالماجد دریابادی، مولانا، غالب کا ایک فرنگی شاگرد، معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۲۲ء

۱۷۳۔ فرحت اللہ بیگ، مرزا، خواجہ بدر الدین خاں، عرف خواجہ امان مرحوم و مغفور، اردو، اورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۱ء

۱۷۴۔ قاضی عبدالودود، امید سنگھ، معاصر، پٹنہ، جلد ۲، حصہ ۷

۱۷۵۔ قاضی عبدالودود، یادداشت، معاصر، حصہ ۱۷

۱۷۶۔ قاضی عبدالودود، جہانِ غالب، معاصر، پٹنہ، حصہ ۳

۱۷۷۔ قاضی عبدالودود، کچھ دساتیر کے بارے میں، جنرل خدابخش لائبریری، پٹنہ، شمارہ ۲۰، ۱۹۸۲ء

۱۷۸۔ قاضی عبدالودود، غالب بہ حیثیت محقق، علی گڑھ میگزین، غالب نمبر ۱۹۴۸-۴۹ء

۱۷۹۔ قاضی معراج دھولپوری، منشی بال مکند بے صبر، اردو ادب، دسمبر ۱۹۵۷ء

۱۸۰۔ قاسمی معراج دھولپوری، دیوان جانی بہاری لال راقم بھر تپوری، ہماری زبان، علی گڈھ، ۸ نومبر ۱۹۶۱ء

۱۸۱۔ کیفی، برج موہن دتاتریہ، اب سے آدھی صدی پہلے کے اردو اخبار، اردو، اورنگ آباد، اپریل ۱۹۳۵ء

۱۸۲۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی، شیخ، میر مہدی مجروح، ماہ نو، کراچی، جنوری فروری ۱۹۶۹ء

۱۸۳۔ مختار الدین احمد، منشی بال مکند بے صبر، ہماری زبان، علی گڈھ، ۱۵ جون ۱۹۵۷ء

۱۸۴۔ مختار الدین احمد پروفیسر، غیر معروف شعرا، ہماری زبان، علی گڈھ، یکم جولائی ۱۹۵۷ء

۱۸۵۔ مختار الدین احمد، پروفیسر، آزردہ کی کچھ نایاب و کمیاب تحریریں، سہ ماہی غالب نامہ، نئی دلی، جولائی ۱۹۸۱ء، ۱۰۳۔۸۰

۱۸۶۔ مختار الدین احمد، آثارِ ادبیہ، ہماری زبان، علی گڈھ، ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء

۱۸۷۔ مسلم ضیائی، تذکرہ منظہر العجائب اور مرزا غالب، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء

۱۸۸۔ منظور الحسن برکاتی، سید، میر تفضل حسین خاں، شاعر، بمبئی، ۱۹۶۹ء

۱۸۹ - منظور الحسن برکاتی، سید، ٹونک میں مرزا غالب کے احباب، تحریک دہلی، اپریل ۱۹۷۴ء

۱۹۰ - ناظر حسین، الگزینڈر ہیڈرلی آزاد، آجکل نئی دہلی، مئی ۱۸۵۷ء

۱۹۱ - نذیر احمد، ڈاکٹر، کلیم کی ہندوستان میں آمد، مقالات منتخبہ، جلد ۱، لاہور، سنہ ۱۹۷۰ء

۱۹۲ - ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، منشی بال مکند بے صبر بدایونی، ہماری زبان، علی گڑھ، ۸ دسمبر ۱۹۶۰ء

۱۹۳ - ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، دیوان جانی بہاری لال راحمی، ہماری زبان، علی گڑھ ۲۲ ستمبر ۱۹۶۱ء

۱۹۴ - ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی، منشی بال مکند بے صبر، العلم، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء

۱۹۵ - غالب اور تلامذہ غالب۔ تذکرہ بشیر میں، اردو، کراچی، غالب نمبر، ۱۹۶۹ء

۱۹۶ - دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱، لاہور، ۱۹۶۴ء

اشاریہ

اشخاص

ملکوں، شہروں، عمارتوں اور محلوں وغیرہ کے ناموں کا اشاریہ

کتابیں

اخبار اور رسالے

اشاریہ

اشخاص

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے
ہمارے وٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

Scholars have considered the present research work on Ghalib's letters, the most systematic, scientific and comprehensive so far without detracting from the valuable work done by the earlier researchers.

(Yogendra Bali, Times of India, New Delhi, 2nd July 1984)

Dr. Khaliq Anjum's work is a work with a difference and the first of its kind in the sub-continent..... To say the least "Ghalib ke khatoot" edited by Khaliq Anjum is an encyclopaedia of Ghalib.

(Prof. Jagan Nath Azad, Kashmir Times, Srinagar, July 3, 1984)

All lovers of art and letters owe a debt to Dr. Anjum for his painstaking work which he completed after years of research in India and abroad. It brings Ghalib alive to us and we see the poet as he really was—all agog with the excitement of everyday things which he transformed into momentous events.

(Statesman, New Delhi, July 30, 1984)

ڈاکٹر خلیق انجم نے برسوں کی محنت کے بعد تمام دستیاب خطوط کو چار جلدوں میں یکجا کر دیا ہے، اُن کی تاریخ متعین کرنے کی کوشش کی ہے، خطوط کے املا و حلیے کے بارے میں تفصیلی حواشی قلمبند کیے ہیں، جہاں اصل خط مہیا ہو گیا ہے، اس کا عکس شائع کر دیا ہے۔

میں تو یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں خطوط غالب کا "ممکنہ حد تک" ایک مکمل مجموعہ دستیاب ہو جائے گا۔ اس کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم اُردو دُنیا کے شکریے کے مستحق ہیں۔ (مالک رام)

"غالب کے خطوط" کی پہلی جلد اب چھپ کر سامنے آئی ہے جس کو دیکھ کر جی خوش ہو جاتا ہے اور آنکھوں کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں کہ خلیق انجم صاحب نے بہت دل لگا کر اور نظر جما کر اس کام کو انجام دیا ہے۔ انھوں نے بہت صبر و تحمل کے ساتھ کئی سال صرف کیے متن کی تصحیح پر، اور بہت سا وقت خرچ کیا متن سے متعلق حواشی لکھنے پر، انھوں نے ضروری مصادر اور ماخذ کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ قیاس نہیں، میں یہ بات ذاتی معلومات کی بنا پر لکھ رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ انھوں نے تلاش و جستجو کا حق ادا کرنے کی ایماندارانہ کوشش کی ہے اور جدید اصولِ تدوین کی روشنی میں متن کو مرتب کیا ہے۔

میں خلیق انجم صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُن کی اس کتاب سے جہاں غالب شناسی کے ذخیرے میں اہم اضافہ ہوگا، وہاں غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دلّی کی فہرستِ مطبوعات میں ایک ایسی کتاب کا اضافہ ہوگا جسے صحیح معنوں میں اہم کتاب کہا جا سکے گا۔ ایسی اہم کتاب، جس کا مطالعہ ہر غالب شناس کے لیے ازبس ضروری ہے۔ (رشید حسن خاں)

"اپنی نوعیت کے عظیم تحقیقی کارنامے کی ترتیب پر ڈاکٹر خلیق انجم اور اُس کی اشاعت پر غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی ہر طرح مبارکباد کی مستحق ہے۔ "غالب کے خطوط" غالبیات میں ایک اہم اضافہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ غالب شناس اِس کتاب کی وہ قدر کریں گے جس کی یہ مستحق ہے۔" (پروفیسر مختارالدین احمد)

ڈاکٹر خلیق انجم نے برسوں محنت اور دیدہ ریزی کے بعد خطوطِ غالب کو چار جلدوں میں فراہم کیا ہے۔ غالبیات میں انھوں نے اب تک جو کام کیے تھے وہ بھی اُن کی سرخروئی کے لیے کافی تھے، لیکن اس کارنامے نے انھیں غالب شناسوں کی صفِ اوّل تک پہنچا دیا ہے۔

(ڈاکٹر نثار احمد فاروقی)

غالبیات کے تقریباً تمام گوشوں پر ڈاکٹر خلیق انجم کی نظر ہے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں بر صغیر سے باہر برطانیہ میں بھی انھوں نے اردو کے علمی ذخیروں کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہے۔ بلاشبہ اس علمی کام کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم پوری اُردو دُنیا کے شکریے کے مستحق ہیں۔ (پروفیسر گوپی چند نارنگ)